بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب آگاہی

(تصحیح العقائد)

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب آگاہی (تصحیح العقائد)

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر

1	قرآن پاک کے علوم	4
2	فقہ کیا ہے؟----------فقہ حنفی	5
3	تقلید کیا ہے؟	7
	☆ اجتہاد-----------تقلید مجتہد واجب ہے	7
	☆ اِجماع کیا ہے اور قیاس کیا ہے؟	8
	☆ صحابہ کرامؓ اور تقلید	9
	☆ تقلید کا قرآنی ثبوت	11
4	ایک امام کی پیروی کیوں؟	12
5	آئمہ اربعہ (چاروں امام)------------------☆ حضرت اِمام ابوحنیفہ	13
	☆ حضرت اِمام مالکؒ	17
	☆ حضرت اِمام شافعیؒ	22
	☆ حضرت اِمام احمد بن حنبلؒ	28
6	اہلِ سُنت والجماعت	32
7	وہابی یا اہلِ حدیث کیا ہیں؟	35
8	جھوٹے مدعیان نبوت	36
9	شیعہ (رافضی)	42
10	معیارِ حق	44
11	نجومِ ہدایت	57
12	اہلِ سُنت والجماعت اور اہلِ حدیث کے چند اختلافات	60
	☆ عورت اور مرد کی نماز میں فرق بغیر-------طہارت کے قرآن مجید کو چھونا	60
	☆ ضعیف احادیث کی حقیقت یا اہل سنت والجماعت اور عمل بالحدیث:	60
	☆ ایک مجلس میں تین طلاقیں-----------چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا	62
	☆ تعین دن کا ثبوت؟	63
	☆ امام کے پیچھے قرات نہیں کرنی ہے	64
	☆ آمین آہستہ کہنی چاہیے-------------- کفنی یا الفی لکھنے کا بیان	65
	☆ الاستمداد (مدد طلب کرنا)	66
	☆ مزارات، تبرکات اور ان کی تعظیم	68
	☆ نذرونیاز اور دُعائے مغفرت	71

☆ دم،تعویذ اور دھاگے کا شریعت سے ثبوت 74
☆ دم کرنے سے پانی میں شفا کیسے آتی ہے (سائنسی تحقیق) 75
13 مسائل 76
☆ فاتحہ کیا ہے؟------------سوئم یا قل شریف کیا ہے؟ 76
☆ گیارہویں شریف کیا ہے؟ 77
☆ بدعت 78
14 حیات النبی خاتم النبیین ﷺ 79
15 نبی خاتم النبیین ﷺ نور ہیں 81
16 یا رسول اللہ کہنا جائز ہے؟ 89
17 وسیلہ 93
18 شفاعت 98
19 آیت وسیلہ و شفاعت 101
20 علم غیب 103
21 حاضر و ناظر 106
22 ایصال ثواب 109
☆ ایصال ثواب کے لیے ایام اور تاریخ----ایصالِ ثواب یا دعائے مغفرت کرنے کا طریقہ 112
23 توحید اور شرک 113
24 ندا اور اس کی اقسام 119
25 نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت اور یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کہنا 121
26 نعرہ رسالت اور چھ ستمبر 1965 کی جنگ (جنگ پاک و ہند) 123
27 نذر و نیاز اور تعزیہ داری 125
28 تعزیہ داری علمائے اہل سنت کی نظر میں 126
29 زیارت قبور 127
30 تبرک 131
31 حیات مبارکہ میں آثار رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے تبرک کا ثبوت 135
32 بعد از وصال آثار رسول خاتم النبیین ﷺ سے تبرک کا ثبوت 139
33 آثار اولیاء اور صالحین سے تبرک 143
34 سوال و جواب 145

قرآن پاک کے علوم

قرآن پاک 5 علوم پر مشتمل ہے:

(1) علم الاحکام یا علم فِقہ (2) علوم مناظرہ (3) علم تزکیر آلاء اللہ (4) علم تزکیر ایام اللہ (5) علم تزکیر موت و مابعد الموت

(1) علم الاحکام یا علم فِقہ: یہ نہ صرف ایک علم ہے بلکہ دیگر چار علوم بھی اِسی کے گرد گھومتے ہیں۔ مثلاً

(2) علوم مناظرہ: اس کا مقصد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور منافقین کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے مناظرہ کا علم حاصل کیا جائے۔ تاکہ اسلام کی حقانیت ان پر واضح ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ اختیار کر لیں۔

(3) علم تزکیر آلاء اللہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا، کیونکہ جب کوئی شخص انعامات خداوندی کا علم حاصل کر لیتا ہے تو وہ اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے دل سے تیار ہو جاتا ہے۔

(4) علم تزکیر ایام اللہ: اللہ تعالیٰ کے خاص دن یاد دلانا۔ اِس علم کا مقصد یہ ہے کہ جن ایاّم میں مومن اور مطیع لوگوں پر انعاماتِ خداوندی کی بارش ہوئی۔ اور جن ایاّم میں منکرین اور نافرمان لوگ اپنے جرم کے باعث عذابِ الٰہی کے مستحق ہوئے ان کا علم حاصل کر کے اطاعت کی راہ اختیار کی جائے اور نافرمانی سے بچا جائے۔

(5) علم تزکیر موت و مابعد الموت: اِس علم کے باعث انسان اپنی عاقبت کی فکر کرتے ہوئے ایسے کام کرتے ہیں جو جنت میں جانے کا باعث بنتے ہیں۔

قرآن پاک کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے احکامِ خداوندی پر مبنی ایک دستورِ حیات ہمیں عطا کیا اور قرآن پاک کو اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ پر نازل فرما کر اُمت مسلمہ کو آپ خاتم النبیین ﷺ کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کا پابند بنا دیا۔ لہٰذا احکام خداوندی کے حصول کے لیے دو چیزوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

(1) قرآن پاک　　(2) سُنّت رسول خاتم النبیین ﷺ

قرآن پاک کو **وحی جلی** اور سُنت و حدیث کو **وحی خفی** کہتے ہیں۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی زندگی مبارک (ظاہری حیاتِ طیبہ) میں مسلمان آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل کا حل معلوم کرتے لیکن جو لوگ دور دراز کے علاقوں میں رہتے وہ اپنے مسائل کیسے حل کرتے؟ چنانچہ دورِ رسالت ہی میں اجتہاد کی بنیاد ڈال دی گئی تھی۔ تاکہ اِسے سند حاصل ہو جائے اور کوئی شخص انکار نہ کر سکے۔ اِس سلسلے میں حضرت معاذؓ بن جبل کا مشہور واقعہ ہے۔ جب حضرت معاذؓ کو یمن کا حاکم مقرر کر کے بھیجا گیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا: "کیسے فیصلہ کرو گے؟"۔ اُنہوں نے عرض کی: "کتاب اللہ سے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "اگر اِس میں نہ پاؤ؟" عرض کیا: "سُنت رسول خاتم النبیین ﷺ سے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اگر اِس میں بھی نہ پاؤ"؟ اُنہوں نے عرض کیا: "پھر اپنی رائے سے اِجتہاد کروں گا"۔ اِس پر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے مسرت کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کا شُکر کیا کہ اُس نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے نمائندے کو مسائل حل کرنے کی توفیق بخشی۔ (جامع ترمذی، جلد 2، حدیث نمبر ۱۳۲۷۔ مسند احمد، جلد ۶، حدیث نمبر ۶۳۹۰)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل، آیت نمبر ۴۳ فرمایا:　　فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ

ترجمہ: "اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھو۔"

اس آیت میں اِس طرف اشارہ ہے کہ قرآن و سُنت سے واضح طور پر مسئلہ معلوم نہ ہو سکے تو مجتہدین و فقہا کرام سے راہنمائی حاصل کی جائے۔

اگر کسی زمانے کے تمام مجتہدین یا اِن میں سے اکثر کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اُسے **اجماع** کہتے ہیں۔

بعض مجتہدین کا یا کسی ایک مجتہد کا اجتہادی فیصلہ ہو تو اُسے **قیاس** کہتے ہیں۔

گویا شرعی احکام چار طریقے سے حاصل ہوتے ہیں یا (اسلام کے ماخذ چار ہیں)

(1) قرآن پاک　(2) سُنت رسول خاتم النبیین ﷺ　(3) اجماع　(4) قیاس

یہی شرعی دلائل ہیں اور انہی کو اصولِ فقہ کہا جاتا ہے۔

فقہ کیا ہے؟

فقہ یا اسلامی دستور (یا اِسلامی قانون) فقہ شرعی قوانین کا نام ہے۔

علمِ فقہ کی تعریف: لغوی اعتبار سے فقہ کسی چیز کو جاننے اور معلوم کرنے کا نام ہے۔

اصطلاحِ فقہا میں: اُن احکام شرعیہ اور فروعیہ کا جاننا جو قرآن، سُنت، اجماع اور قیاس سے اخذ کئے گئے ہوں۔

علم فقہ کے ماخذ: (1) قرآن (2) سُنّت (3) اجماع (4) قیاس

علم فقہ کا موضوع: اِس علم میں مکلّف (عاقل و بالغ) مسلمان کے فعل یعنی فرض، واجب، سُنت، حلال، حرام، مستحب اور مکروہ وغیرہ پر بحث کی جاتی ہے۔

علمِ فقہ کی ضرورت (غایت): اِس علم کی بدولت انسان خود بھی جہالت سے نکلتا ہے اور اعلیٰ مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے اور دوسروں کو بھی حُقوق اللہ اور حُقوق العباد کی تعلیم دے کر آخرت میں جنت کی نعمتوں کو پالیتا ہے۔

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان جب تک علم فقہ سے بہرہ ور نہیں ہوتا حُقوق اللہ اور حُقوق العباد سے لاعلم رہتا ہے۔ جہالت کی وادیوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تبلیغ کے لیے علم فقہ کا حصول لازمی قرار دیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: (سورۃ توبہ، آیت نمبر ۱۲۲) فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ "لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ*

ترجمہ: "تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل کے دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سُنائیں"۔

فُقہاءِ اسلام قرآن پاک کی پانچ سو آیات اور تین ہزار احادیث صدقیہ نبویہ سے مسائل شریعت کا استخراج کرتے ہیں۔

فقہ کا تعلق مندرجہ ذیل مباحث سے ہے: (1) عبادات (2) معاملات (3) مناکحات (4) عقوبات

(1) **عبادات:** جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔

(2) **معاملات:** جیسے خرید و فروخت، امانت، ضمانت وغیرہ کے مسائل۔

(3) **مناکحات:** انسانی نسل کو قائم رکھنے اور اِس کی حفاظت اور بقا کے مسائل جیسے نکاح، طلاق، عدت، نسب ولایت، وصیت، وراثت وغیرہ۔

(4) **عقوبات:** آپس کے جھگڑوں کو طے کرنے کے لیے عدالتی نظام، دعویٰ، اقرار، جواب دعوٰی، جرائم اور اُن کی سزائیں، حکومت، بین الاقوامی معاملات، اِسی طرح صلح اور جنگ وغیرہ کے تمام مسائل۔ آئمہ دین و مجتہدین کرام ان مسائل کو قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کے ذریعے مرتب کرتے ہیں۔

فقہ حنفی

امام اعظم (امام ابوحنیفہؒ) نے سب سے پہلے فقہ مدوّن کی (لکھی)، اِس کے ابواب ترتیب دیے۔ اسکے بعد امام مالکؒ نے موطا میں اِسی ترتیب کا اتباع کیا ہے۔

حضرت امام اعظم تمام علوم شرعیہ، حدیث، تفسیر، اور فنونِ عالیہ میں بحرِ ناپید کنار تھے۔ علم و ادب کے ماہر تھے۔ آپ کے اشعار ایسے فصیح و بلیغ ہیں جن کو سُن کر آپ کے ہم عصر حیران رہ جاتے تھے۔ (خیرات الحسان)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "فقہ میں سب لوگ امام ابوحنیفہؒ کی اولاد ہیں۔ جو فقہ سیکھنا چاہے اُسے امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کا دامن پکڑنا چاہیے"۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں: " امام ابوحنیفہؒ کے علم کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ مٹی کے ستون کو سونا کہہ دیں تو پھر اُسے دلیل سے سونا ثابت کر دیں گے" "۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: " امام اعظم روئے زمین کے سب سے بڑے فقیہہ ہیں''۔

حضرت ابن مبارکؒ نے فرمایا: "میں نے کسی کو امام اعظم سے زیادہ فقیہہ نہیں پایا"۔

فقہ حنفی کو فقہ مالکی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی پر فضیلت حاصل ہے۔ آج دنیا میں فقہ حنفی سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی تعداد دیگر مذاہب سے کہیں زیادہ ہے۔

اَب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی وجوہات ہیں جن کی بناء پر فقہ حنفی ایک امتیازی شان کی حامل بن گئی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے اسلامی قانون (فقہ) کی تدوین و تشکیل جدید کے لیے اسلام کے شورائی نظام کے تحت ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی۔ شرکاء کمیٹی کی مجموعی تعداد

چالیس تھی۔ان میں سے ہر ایک مجتہد تھا۔ پھر بارہ افراد پر مشتمل ایک دوسری کمیٹی مجلس شوریٰ تھی۔ جو فیصلے کو آخری شکل دیتی تھی اور حتمی نتائج پر پہنچتی تھی۔ دونوں کمیٹیوں کے سربراہ اعلیٰ امام ابوحنیفہؒ تھے جن کی سرپرستی، نگرانی و رہنمائی میں اکابر علماء، مجتہدین وفقہا نے کئی سال تدوینِ فقہ (اسلامی قانون کے لکھنے) میں صرف کیے۔ اُمّت کے لیے اِمام ابوحنیفہؒ کی جانب سے یہ شورائی و تدوینی فقہ (تحریری شکل میں اسلامی قانون کا ہونا) اُن کا پہلا قدم تھا یعنی آپ نے بغیر کسی سابقہ نمونے کے اپنی فقہ مرتب کی۔

اِس لیے امام ابوحنیفہؒ کو تدوینِ فقہ یا اسلامی دستور کی با قاعدہ تشکیل میں اولین راہی کا مقام حاصل ہے اور اسلام کے تمام فقہی دستوروں میں صرف اور صرف فقہ حنفی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ کسی شخصی رائے پر مبنی نہیں۔ بلکہ چالیس علماء کی جماعت شوریٰ کی ترتیب دی ہوئی ہے۔

اِس طرح حنفی مسلک گویا شورائی مسلک ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اِس صفت میں اپنے تمام ہم عصروں سے ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اُن کے شاگرد اور ہم نشین عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے۔ ان باتوں کے علاوہ اُن کی طبعیت مقننہ اور معاملہ فہم تھی۔ وہ ہر بات کو قانون کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ اور پھر اُس کے دقیق نکتوں کو پہنچ جاتے تھے۔

فقہ حنفی کی خصوصیات:

علامہ شبلیؒ نے فقہ حنفی کی مندرجہ ذیل خصوصیات بیان کی ہیں:

(1) عقل کے مطابق (2) آسان (3) قواعد و معاملات کی وسعت (4) ذمیوں کے حقوق (5) نصوص شرعیہ کے مطابق (6) شورائی مذہب

(1) **عقل کے مطابق:** فقہ حنفی عقل کے مطابق ہے۔ اور یہ فقہ مسائل کے اسرار و مصالح (راز اور اُن کی مصلحتیں) پر مبنی ہے۔

(2) **آسان:** فقہ حنفی آسان ہے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ آیا ہے، جیسے: یُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز

ترجمہ: " خدا تم لوگوں پر آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا" (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۸۵)

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں"۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو دین میں آسانی پیدا کرے۔ یہ آسانی دین اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔ امام صاحب کی فقہ میں یہی بات پیش نظر رکھی گئی ہے۔ اِس سلسلے میں بے شمار مثالیں ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال بیان کی جاتی ہے مثلاً چوری کے ایک نصاب میں یعنی ایک اشرفی میں متعدد چور مشترک ہوں تو امام صاحب کے نزدیک کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جبکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(3) **قواعد و معاملات کی وسعت:** فقہ حنفی کے قواعد و معاملات وسیع تمدن کے موافق ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک معاملات کے احکام ابتدائی حالات میں تمدن یا تہذیب یافتہ ملک کے نزدیک بالکل نہ تھے۔ نہ معاملات کے استحکام کے قواعد و ضوابط تھے، نہ دستاویزات کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا اور نہ مقدمات کے فیصلوں اور ادائے شہادت کا کوئی با قاعدہ طریقہ تھا۔ امام صاحبؒ پہلے شخص تھے جو ان چیزوں کو تحریر میں لائے۔

(4) **ذِمیوں کے حقوق:** وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے مُلک میں مسلمانوں کے تابع بن کر رہتے ہیں ذِمی کہلاتے ہیں۔ اسلام نے جس طرح مسلمان رعایا کو حقوق عطا کیے ہیں، اسی طرح ذمیوں کی حفاظت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا اعلان کیا ہے۔ امام صاحب نے اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی فقہ میں ذمیوں کو جو حقوق دیئے ہیں، دُنیا کی کسی حکومت نے غیر قوم کو وہ حقوق نہیں دیئے۔ فقہ حنفی کے مطابق ذمیوں کے حقوق محض زبانی دعویٰ نہیں ہیں بلکہ عملاً نافذ رہے ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے۔

(5) **نصوص شرعیہ کے مطابق (قرآن وسُنت سے):** ویسے تو ہر امام کی فقہ نصوص شرعیہ (یعنی قرآن وسُنت) سے ثابت ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کا اجتہاد دوسرے آئمہ کرام کی نسبت زیادہ قوی اور مُدلّل ہے۔

مثلاً امام صاحب کے نزدیک مقیم کو پانی مل جائے تو تیمم ٹوٹ جائے گا جبکہ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اِس کے خلاف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ قرآن پاک میں تیمم کا جواز "جب تم پانی نہ پاؤ" کی شرط سے مشروط ہے۔ جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی باقی نہ رہا۔

(6) **شورائی مذہب:** امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ کے لیے ایک مجلس شوریٰ تشکیل دی جو چالیس افراد پر مشتمل تھی۔ پھر بارہ افراد کی ایک اور کمیٹی مجلس شوریٰ تھی۔ ان دونوں کمیٹیوں کے سربراہ اعلیٰ امام صاحب تھے۔ ممکن ہے کہ شورائی فقہ کا یہ نظریہ امام صاحب نے حضرت عمرؓ کے طریق کار سے اخذ کیا ہو یا حرمین میں اپنے چھ سالہ قیام کے دوران آپؒ نے مدینہ کی فقہ سبعہ کی مجلس سے استفادہ کیا ہو۔ تاہم آپؒ نے اپنی فقہ کی بنیاد شوریٰ پر رکھی اور یہ فقہ حنفی کی ایک منفرد خصوصیت ہے کہ دوسرے مذاہب فقہ کے برعکس فقہ حنفی فردِ واحد کا نتیجہ فکر نہیں ہے بلکہ شورائی مذہب ہے۔

تقلید کیا ہے؟

تقلید کا مطلب ہے پیروی کرنا۔

تقلید نعوذ باللہ خدانخواستہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی سُنت کے مقابلے میں کوئی جداگانہ چیز نہیں ہے۔

تقلید کی تعریف: عام الفاظ میں آئمہ مجتہدین نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ خاتم النبیین ﷺ وآثار صحابہ کرامؓ سے جو مسائل اخذ کیے ہیں اُن کو تسلیم کر لینا تقلید ہے۔

اصطلاح شریعت میں تقلید کی تعریف: فروعی مسائل فقیہ میں غیر مجتہد کا مجتہد کے قول کو تسلیم کر لینا تقلید ہے۔ جمہورِ اُمت کا یہ مذہب ہے کہ اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی جائز ہے۔

صحابہ کرامؓ اور تقلید: کُل صحابہؓ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی اُن میں سے صرف 149 مجتہد ہوئے یعنی 149 اجتہاد کرتے تھے اور بقیہ تقلید کرتے تھے۔ دورِ رسالت خاتم النبیین ﷺ میں کوئی ایک شخص بھی غیر مقلد نہ تھا، یا وہ مجتہد تھا یا مقلد۔ تقلید پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ بس بات یہ ہے کہ ان مجتہد صحابہ کرامؓ کے فتوے الگ الگ مدوّن نہ تھے (لکھے ہوئے نہ تھے)۔

پھر تابعین اور تبع تابعین نے (صحابہ کرامؓ کے فتوؤں کی روشنی میں) اپنی اپنی فقہ مرتب کیں۔ یہ تقلید بلواسطہ آئمہ اربعہ صحابہ کرامؓ کی تقلید ہی ہے۔

تو تقلید نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی تمام تعلیمات، آپ خاتم النبیین ﷺ کی تمام تر احادیث مبارکہ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے تمام تر ارشادات پر عمل کرنے کا نام ہے اُس تفسیر پر جو صحابہ کرامؓ نے کی اور اُس خلاصے کے تحت جو آئمہ کرامؒ نے سمجھایا۔

اہلِ سُنت والجماعت کے نزدیک اتباع حدیث مقصود بالذات ہے اور آئمہ کرام سمجھانے کا ذریعہ ہیں۔

(1) اجتہاد کیا ہے؟ اِجتہاد کے لُغوی معنی **کوشش** کے ہیں۔

اور اصطلاحِ شریعت میں اجتہاد اُس قوت کو کہتے ہیں جس کی بنا پر کوئی شخص نصوص شرعیہ (قرآن وسُنت) سے مسائل کا حل نکال سکے۔ جس کی شرط یہ ہے کہ قرآن پاک کی وہ ۵۰۰ آیات اور ۳۰۰۰ احادیث جن کا تعلق احکام الٰہی سے ہو اُن کا اُس کو علم ہو۔ اِس کے علاوہ صحابہؓ کے ۷۰ ہزار فتوے یا اجماعی فیصلے اور ناسخ ومنسوخ کا علم ہو۔ اُصول قرآن وحدیث اور ان کے خادم علوم صرف ونحو اور ادب وغیرہ کو جانتا ہو۔

ساری اُمت کا، تمام حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی علماء کرام کا اِس پر اتفاق ہے کہ جو ان شرائط پر پورا آتا ہوگا صرف وہی اجتہاد کرسکتا ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ ان میں سے کل 149 مجتہد ہوئے۔ باقی صحابہ کرامؓ نے انہی 149 کی تقلید یا پیروی کی۔

اجتہاد کن باتوں میں ہوتا ہے؟ اجتہاد عقائد میں نہیں ہوتا۔ مثلاً اللہ ایک ہے، حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اُس کے رسول ہیں وغیرہ میں اجتہاد نہیں ہوتا۔

اِسی طرح وہ احکام جو قرآن وحدیث میں واضح طور پر موجود ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، پردہ، شرعی سزائیں وغیرہ اُن میں اجتہاد نہیں کہ چلو اجتہاد کر لیں کل سے نماز نہیں پڑھیں گے یا اَب پردے کی ضرورت نہیں رہی وغیرہ وغیرہ۔

پورے دورِ رسالت میں کوئی ایک شخص بھی غیر مقلد نہ تھا۔ مجتہد اجتہاد کرتے تھے اور جو اجتہاد پر قدرت نہ رکھتے تھے وہ مجتہد حضرات کی تقلید کرتے تھے یعنی مقلد تھے۔

تقلید مجتہد واجب ہے: واضح رہے کہ شرعی احکام کی تین اقسام ہیں:

اوّل: **عقائد** جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، ملائکہ اور کتب الٰہی، تقدیر، قیامت، حشر، نشر وغیرہ یہ اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ ان میں تقلید جائز نہیں ہے۔

دوئم: وہ **احکام ومسائل** جو قرآن وحدیث وسُنت سے واضح اور صاف طور پر ثابت ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکواۃ، حلال، حرام، پردہ، شرعی سزائیں وغیرہ۔ ان واضح احکامات میں بھی تقلید نہیں کی جاتی۔

سوئم: وہ **مسائل** جو قرآن وحدیث وسُنت سے صاف اور صریح طور پر دکھائی نہیں دیتے پھر آئمہ مجتہدین اجتہاد سے اُن مسائل کا حل، دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں معلوم کرتے ہیں۔ ایسے احکام قطعیہ میں عام لوگ ہوں یا عالم دین ہوں سب مسلمانوں کو مجتہد کی تقلید لازم اور واجب ہے اور تقلید صرف اِسی قسم کے مسائل میں کی جاتی ہے۔

اس لیے تقلید پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔

اجماع کیا ہے؟ اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔

اجماع کی تعریف: اِصطلاح شریعت میں آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد کے زمانے کے تمام فقہا و مجتہدین کا کسی حکمِ شرعی پر متفق ہوجانا اجماع کہلاتا ہے۔

قیاس کیا ہے؟ قیاس کے لُغوی معنی ایک دوسرے کے ساتھ منطبق یا موافق یا مساوی کرنا ہے۔

اصطلاح شریعت میں قیاس سے مُراد درپیش مسئلہ کی نظیر قرآن وسُنت میں تلاش کرکے اُس کے مطابق اِس میں حکم لگانا ہے۔

قیاس دراصل ایک، دو، تین یا زیادہ مجتہدین کا اجتہاد ہے۔ تو فِقہ کے جس مسئلے پر اجماع ہوتا ہے وہ نص قرآن وسُنت رسول خاتم النبیین ﷺ یا پھر کسی ایسے قیاس سے ثابت ہوتا ہے جس کی اصل قرآن میں موجود ہو۔

صحابہ کرامؓ اور تقلید: کُل صحابہ کرامؓ کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ اُن میں سے مجتہدین کی تعداد صرف 149 تھی، بقیہ تقلید کرتے تھے۔ تو کیا یہ سوا لاکھ صحابہ کرامؓ اِن 149 صحابہ کرامؓ کی تقلید نہیں کرتے تھے؟

پھر یہ مجتہدین صحابہ کرامؓ جب دوسرے شہروں میں پہنچے تو وہاں کے غیر مفتی صحابہؓ اور تابعین بھی ان کے فتاوٰی پر عمل کرنے لگے تو وہ سب بھی ان کے مُقلّد بن گئے۔

اِمام غزالیؒ فرماتے ہیں: " تقلید پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے۔ کیونکہ صحابہؓ میں سے مفتی فتوٰی دیتا تھا۔ اور ہر آدمی مفتی نہیں تھا۔ اور یہ تقلید صحابہؓ سے ثابت ہے۔ بس بات اتنی ہے کہ ان مجتہد صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ الگ الگ لکھے ہوئے (مدوّن) نہ تھے۔ پھر آئمہ اربعہ نے ان ہی مجتہد صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کی روشنی میں اپنی اپنی فقہ مرتب کی جو اُن کے فتاوٰی پر مشتمل ہے۔ اِس لیے یہ درحقیت بواسطہ آئمہ اربعہ " اُن صحابہ کرامؓ کی تقلید ہی ہے"۔

دورِ صحابہؓ میں تقلید کی مثالیں:

مثال نمبر 1: حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعتِ خلافت کے وقت حضرت عمرؓ (جو کہ مجتہد تھے) نے قیاس فرمایا کہ: "نماز ایک اہم عبادت ہے یعنی امامتِ صُغریٰ ہے اور اِس امامت صُغریٰ کے لیے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنی ظاہری حیاتِ مُبارکہ میں جب بھی نماز پڑھانے کا حکم فرمایا تو صرف اور صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی فرمایا۔ تو امامت کبریٰ (خلافت) کو اِسی پر قیاس کرکے ہم اِن کو اپنا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سُن کر تمام صحابہ کرامؓ نے ان کو اپنا خلیفہ تسلیم کرلیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کرلی اور کسی صحابیؓ نے بھی اِس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ چونکہ اُس وقت کوئی غیر مُقلد نہیں تھا اِس لیے حضرت عمرؓ کے اِس اجتہادی فیصلہ کو سب نے دل وجان سے قبول کیا اور خلافتِ صدیقی کا اعلان کردیا"۔

مثال نمبر 2: حضرت قبیعہ بن جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نماز کو جارہے تھے اِحرام باندھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک ہرن آ نکلا۔ میرے ساتھی نے اُسے پتھر مارا جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔ یہ واقعہ ہم نے حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا۔ آپؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی طرف دیکھا، پھر پوچھا: "تُو نے پتھر عمداً مارا تھا یا خطاً؟" اُنہوں نے کہا: "مارا تو عمداً تھا مگر ہرن مارنے کا ارادہ نہیں تھا"۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: "تُو نے عمداً اور خطاً کو جمع کردیا اَب ایک بکری ذبح کرکے اِس کا گوشت فقراء پر صدقہ کردو"۔ ہم وہاں سے اُٹھ آئے مگر آپس میں طے کیا کہ "شعائر اللہ کی عظمت وتقدس کا معاملہ ہے اِس لیے صرف بکری پر اکتفا کرنا مناسب نہیں، ہمیں کفّارے کے طور پر ایک اُونٹ ذبح کرنا چاہیے۔ (کیونکہ تقوٰی کا معیار اعلیٰ تھا)۔ حضرت عمر فاروقؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو کوڑا لے آئے اور کوڑے برساتے جاتے اور کہتے جاتے تھے۔ "تُو حرم میں قتل کرتا ہے اور میرے اِجتہادی حکم کو بے وقوفی سمجھتا ہے اور میرے فتوے کی تقلید سے آنکھیں چراتا ہے۔" (ابن جریر 72-30)

مثال نمبر 3: حضرت ابوموسیٰ اَشعریؓ سے کچھ لوگوں نے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب تو دے دیا لیکن ساتھ یہ کہہ دیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی پوچھ لو۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس گئے اور اُن سے بھی وہ مسئلہ دریافت کیا اور ساتھ ہی ابوموسیٰ اشعریؓ کے فتوے کا ذکر بھی کردیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جو فتوٰی دیا وہ حضرت ابوموسیٰؓ کے فتوٰی کے خلاف تھا۔ لوگوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے حضرت ابنِ مسعودؓ کے فتوٰی کا ذکر کیا تو انہوں نے جواب دیا: "جب تک یہ معتبر عالم تمہارے درمیان موجود ہے اُس وقت تک مجھ سے سوال نہ پوچھا کرو۔" (بخاری)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صحابہ کرامؓ جس مقدس گروہ کا نام ہے وہ اُمّت کے درمیان ایک مقدس واسطہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص مقام اور عام اُمّت سے امتیاز رکھتے ہیں۔اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ اُن کا یہ خصوصی امتیاز قرآن وسُنت سے ثابت ہے۔اور اُمّت کا اس پر اجماع ہے۔

قرآن پاک کی آیت: "جس دن کچھ لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے اور کچھ کے سیاہ ہوں گے ۔" (سورہ آل عمران، آیت نمبر 106)

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جن کے چہرے قیامت کے دن سفید ہوں گے۔وہ اہلِ سُنت والجماعت ہوں گے۔(ترمذی، مسند احمد، ابوداؤد)

مشکوٰۃ شریف میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ "73 فرقوں میں سے جو فرقہ جنت میں جائے گا، وہ وہ ہوگا جس میں، مَیں ہوں اور جس پر میرے صحابہؓ ہوں گے۔ایک روایت میں ہے کہ جو صحابہؓ کی جماعت کو ماننے والا ہوگا"۔

ابن قیمؒ اور شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ "صحابہ کرامؓ میں 149 مجتہد (یعنی مفتی عالم) تھے۔باقی سوالاکھ صحابہ کرامؓ مُقلّد تھے۔یہ مجتہد حضرات کے پیچھے چلتے تھے"۔(ان کی فقہی آراء کتبِ احادیث میں سترہ ہزار موجود ہیں لیکن ان کے شرعیہ اصول مدون نہیں ہیں)۔

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین آئے اور آئمہ کرامؒ نے اُن مجتہد صحابہ کرامؓ کے اُصولِ شرعیہ مدوّن کیے (لکھے)۔

اِمام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں۔ہم اُن کے مُقلّد یا پیروکار ہیں۔چنانچہ حرمین (مکہ مدینہ) میں **حنبلی**، افریقہ میں **مالکی**، مصر، شام، بیروت، لبنان اور برونائی میں **شافعی** اور پاکستان، افغانستان، ہندوستان، روس کی آزاد ریاستوں، ترکی، چین، بنگلہ دیش اور برما میں حنفی آباد ہیں۔

اِن سب آئمہ کرامؒ نے جو مؤقف اختیار کیا اِس مؤقف پر چیلنج دے کر انہوں نے فرمایا: جو مؤقف ہم نے اختیار کیا ہے اِس کی پشت پر صحیح حدیث ہوتی ہے یا جو موقف ہم اختیار کرتے ہیں اُس کی پشت پر صحیح حدیث ہوتی ہے۔اِمام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: "میرا مؤقف اگر حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اُس کو دیوار پر دے مارو بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اُسے میرے منہ پر دے مارو۔"

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد صحابہ کرامؓ مختلف شہروں اور قصبوں میں گئے اور مختلف مقامات پر سکونت پزیر ہوئے۔

جس طرح مجتہد صحابہ کرامؓ اپنے اپنے علاقوں میں اِمام بنے اور باقی صحابہ کرامؓ نے اُن کی پیروی کی اسی طرح تابعین (مجتہد) اپنے اپنے علاقوں میں امام بنے اور لوگوں نے اُن کی تقلید کی یعنی اُن کا اتباع کیا یا پیروی کی۔

80 ہجری میں حضرت امام ابوحنیفہؒ (نعمان بن ثابت) مدینہ میں پیدا ہوئے۔ **95 ہجری** میں حضرت امام مالکؒ مدینہ میں پیدا ہوئے۔

150 ہجری میں حضرت امام شافعیؒ غزہ (فلسطین) میں پیدا ہوئے۔ **164 ہجری** میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بغداد میں جنم لیا۔

اور بالترتیب حجازی، عراقی، غزہ، اور بغداد کے علاوہ تمام دنیا کے لوگوں نے ان کی تقلید کی۔آئمہ کرام جو خود صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے مذاہب کے پیروکار تھے اُنھوں نے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی اُن کے اِحکام مدوّن کئے اور اپنے اپنے مذاہب کے اُصول وفروع کو وضع کیا۔اُمّت اِن چاروں اِماموں کی تقلید پر متفق ہوگئی اور ان چاروں اِماموں کے مُقلّدین کے لیے اصطلاح اہلِ سُنّت والجماعت سامنے آتی ہے۔یعنی الگ الگ امام کی پیروی کرنے والے اہلِ سُنت ہیں۔ان میں سُنت سے مراد **سُنّت کا طریقہ** اور الجماعت سے مُراد آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ جو ایک جماعت تھی یعنی صحابہ کرامؓ کا طریقہ ہے۔

"سوادِ اعظم" عربی زبان میں عظیم ترین جماعت کو کہا جاتا ہے۔اس سے مسلمانوں کا وہ فرقہ مراد ہے جو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر ہو۔جب تک دینِ محمّدی خاتم النبیین ﷺ کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں، کردار، تقویٰ، عمل اور فعل کی مثالیں سامنے نہ رکھی جائیں گی اُس وقت تک دینِ اسلام کو سمجھنا ممکن نہ ہوگا۔ویسے بھی عقلی، تجرباتی اور منطقی اعتبار سے کسی کی بات سمجھنے کے لیے قُربِ ظاہر (ساتھ رہنا) اور قُربِ باطن (دلی محبت، دلی تعلق) نہایت موثر ہوتا ہے۔جو جس کے جس قدر قریب ہوگا اُسی قدر ساتھی کی بات صحیح طور پر سمجھے گا کیونکہ اُسے اس کے کلام کے مقاصد کا علم ہوگا۔صحابہ کرامؓ کے طریقے سے انحراف کر کے قرآن وحدیث سمجھنے کا جواز سراسر غلط ہے۔صحابہ کرامؓ وحی کے ایک ایک حکم کے بارے میں کہ کب؟ کہاں؟ کیسے؟ کیوں؟ اور کس وقت؟ نازل ہوئی جانتے تھے۔کسی بات کو سمجھنے کے لیے بات کرنے والے کے چہرے کے آثار کو بہت دخل ہوتا ہے۔بات کرتے وقت چہرے پر ستائش، غصّہ، آنکھوں کے اشارے، ہاتھ سے اِشارے یہ سب حرکات وسکنات گفتگو کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔

آپ خاتم النبیین ﷺ کے بے شمار واقعات کتب واحادیث میں ہیں کہ بعض اوقات لوگوں نے سمجھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ ویسے ہی کچھ ارشاد فرما رہے ہیں۔لیکن جب آپ خاتم النبیین ﷺ کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو کانپ اُٹھے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ تو ہمیں متنبہ کررہے ہیں۔صحابہ کرامؓ کی حد درجہ محبت جو اُنکو آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات مبارکہ سے تھی تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے کلمات یا اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے اعمال وافعال کی پوری پوری حفاظت ورعایت کی۔جو محبت ان صحابہ کرامؓ کو آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے تھی اُس کو صرف مسلمان ہی نہیں کفار بھی جانتے ہیں۔

ایک لاکھ سے زائد تعداد کی یہ فرشتہ صفت مقدس جماعت صرف ایک ذات، ذاتِ رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ کے اقوال، افعال کی حفاظت اور اُس کی تبلیغ کے لیے سرگرم عمل ہوگئی۔صحابہ کرامؓ جب آپ خاتم النبیین ﷺ کی حدیث نقل فرماتے تو انتہائی ادب واحترام کے ساتھ آپ خاتم النبیین ﷺ کی اداؤں کو بھی اُمّت تک پہنچاتے تھے۔بعض صحابہ کرامؓ جب کوئی بات بہت تاکید کے ساتھ بیان کرنا چاہتے تو فرماتے: "یعنی جب آپ خاتم النبیین ﷺ یہ ارشاد فرمارہے تھے تو میری دونوں آنکھیں آپ خاتم النبیین ﷺ کے چہرہ مبارک کے آثار، تغیّراتِ چشم، اَبرو کے اشارے اور ہاتھ کے اِشارے دیکھ رہی تھیں۔اور کان آپ خاتم النبیین ﷺ کے ارشادات کو سُن رہے تھے"۔گفتگو کے لہجے کو سُننے سے کلام کا اندازہ ہوتا ہے کہ سنجیدگی ہے یا غُصّہ ہے۔اور صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں: "ہمارے دلوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے ارشادات، معنی اور مفہوم کو خوب یاد کیا اور جمع کیا"۔یہ مقام اور مرتبہ صرف اور صرف صحابہ کرامؓ کو حاصل تھا۔لہذا فہمِ دین بھی اُنہی حضرات پر موقوف ہے۔

ارشادات قرآن صحابہ کرامؓ کی شان میں:

(1) "تم بہترین اُمّت ہو جو لوگوں کے نفع اور اصلاح کے لیے پیدا کی گئی۔" (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 110)

(2) "اور ہم نے تم کو ایسی جماعت بنایا جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم مخالف لوگوں کے مقابلے میں گواہ رہو۔" (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 143)

(3) "اللہ تعالیٰ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اور جو اُن کے ساتھ ہیں اُن کو رسوا نہیں کرے گا۔" (سورۃ تحریم، آیت نمبر 18)

(4) "اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں) سب سے مقدّم ہیں اور (بقیہ اُمّت میں) جتنے لوگ اِخلاص کے ساتھ اُنکے پیرو ہیں، اللہ اُن سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔" (سورۃ توبہ، آیت نمبر 100)

(5) "بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوا اُن مومنین سے جن سے آپ خاتم النبیین ﷺ نے درخت کے نیچے بیعت کی۔" (سورۃ فتح، آیت نمبر 18)

(6) سورۃ حشر میں اللہ تعالیٰ نے عہدِ رسالت خاتم النبیین ﷺ کے تمام موجودہ اور آئندہ آنے والے مسلمانوں کے تین طبقے کرکے ذکر کیا۔

(1) پہلا مہاجرین کا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہی لوگ سچے ہیں (2) دوسرا انصار کا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ فلاح پانے والے ہیں (3) تیسرا اُن لوگوں کا جو مہاجرین اور انصار کے بعد قیامت تک آنے والے ہیں۔ان نصوص قرآن کے علاوہ کئی احادیث نبویہ خاتم النبیین ﷺ میں صحابہ کرامؓ کے فضائل اور اُن کی پیروی کا حکم ملتا ہے۔نبی پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "میرے اَصحابؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے۔" (مشکوٰۃ)

صحیحین اور عام کتب اُصول میں حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اُن لوگوں کا جو اُن سے مُتّصل ہیں۔" (راوی کہتے ہیں) کہ مجھے یہ یاد نہیں رہا کہ مُتّصل لوگوں کا ذکر دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ فرمایا۔اس کے بعد ایسے لوگ ہونگے جو بے کہے شہادت دینے کو تیار نظر آئیں گے معاہدے پورے نہ کریں گے اور ان میں (بوجہ بےفکری کے) موٹاپا ظاہر ہوگا۔(مجمع الزوائد، صفحہ نمبر ۴۹۰)

ایک روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ: "میرے صحابہ کرامؓ کو بُرا نہ کہو کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو صحابہؓ کی ایک مد (ایک سیر) بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔" (بخاری شریف، حدیث نمبر ۳۶۲۲)

حدیثِ پاک ہے: "اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہؓ کے معاملے میں۔میرے بعد اُن کو طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بنانا۔کیونکہ جس شخص نے اُن سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ اُن سے محبت کی اور جس نے اُن کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا چاہتا ہے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب میں پکڑے گا۔" (مسند احمد)

تقلید کا قرآنی ثبوت

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: (النساء، آیت نمبر ۵۹) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج

ترجمہ: ''اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرواور رسول (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرواور جو صاحب امر ہوں ان کی بھی اطاعت کرو۔''

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے محبوب کی اطاعت کے علاوہ ''اُولِی الامر'' یعنی صاحب امر لوگوں کی اطاعت اور ان کی تقلید کا حکم دیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''صاحب امر'' سے کون لوگ مراد ہیں؟

صاحب امر کی تفسیر: حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ جیسے صحابہ اور تابعین فرماتے ہیں کہ ''اُولِی الامر'' سے مراد صاحب علم اور صاحب فقہ ہیں۔ جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مسلمان حکام اور امراء مراد ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں لہٰذا یہاں پر دونوں معنی مراد ہیں۔ اور آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمان حکمرانوں کی بھی اطاعت کرو، اور علماء اور اہل فقہ کی بھی اطاعت اور تقلید کرو۔

(مستدرک، حاکم صفحہ 123۔ دارمی صفحہ 140۔ احکام القرآن 2 ص 210 تفسیر روح المعانی جلد 5 صفحہ 65۔ تفسیر ابن کثیر جلد 2 ص 497)

لہٰذا حنفی حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اطاعت اور تقلید کرتے ہیں جب کہ شوافع حضرت شافعیؒ کی، حنبلی حضرت امام احمد بن حنبلؒ، کی اور مالکی حضرت امام مالکؒ کی فقہی مسائل میں جو اطاعت اور تقلید کرتے ہیں وہ شرک و بدعت نہیں بلکہ مندرجہ بالا آیت پر ان کا عمل ہے۔

اس کے علاوہ کئی دوسری آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہل علم، اہل فقہ کی طرف رجوع کرنے اور ان سے مسائل کا حل پوچھنے اور ان کے پیچھے چلنے اور ان کا اتباع کرنے اور انکی تقلید کرنے کا ہمیں حکم فرمایا ہے۔

چنانچہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: (سورہ النحل، آیت نمبر ۴۳)

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ہ ترجمہ: ''تو تم اہل علم سے پوچھ لیا کرو اگر خود نہیں جانتے۔''

(سورہ لقمان، آیت نمبر ۱۵) وَ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ہ ترجمہ: ''جو لوگ میری طرف رجوع کرتے ہیں ان کے راستے کی اتباع کرو۔''

ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا چاروں آئمہ کرام زبردست اہل علم اور اہل عرفان ہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ ظاہری عالم تھے بلکہ عارف کامل اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے عابد اور زاہد بھی تھے۔

لہٰذا مندرجہ بالا آیات کی رو سے ان حضرات سے مسائل میں رجوع کرنا اور پھر ان کا اتباع کرنا بالکل قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے صحابہ اکرامؓ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

اگر حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کا اِتباع اور تقلید حرام اور ناجائز ہوتی تو حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اکرامؓ کی تقلید کرنے کا حکم کیوں دیتے؟ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ دنیا میں کوئی کام بغیر تقلید اور اِتباع کے نہیں ہوتا۔ آدمی علم سیکھتا ہے کسی استاد کی اِتباع کر کے۔ کوئی ہنر سیکھتا ہے کسی ہنرمند کی اِتباع اور پیروی کر کے نماز پڑھی جاتی ہے امام کی اِتباع میں اور قیام اور رکوع میں امام کی تقلید کرتے ہیں۔

بعض قرآنی آیات ایسی ہیں جن میں تقلید اور اتباع کی ممانعت اور برائی آئی ہے مثلاً

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا ہ ترجمہ: ''اور ان کی اطاعت نہ کرو جن کا قلب ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔'' (سورہ کہف، آیت نمبر 28)

وَ اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ، وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ (سورہ انعام، آیت نمبر 153)

ترجمہ: '' اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو، اور اُن راستوں پر نہ چلو کہ تم کو اس کی راہ سے جدا کر دیں گے۔''

مندرجہ بالا اقسام کی تمام آیات میں خلافِ شرع تقلید اور خلاف اسلام راستے مراد ہیں کہ ایسے راستوں پر چلنا اور ایسے لوگوں کی اطاعت اور تقلید حرام ہے۔

پس اہل علم فقہاء اور محدّثین و مجتہدین کی تقلید کا جائز ہونا بلکہ ان کی اِتباع کا حکم او پر ذکر کی گئی بہت سی آیات سے ثابت ہو چکا ہے۔

ایک امام کی پیروی کیوں؟

فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا سلسلہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔اور جب کسی سے فتویٰ پوچھنا جائز ہو تو اس میں کوئی فرق نہیں کہ انسان ایک ہی مجتہد یا مفتی سے فتویٰ پوچھے، جسے **"تقلیدِ شخصی"** کہتے ہیں یا کبھی ایک مجتہد اور کبھی دوسرے مجتہد یا مفتی سے جسے **"تقلیدِ مطلق"** کہتے ہیں۔صحابہ کرامؓ کے زمانے میں تقلید شخصی اور تقلید مطلق دونوں رائج تھیں لیکن اللہ تعالی رحمتیں نازل فرمائے ہمارے فقہا پر جو زمانے کے نبض شناس تھے کہ اُنہوں نے ایک زبردست مصلحت کے تحت تقلید کی دونوں قسموں میں سے صرف تقلیدِ شخصی کو عمل کے لیے اختیار فرمایا اور یہ فتویٰ دے دیا کہ "اَب لوگوں کو صِرف تقلید شخصی پر اِعتبار کرنا چاہیے" ۔"

ایسا کیوں کیا گیا؟

فقہا کرامؒ نے محسوس کیا کہ لوگوں میں ذہانت کا معیار، احتیاط اور تقویٰ کا معیار کم ہوتا جارہا ہے۔ایسی صورت میں تقلید مطلق (کئی اماموں کی تقلید) کے نتیجے میں غیر شعوری طور پر بہت سے لوگ خواہشِ نفسی کا شکار ہوجائیں گے اور اِحکاماتِ شرعیہ نفسانی خواہشات کا ایک کھلونا بن کر رہ جائیں گے۔مثلاً ایک شخص کا سردی کے موسم میں (وضو کرنے کے بعد) خون نکل آیا۔اِمام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ گیا جبکہ اِمام شافعیؒ کے نزدیک اِس کا وضو نہیں ٹوٹا۔اب انسان اپنی تن آسانی کی وجہ سے اُس وقت امام شافعی کی تقلید کر کے (بغیر وضو) کے نماز پڑھ لے گا۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد اُس نے عورت کو چُھو لیا۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اُس کا وضو نہیں ٹوٹا۔جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اُس کا وضو ٹوٹ گیا۔اُس شخص کی تن آسانی اِس موقع پر اُسے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کا سبق دے گی۔اور وہ پھر وضو کئے بغیر نماز کے لیے کھڑا ہوجائے گا۔غرض جس امام کے قول میں اُسے فائدہ نظر آئے گا وہ اُسے اختیار کرے گا۔

صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانے میں تقویٰ کا معیار اعلیٰ تھا۔خداخوفی بہت تھی۔اور فکرِ آخرت کا ہر دم غلبہ تھا۔اِس لیے اُس دور میں تقلید مطلق سے یہ اندیشہ نہ تھا کہ لوگ اپنی خواہشات کے تابع بن کر مجتہدین میں سے کبھی کسی مجتہد اور کبھی کسی مجتہد کا قول اختیار کر لیں گے۔لہذا اُس وقت تقلیدِ مطلق میں کوئی قباحت نہ تھی۔لیکن بعد کے زمانے میں تقویٰ کا معیار کم ہونے، ریاضت کا معیار گھٹنے اور نفس پرستی کے غلبہ کے باعث صرف اور صرف ایک امام کی پیروی کا فتویٰ ہے نہ کہ شرعی حکم۔

عہدِ صحابہؓ سے لے کر آج تک ہزار ہا فُقہا اور مجتہدین پیدا ہوئے۔اہلِ علم جانتے ہیں کہ ہر فقہی کے مذہب میں کچھ ایسی آسانیاں ملتی ہیں جو کہ دوسرے کے مسلک میں نہیں۔اس لیے اِس نفس پرستی کے دور میں جبکہ ہر انسان تن آسان ہوگیا ہے ہر مسلک سے آسانیاں چُن کر دین بنالینا کسی طرح جائز نہیں۔تقلید مطلق کی ایک بدترین مثال معاشرے میں بڑھتی ہوئی طلاق کے حوالے سے دی جاسکتی ہے۔

چاروں آئمہ کرامؒ اور اُن کے مُقلّدین اہلِ سُنّت والجماعت اِس بات پر متفق ہیں کہ ایک وقت میں اگر بیک وقت تین طلاقیں دیں تو طلاق موثّر ہوجائے گی جبکہ غیر مُقلّدین نہ صرف 3 بلکہ 20، 30 حتیٰ کہ 100 طلاقوں کو ایک ہی وقت میں، ایک جانتے ہیں۔اب جس شخص سے غُصّے میں یا نادانی سے 3 طلاقوں کا بیک وقت قصور ہو گیا وہ نادم ہوکر اپنے حق میں فتویٰ لینے کے لیے حنفی عُلما کی بجائے غیر مُقلّدین سے رجوع کرتا ہے تاکہ اُس کو اپنے حق میں فتویٰ مِل جائے اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب بھی ہوجاتا ہے۔

اب انصاف کیا جائے کہ کیا تقلید مُطلق آج کے اِس پُرفتنہ دَور میں خواہش پرستی اور نفس پرستی کو ہوا نہیں دیتی ؟؟؟

لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کو کوئی شدید اور اجتماعی ضرورت ہو وہاں اُس مسئلے میں کسی دوسرے مجتہد کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔چنانچہ حنفی عُلما نے اِس وجہ سے بہت سے مسائل میں اِمام ابوحنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔مثلاً امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ جس عورت کا شوہر گم ہوجائے وہ 120 سال تک انتظار کرے اور پھر شادی کرے (یعنی شادی نہ کرے) لیکن اب امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ ہے کہ عدالت میں کیس دائر کروانے کے بعد چار سال انتظار کرے، عدالت سے ڈگری لے پھر عدت کے بعد دوسری شادی کرے۔اسی طرح کئی جگھوں پر امام شافعیؒ کے قول پر فتویٰ ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر نہیں۔لیکن یہ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ حنفی سے نکلنا نہیں ہوا۔

****

آئمہ اربعہ (چاروں امام)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

نام نعمان بن ثابتؒ

کنیت ابوحنیفہ

لقب امام اعظم

ولادت سن 80 ہجری

وفات سن 150 ہجری

پیدائش کوفہ

علامہ نوویؒ کے مطابق کوفہ کو ''دارالفضل والفضلا'' ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔صحابہ اکرامؓ میں سے ایک ہزار پچاس حضرات یہاں مستقل سکونت پذیر ہوئے۔شیر خدا حضرت سیدنا حضرت علیؓ نے اس مشہور شہر کو اپنا پایہ تخت بنایا۔یہ ہے امام ابوحنیفہؒ کا علمی گہوارہ جس کی آغوش میں رہ کر ان کی علمی پرورش ہوئی۔کون کہہ سکتا ہے کہ جو فقہ اس سرزمین میں مرتب ہوئی ہو وہ ذرّہ بھر بھی کتاب وسنت، دین کی حقیقی روح اور اسلامی تعلیمات سے انحراف اور تجاوز کرسکتی ہے۔امام صاحب 20 سال کی عمر میں تحصیلِ علم کی طرف متوجہ ہوئے۔آپ کے اساتذہ کی تعداد 4 ہزار بتائی جاتی ہے۔آپؒ کے اساتذہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت حمادؒ کا نام آتا ہے۔یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فقہی سلسلے اور ان کے علوم کی آخری کڑی تھے۔حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت حمادؒ کے خصوصی تربیت یافتہ اور علمی جانشین ثابت ہوئے۔آپؒ پورے اٹھارہ سال تک حضرت حمادؒ کی رفاقت اور علمی صحبت میں رہے۔امام صاحبؒ نے اگرچہ حضرت حمادؒ کی زندگی ہی میں اجتہاد کا درجہ حاصل کرلیا تھا مگر آپؒ کے شاگردانہ خلوص نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ استاد کے ہوتے ہوئے اپنی مجلس الگ آراستہ کریں۔خود حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک حضرت حمادؒ زندہ رہے میں نے کبھی ان کے مکان کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے۔

اس میں شک نہیں کہ فقہ حنفی کا اصل سرچشمہ وہ فقہی ذخیرہ ہے جو حضرت حمادؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے ورثہ میں پایا۔مگر حضرت حمادؒ کی شاگردی کے باوجود امام ابوحنیفہؒ دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ حاصل کرتے رہے۔حضرت عمران موصلؒ کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی 10 صفات سے نوازا تھا کہ ان میں سے اگر ایک صفت بھی کسی میں موجود ہو تو وہ قبیلہ کا رئیس ہو اور وہ قبیلے کی راہنمائی کرسکتا ہے وہ دس صفات یہ ہیں۔

1) پرہیزگاری 2) صداقت 3) سخاوت 4) فقہی مہارت 5) عام لوگوں سے نرمی ومحبت 6) خلوص وہمدردی

7) دوسروں کو نفع پہنچانے میں سبقت 8) خاموشی (فضول گوئی سے اجتناب) 9) راست بازی 10) مظلوم کی مدد کرنا چاہے وہ دوست ہو یا دشمن۔

امام ابوحنیفہؒ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اسلام کے معترضین کو ان ہی کے جال میں جکڑ دیتے ہیں۔مثلاً

1۔ ایک شخص نے ایک بوتل میں گیلی مٹی اور کچھ اجزاء جمع کیے۔جب وہ گل سڑ گئے تو ان میں کیڑے پیدا ہوگئے۔اس پر اس نے دعویٰ کیا کہ ''میں ان کا خالق ہوں''۔حضرت امام ابوحنیفہؒ تک جب یہ بات پہنچی تو آپؒ نے فرمایا ''اگر تو ان کا خالق ہے تو ان کی تعداد بتادے'' اس پر وہ لاجواب ہوگیا اور اپنے دعویٰ سے باز آگیا۔

2۔ خوارزمی نے کتاب المناقب میں لکھا ہے کہ روم کے بادشاہ نے خلیفہ وقت کی خدمت میں بہت سا مال بھیجا اور کہا کہ علما سے تین سوال کریں اگر وہ ان سوالوں کے جواب دے دیں تو یہ مال ان کو دے دیا جائے۔خلیفہ وقت کے حکم سے علماء سے سوال کئے گئے۔لیکن کسی نے بھی تسلی بخش جواب نہ دیا۔امام ابوحنیفہؒ اس وقت کم سن تھے۔انہوں نے کھڑے ہوکر خلیفہ سے اجازت طلب کی خلیفہ نے اجازت دے دی۔

امام ابوحنیفہؒ نے سب سے پہلے پوچھا:

''آپ سائل ہیں؟'' سفیر نے کہا ''ہاں''۔امام صاحب نے کہا کہ ''آپ کی جگہ یہاں زمین پر ہے اور میری جگہ منبر پر'' وہ اتر آیا۔امام صاحبؒ منبر پر آئے اور فرمایا۔

''سوال کرو۔'' اُس نے کہا ''اللہ سے پہلے کیا چیز تھی''؟

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ''عدد جانتے ہو؟''

اس نے کہا ''ہاں''

آپؒ نے فرمایا ایک سے پہلے کیا ہے؟

رومی نے کہا ''ایک اول ہے اس سے پہلے کچھ نہیں ہے۔''

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ''جب واحد مجازی لفظی سے پہلے کچھ نہیں تو پھر واحد حقیقی سے قبل کیسے کوئی ہوسکتا ہے''

رومی نے دوسرا سوال کیا ''اللہ کا منہ کس طرف ہے؟''

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا ''جب تم چراغ روشن کرتے ہو تو اس کا نور کس طرف ہوتا ہے؟''

رومی نے کہا ''یہ نور ہے اس کے لیے ساری جہت برابر ہے''۔

امام صاحبؒ نے فرمایا ''جب نور مجازی کا رخ کسی ایک طرف نہیں تو پھر نور السمٰوات والارض، ہمیشہ رہنے والا سب کو نور اور نورانیت دینے والا اس کے لیے کوئی خاص (سمت) کیسے؟''

رومی نے تیسرا سوال کیا ''اللہ کیا کرتا ہے؟''

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ''جب منبر پر تم جیسا اللہ کی مثل ثابت کرنے والا آجائے تو وہ اسے نیچے اتارتا ہے اور مجھ جیسے موحد (اللہ کو واحد ماننے والا) کو منبر کے اوپر لے آتا ہے۔ ہر دن اس کی ایک نرالی شان ہوتی ہے۔''

یہ جواب سن کر رومی خاموش ہوگیا اور تمام مال واسباب چھوڑ کر چلا گیا۔

3۔　ایک رئیس حضرت عثمانؓ کے ساتھ قلبی عناد رکھتا تھا اور نعوذ باللہ آپؓ کو یہودی کہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپؒ (امام صاحبؒ) نے اُس سے فرمایا کہ میں ایک یہودی کے ساتھ تیری لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہوں اس نے غصہ سے آپؒ کی طرف دیکھا کہ آپ امیر المومنین ہو کر ایسی بات کرتے ہیں۔ بھلا ایک مسلمان اپنی بیٹی کا رشتہ ایک یہودی سے کرسکتا ہے؟ یہ تو حرام ہے؟۔ آپؒ نے فرمایا تیرے حرام کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے جبکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی ایک یہودی سے کی تھی۔ اس پر وہ رئیس آپؒ کے اشارے کو سمجھ گیا دل سے نادم ہوا توبہ کی اور آئندہ کے لیے ایسے خیالات کو دل میں نہ لانے کا وعدہ بھی کیا۔

امام زفرؒ (امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد) فرماتے ہیں کہ مجھے 20 سال سے زائد مدت تک امام ابوحنیفہؒ کی خدمت اور فیض صحبت کی سعادت حاصل رہی ہے۔ میں نے امام صاحب سے زیادہ لوگوں کا خیر خواہ، ان کا ہمدرد اور عامۃ الناس پر شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔ دن کا اکثر حصہ تعلیم وتدریس اور اشاعت علم میں گزرتا۔ دینی مسائل کا جواب دیتے۔ نئے پیش آمد مسائل میں لوگوں کی راہنمائی کرتے۔ جب مجلس برخاست ہوتی تو مریضوں کی عیادت کرتے، فقراء سے ہمدردی اور لوگوں کی حاجت برداری میں مشغول ہوجاتے۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں رات ہوجاتی تو اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ کر لیتے۔

قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد امام ابوحنیفہؒ روزانہ ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور رمضان میں عید کے دن تک 62 قرآن ختم فرماتے تھے۔ میں نے چالیس سال تک انہیں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو کئی مرتبہ خواب میں دیکھا اور ان سے احادیث سنیں، اس طرح گویا امام ابوحنیفہؒ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ایک واسطے سے شاگرد ہیں اور تابعی بھی۔ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور تلامذہ (شاگرد) میں قاضی ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام حسن بن زیادؒ وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنے مشہور استاد حضرت حمادؒ کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے۔

1۔　ایک مرتبہ آپؒ مشہور عباسی خلیفہ ابوجعفر منصورؒ کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہاں نامور محدث عیسیٰ بن موسیٰؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا تعارف ان الفاظ میں کروایا: ''ھذا اعالم الدینا الیوم'' (یہ ہیں آج روئے زمین کے سب سے بڑے عالم)۔ اس پر ابوجعفر منصور نے سوال کیا کہ آپؒ نے علم کس سے حاصل کیا؟

امام صاحبؒ نے جواب دیا ''حضرت عمرؓ کا علم اصحاب عمرؓ سے، حضرت علیؓ کا علم اصحاب علیؓ سے، حضرت ابن مسعودؓ کا علم اصحاب ابن مسعودؓ سے، حضرت ابنِ عباسؓ کا علم اصحابِ ابن عباسؓ سے، ابن عباسؓ کے مقابلے میں کوئی ان سے بڑھ کر عالم اور نہ تھا۔ یہ سن کر ابوجعفر منصورؒ نے فرمایا: ''آپؒ نے بہت ہی

معتبر اور مستند علم حاصل کیا ہے۔''

2۔ شیخ بوعلیؒ بن عثمان کا بیان ہے کہ: ''ایک بار میں حضرت بلالؓ کی قبر کے نزدیک سویا ہوا تھا میں نے خواب میں دیکھا۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ باب بنی شیبہ سے ایک معمر شخص کو آغوش مبارک میں لیے تشریف لائے۔اور مجھے حیرت زدہ دیکھ کر فرمایا:''یہ مسلمانوں کا امام اور تمہارے ملک کا باشندہ ابوحنیفہ ہے۔'' (کشف المحجوب)

3۔ حضرت یحییٰ معاذ رازیؒ نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے خواب میں عرض کیا کہ: ''میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو کس جگہ تلاش کروں؟'' رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ نے جواب دیا:''ابوحنیفہؒ کے علم کے قریب۔''

تمام فقہی مکاتب کے آئمہ مثلاً امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ سب آپؒ کا بے حد احترام کرتے تھے۔

فتویٰ اور تقویٰ:- ایک مرتبہ آپ بازار جارہے تھے گردوغبار کے کچھ ذرات آپؒ کے کپڑوں پر پڑ گئے۔آپؒ نے دریا پر جاکر کپڑوں کو اچھی طرح دھوکر پاک کیا لوگوں نے آپؒ سے پوچھا حضرت آپؒ کے نزدیک تو اتنی نجاست جائز ہے؟ آپؒ نے فرمایا: ''وہ فتویٰ ہے یہ تقویٰ ہے۔''

آپؒ کی عظمت وشرافت کی یہ دلیل ہے کہ غیر مسلم بھی آپؒ کا احترام کرتے تھے۔آپؒ نے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ سے شرف نیاز حاصل کیا۔آپؒ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔حضرت فضیلؒ، حضرت ابراہیم بن ادھمؒ، حضرت بشر حافیؒ جیسی ہستیاں بھی آپؒ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔مصر، شام، فلسطین، ترکی، انڈونیشیا، حجازمقدس، افغانسان، بنگلہ دیش، پاکستان وہندوستان، افریقہ کے مسلم اور غیر مسلم ممالک میں غرض کہ مسلم آبادیوں میں جہاں بھی جائیں ہر جگہ ہر مقام پر ہم امام شافعیؒ کے اس ارشاد گرامی کو پائیں گے: ''فقہ میں لوگ امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔''

امام شافعیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا احترام اس حد تک کرتے تھے کہ ایک مرتبہ جب وہ امام ابوحنیفہؒ کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے تو نماز میں رفع یدین نہیں کیا۔ آپؒ کے شاگردوں نے عرض کیا:''حضور آپؒ نے رفع یدین نہیں کیا۔'' آپؒ نے جواب دیا: ''قبر والے نے دین کی اتنی خدمت کی ہے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ ان کے پاس آکر میں اپنی فقہ پر عمل کروں۔'' امام ابوحنیفہؒ کی موت کا سبب یہ ہوا کہ خلیفہ منصور نے آپؒ کو عہدہ قضا کی پیش کش کی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ تمام قاضی آپؒ کے ماتحت ہوں گے۔آپؒ کے انکار پر خلیفہ نے قسم کھائی کہ اگر آپؒ نے یہ عہدہ قبول نہ کیا تو آپؒ کو زندان کے حوالے کردیا جائے گا۔لیکن آپؒ نے بھی قسم کھائی کہ اس عہدے کو ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ پھر خلیفہ منصور نے علم اور عمل کے اس سورج کو اندھیرے کی زنجیریں پہنا کر زندان کے حوالے کردیا۔قید خانے میں بھی آپؒ کا درس جاری رہا۔جب امام صاحب کسی طرح بھی اس عہدے کے لیے راضی نہ ہوئے تو خلیفہ نے انجام کار اپنا نامہ اعمال سیاہ کرڈالا۔یہ راز خلیفہ منصور اور اس کے خادم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ امام صاحب کو زہر دیا جاچکا ہے۔

آپؒ کے خوف خدا کی یہ کیفیت تھی کہ معمولی باتوں پر بھی آپؒ کا جسم کانپنے لگتا تھا۔ ایک مرتبہ بازار میں ایک لڑکے کے پاؤں پر آپؒ کا پاؤں آگیا۔وہ چیخا ''تُو خدا سے نہیں ڈرتا؟'' آپؒ پر غشی طاری ہوگئی،مشہور بزرگ مسعرؒ آپؒ کے ساتھ تھے۔انہوں نے آگے بڑھ کر سنبھالا۔ہوش میں آئے تو حضرت مسعرؒ نے کہا: ''ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بے قرار ہوجانا کیا معنی رکھتا ہے؟'' حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''کیا عجب ہے کہ اس لڑکے کی آواز غیبی ہدایت ہو۔''

ذہانت اور تدبر اور عقل وفراست میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا کوئی حریف نہ تھا۔علی بن عاصمؒ کے الفاظ ہیں:''اگر تمام دنیا کے آدمیوں کی عقل ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں امام ابوحنیفہؒ کی عقل رکھی جاتی تو امام ابوحنیفہؒ کا پلہ بھاری رہتا۔''

جس رات امام ابوحنیفہؒ کو زہر دیا گیا۔اسی رات مقاتل بن سلیمانؒ نے ایک خواب دیکھا۔حضرت مقاتل بن سلیمانؒ اپنا خواب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''میں نے دیکھا کہ میں ایک مقام پر تنہا کھڑا ہوں اور میری نظروں کے سامنے بغداد کی بلند ترین عمارت ہے۔ناگہاں آسمان پر ایک تیز روشنی ہوئی پھر وہ روشنی آہستہ آہستہ سمٹنا شروع ہوئی۔یہاں تک کہ وہ ایک نورانی پیکر میں تبدیل ہوگئی۔میں نے اس سفید پوش ہستی کو ایک اچٹتی نگاہ سے دیکھا۔وہ ایک نورانی پیکر تھا وہ چند لمحوں تک مینارے پر ساکت کھڑا رہا پھر اس نے بغداد کے اطراف پر نظر ڈالی۔ناگہاں سفید پوش کے جسم کو حرکت ہوئی اس نے اپنا دایاں بازو فضا میں بلند کیا اور پکارا: ''اہل زمین ہلاک ہوگئے۔'' آواز کیا تھی صورِ فیل کا گمان ہوتا تھا۔میری روح لرزنے لگی، مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم کے ساتھ ساتھ بغداد کے درودیوار بھی کانپ رہے ہیں۔سفید پوش کے ہونٹوں کو دوبارہ جنبش ہوئی:''اہل زمین ہلاک ہوگئے، ہلاک ہوگئے اہل زمین۔'' لفظوں کی گونج بہت دیر رہی مگر سفید پوش کا نورانی جسم تیزی سے بلند ہوا اور

فلک کی لامحدود وسعتوں میں گم ہوگیا۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد حضرت مقاتل بن سلیمانؒ رات بھر نہ سو سکے۔ اُدھر جیسے ہی زہر کا اثر محسوس ہوا، امام ابوحنیفہؒ سجدے میں چلے گئے اور اپنے رب کی تسبیح کی "اے اللہ تیرا بندہ نعمان حاضر ہے"۔

صبح فجر کی نماز پڑھانے کے بعد حضرت مقاتل بن سلیمانؒ نے اپنا یہ خواب لوگوں کو سنایا تو باہر سے زبردست قسم کے شور کی آواز آئی اور کسی نے کہا: "رات امام اعظم ابوحنیفہؒ انتقال کر گئے۔" لوگوں میں کہرام مچ گیا۔ قاضی بغداد نے آپؒ کو غسل دیا۔ حضرت حسن بن عمارہؒ نے آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پہلی مرتبہ 50ہزار آدمی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ عصر کے قریب میت کو سپرد خاک کیا گیا۔ چھ مرتبہ آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ آخری مرتبہ آپؒ کے بیٹے حضرت حمادؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ امام ابوحنیفہؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے خیزران نامی قبرستان کے مشرقی کونے میں دفن کیا جائے۔ آپؒ کے خیال کے مطابق یہ جگہ مغضوب نہیں تھی۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق خیزران کے مشرقی جانب آپؒ کی قبر مبارک تیار کی گئی۔ مؤرخ خطیب نے لکھا ہے کہ: "دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ آپؒ کی نماز جنازہ پڑھتے رہے۔" امام ابوحنیفہؒ کی تدفین کے بعد تین دن تک یہ آواز سنی گئی: "فقہ جاتی رہی، اب تمہارے لیے فقہ نہیں رہی۔ خدا سے ڈرو۔ نعمان فوت ہوگیا۔ اب کون ہے جو راتوں کو عبادت کرے گا؟ اس وقت جب کہ اندھیرا چھا جائے گا"۔

قاضی شہر حسن بن عمارہ آپؒ کو غسل دیتے وقت کہتے تھے: "اللہ کی قسم تم سب سے بڑے فقیہ تھے، بڑے عابد و زاہد تھے۔ تم میں ساری خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکیں گے۔" آپؒ کی وفات کے بعد ابنِ جریج نے مکہ معظّمہ میں فرمایا تھا: "آج کوفہ میں اندھیرا چھا گیا ہے۔" اس کے بعد عبداللہ بن مبارکؒ آپؒ کی قبر پر حاضر ہوئے اور روکر کہا: "ابوحنیفہؒ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔ اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ ابراہیم بن نخعی رخصت ہوئے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ افسوس تم نے ساری دنیا میں کوئی جانشین نہ چھوڑا۔"

؎ خاک میں کیا صورتیں تھیں جو پنہاں ہوگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپؒ کا مقام:-

1۔　نوفل بن حیانؒ بیان کرتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور لوگ حساب کتاب میں مشغول ہیں۔ حوضِ کوثر پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کھڑے ہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے اطراف میں بہت سے بزرگ کھڑے ہوئے ہیں اور امام صاحبؒ لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ میں حضورِ پاک خاتم النبیین ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی کو پانی نہیں دے سکتا۔ پھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پانی دے دو۔ چنانچہ امام صاحب نے مجھ کو ایک گلاس پانی دے دیا اور سیراب ہو کر پینے کے باوجود بھی پانی میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی۔ پھر میں نے امام صاحبؒ سے ان تمام بزرگوں کے نام دریافت کئے تو آپؒ نے فرمایا کہ دائیں جانب حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ ہیں اور بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اسی طرح آپؒ نے سترہ افراد کے نام بتائے جن کو میں نے انگلیوں کے پوروں پر شمار کیا اور بیداری کے بعد میری انگلیوں کے سترہ پورے بند تھے۔

2۔　مشہور شاعر ابوجعفر مسعود نے آپؒ کی قبر پر ایک شعر پڑھا۔ ترجمہ: "تم دیکھتے نہیں علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا پھر اس قبر والے نے اسے ترتیب دیا"۔

3۔　مشہور سیاح ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے: "اس وقت تمام بغداد میں مزار ابوحنیفہؒ کے سوا کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو"۔

4۔　ایران کا شہنشاہ سلطان ناصرالدین قاچار اپنے سفر کے حالات لکھتے ہوئے ایک مقام پر تحریر کرتا ہے: "میں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی۔ علم کی شان دیکھو جس کی بدولت کوفے کے ایک تاجر نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی ان کے مزار پر بڑے بڑے شہنشاہوں کے سر جھکتے ہیں"۔

ولایت، بادشاہی، علم، اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں

****

حضرت امام مالکؒ

حضرت امام مالک بن انسؒ اصبحی 95ھ بمطابق 712ء مدینہ منوّرہ میں پیدا ہوئے۔حضرت امام مالکؒ کے مورث اعلیٰ کا تعلق یمن کے قبیلے ذوالاصبع سے تھا۔آپؒ والد اور والدہ کی طرف سے عربی النسل تھے۔آپؒ کے پردادا حضرت ابو عامرؓ یمن سے مدینہ تشریف لائے۔مشہور ہے کہ ابو عامرؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے اور غزوہ بدر کے علاوہ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔آپؒ کے والد محترم حضرت انسؒ مشہور خادم رسول خاتم النبیین ﷺ ہیں اور اسی نسبت سے حضرت امام مالکؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ چاروں فقہائے کرام میں صرف آپؒ کا سلسلہ نسب ایک صحابی تک پہنچا ہے۔

امام مالکؒ حسب ونسب دونوں کے اعتبار سے ایک معزز عرب تھے۔آپؒ کے پردادا ابو عامرؓ خود بھی بہت بڑے عالم تھے۔اس لیے گھر میں تعلیم وتربیت کا چرچا عام تھا۔حضرت امامؒ کی والدہ خود بھی آپؒ کو تعلیم کی ترغیب دلاتی تھیں۔اس وقت مشہور محدّث حضرت ربیعہ بن عبدالرحمنؒ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔حضرت ربیعہؒ کے درس میں امام حسن بصریؒ، امام شعبیؒ اور امام اوزاعیؒ اور یحییٰ انصاری جیسے بزرگ شامل ہوتے تھے۔امام صاحب کی والدہ محترمہ حضرت ربیعہؒ کی شخصیت سے بہت متاثر تھیں۔ان کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا حضرت ربیعہؒ کے زیر سایہ تربیت حاصل کرے۔اس لیے جب امام صاحبؒ قرآن پاک حفظ کر چکے تو آپؒ کی والدہ آپؒ کو حضرت ربیعہؒ کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے لائیں۔امام صاحبؒ نے ایک نظر میں پہچان لیا کہ ان کی درس گاہ میں آنے والا یہ بچہ کون ہے؟ امام صاحبؒ جو بھی پڑھتے فوراً حفظ کر لیتے۔آپؒ کی شدت طلب کا یہ حال تھا کہ آپؒ مختصر سی مدت میں ساری دنیا کا علم سیکھ لینا چاہتے تھے۔انہی دنوں ایک عجیب واقعہ ہوا جس نے امام صاحبؒ کی دنیا ہی بدل ڈالی۔امام صاحبؒ اپنے والد اور بھائی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔حضرت انسؒ نے اپنے دونوں بیٹوں سے ایک سوال پوچھا۔امام مالکؒ نے بہت سوچ سمجھ کر جواب دیا لیکن وہ غلط تھا ان کے بھائی نے جو جواب دیا وہ ٹھیک تھا۔حضرت انسؒ نے امام مالکؒ سے کہا تم لوگوں کے پاس مارے مارے پھرتے ہو اس لیے عاجز رہے۔اگر کسی ایک کے ہو جاتے تو صحیح جواب دیتے۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر غصہ آ گیا میں گھر سے نکلا اور سیدھا ابن ہرمزؒ کے پاس چلا گیا۔

ابن ہرمزؒ اس وقت کے بہت بڑے امام تھے۔انہیں امام مالکؒ سے ایک خاص انسیت تھی۔آپؒ ان پر بہت شفقت فرماتے اور بہت شفقت کے ساتھ امام صاحب کو علم حدیث کے رموز ونکات سمجھاتے۔ایک بار امام صاحب نے آپؒ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ابن ہرمزؒ نے اپنی باندی سے کہا ''دیکھو مالک ہوگا''۔باندی نے آ کر کہا ''جی ہاں وہی سرخ رنگ والا لڑکا ہے''۔ابن ہرمزؒ نے باندی کی طرف دیکھ کر فرمایا ''وہ لوگوں میں بڑا عالم ہے''۔یہ بات ابن ہرمزؒ نے اس وقت فرمائی جب آپؒ جوان نہیں ہوئے تھے۔پھر جب تک ابن ہرمزؒ زندہ رہے امام صاحب کہیں اور نہیں گئے۔ابن ہرمزؒ کی موت کے بعد حضرت نافعؒ امام مالک کے مرکز نظر رہے۔

حضرت نافعؒ عبداللہ بن عمرؓ کے غلام تھے۔حضرت نافعؒ کو یہ شرف حاصل رہا کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے علم حدیث سیکھا۔حضرت نافعؒ تابعین میں سب سے زیادہ حضرت فاروق اعظمؓ کے فتوؤں کے متعلق جاننے والے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں فقہ سکھائی تھی۔حضرت نافعؒ نے طویل عمر پائی تھی۔حضرت امام مالکؒ کے زمانہ طالب علمی میں یہ بہت معمّر تھے۔یہ آخری زمانے میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔حضرت امام مالکؒ حضرت نافعؒ کے پیچھے پیچھے ایسے چلتے تھے جیسے غلام جا رہا ہو۔حضرت نافعؒ کے بعد امام مالکؒ نے حضرت شہابؒ کی شاگردی اختیار کی حضرت ابن شہابؒ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے نانا کے سلسلے سے قریشی ہیں۔آپؒ حدیث کے زبردست عالم تھے۔مشہور فقیہی ابولیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ میں نے ساری دنیا میں ابن شہابؒ ازہری سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ابن شہابؒ کی مجلسِ درس میں امام مالکؒ کے استاد ربیعہؒ بھی درس میں شریک تھے۔ابن شہابؒ نے اس نشست میں چالیس احادیث بیان فرمائیں۔دوسرے دن ابن شہابؒ نے تمام طالب علموں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''کتاب دیکھو تاکہ میں حدیث بیان کروں اور جو کچھ میں نے بیان کیا تھا وہ تم نے دیکھا لیا؟'' حضرت ربیعہؒ نے جواباً عرض کیا: ''یہاں ایک ایسا شخص موجود ہے جو آپؒ کے فرمودات کو حرف بہ حرف زبانی سنا دے گا''۔''وہ کون ہے؟'' حضرت ابن شہابؒ نے حیرت سے پوچھا۔''مالک بن انس'' حضرت ربیعہؒ نے جواب دیا۔حضرت ابن شہابؒ نے مالک کی طرف دیکھا اور ایک نوعمر طالب علم کی اس غیر معمولی صلاحیت پر حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''سناؤ''۔حضرت امام مالکؒ نے تمام احادیث اس قدر روانی کے ساتھ سنا دیں کہ کسی مقام پر بھی زبان میں لغزش تک نہ آئی، حضرت ابن شہاب نے حیرت سے سب کچھ سنا اور پھر فرمایا کہ: ''میں سمجھتا تھا کہ میرے سوا کسی کو بھی یہ احادیث زبانی یاد نہیں ہیں''۔

امام مالکؒ نے حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے بھی علم حاصل کیا۔ایک نشست میں حضرت ابن شہابؒ، حضرت ربیعہؒ اور حضرت امام مالکؒ حاضر تھے۔

حضرت ابن شہابؒ نے ایک مسئلہ پوچھا۔حضرت ربیعہؒ نے جواب دیا۔حضرت ابن شہابؒ نے حضرت امام مالکؒ سے پوچھا:''تمہارا جواب کیا ہے؟''امام مالکؒ نے جواب دیا:''استادِمحترم جواب دے چکے ہیں وہ کافی ہے''۔ابن شہابؒ نے کہا:''میں بھی تمہارا استاد ہوں۔جب تک تم جواب نہ دو گے اُس وقت تک محفل سے نہیں اٹھو گے''۔امام صاحب کچھ دیر خاموش رہے پھر اس طرح جواب دیا کہ نظریں زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ان کا جواب امام ربیعہؒ کے جواب کے خلاف تھا لیکن امام ربیہؒ فوراً بول اٹھے: ''میری رائے چھوڑ کر مالک کا قول اختیار کرو''۔یہاں تک کہ ابن شہابؒ بھی امام مالکؒ کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دیتے تھے۔

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں نے علم حاصل کرنے کے لیے دُور دراز کے سفر اختیار کیے۔لیکن امام مالکؒ تنہا انسان ہیں جو حجاز مقدس سے باہر نہیں گئے۔جب تک آپؒ کی والدہ گرامی زندہ رہیں آپؒ نے دنیا کی طرف ایک لمحے کے لیے بھی مڑ کر نہیں دیکھا لیکن والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد آپؒ نے کپڑے کی خرید و فرخت کا کام شروع کیا۔امام صاحب نے اپنی مجلس درس کے لیے مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ کا انتخاب کیا۔رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کا عمل آپؒ کے لیے حجت کا درجہ رکھتا تھا۔

حدیث بیان کرنے سے پہلے غسل کرتے،عمدہ کپڑے پہنتے،خوشبو لگاتے اور جب تک حدیث بیان کرتے خوشبوئیں آتی رہتیں۔اگر کوئی آدابِ محفل سے نا آشنا شخص درست حدیث کے وقت اونچے لہجے میں بات کرتا تو امام مالکؒ اسے حکم دیتے کہ اپنی آواز پست کرلو۔صرف سانسوں کو جاری رکھو اور پھر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرماتے:

ترجمہ:''اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی خاتم النبیین ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ورنہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی اور تمہارے اعمالِ صالح برباد ہو جائیں گے''۔

آپؒ نے وہ وقت بھی گزارا جب آپؒ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا اور آپؒ بھوکے رہ کر حدیث کا درس دیتے رہتے تھے اور گھر والوں کو بھی صبر کی تلقین فرماتے تھے۔اور فرمایا کرتے تھے:''جو تمام مخلوق کا کفیل ہے وہی مالک بن انس کے بیوی بچوں کا بھی دستگیر ہے''۔

رفتہ رفتہ یہ بات مشہور ہوتی جا رہی تھی کہ مسندِ علم پر ایک سرخ چہرے والا نوجوان جلوہ افروز ہے۔جہاں دیدہ اور عمر رسیدہ افراد کو اس بات پر یقین نہیں آتا تھا کہ ایک نوعمر نوجوان بھی فقہی انسانی مسائل کا حل پیش کرسکتا ہے۔عقل کے حساب سے ان کی یہ دلیل نہایت مضبوط تھی۔مگر وہ خدا کے انداز تقسیم کو بھلا بیٹھے تھے کہ جو حضرت عیسیٰؑ کو شیر خوارگی کی حالت میں نبوت کی کھلی نشانی عطا کرسکتا ہے اُسے یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ وہ امام مالک کو نوعمری میں مسندِ درس پر بیٹھا کر سارے عالم کو ان کے سامنے خم کردے۔یہ وہ زمانہ تھا جب خلیفہ منصور خاندانِ بنوامیہ کو عبرت ناک سزائیں دینے کے بعد خاندان سادات پر مظالم ڈھا رہا تھا۔جب تک امام صاحبؒ حکومت کے سلسلے میں خاموش رہے اس وقت تک منصور آپؒ کو محترم سمجھتا رہا۔امام صاحب''جبری طلاق''کو نہیں مانتے تھے۔یہی''جبری طلاق''کا مسلہ آخر کار''جبری خلافت''کے وقار کا مسئلہ بن گیا۔اتفاق سے اسی دوران خاندانِ سادات کے ایک معزز فرد عبداللہ(نفس ذکیہ) نے منصور کے جبر و تشدد سے تنگ آ کر حق کا پرچم بلند کیا۔آل فاطمہؓ کا یہ بلند حوصلہ فرزند میدانِ کارساز میں بڑی شجاعت کے ساتھ لڑا۔مگر فنون جنگ سے ناواقفیت کی وجہ سے شکست خوردہ حالت میں شہید ہوگیا۔

مشہور مؤرخ طبری کا بیان ہے کہ لوگ امام صاحبؒ سے خلافتِ عباسیہ کا شکوہ کرتے ہوئے کہتے تھے: ''ہمارے گلے میں منصور کی بیعت کا طوق ہے''۔ جواباً امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم سے جبراً بیعت لی گئی ہے اور امام گھر میں بیٹھے رہے۔منصور مذہب کی نگاہ میں بنیادی طور پر مجرم تھا۔اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ امام اس مسئلے میں کچھ بولیں۔امام مالکؒ فطرتاً ایک حق پرست مرد تھے۔آپؒ نے منصور کے منع کرنے کے باجود خاموشی اختیار نہیں کی اور پھر اسی مقام سے آپؒ کے خلاف بھیانک سازش کا آغاز ہوا۔یہ حقیقت ہے کہ منصور نے اپنے چچازاد بھائی جعفر بن سلیمان کو مدینے کا حاکم بنا کر بھیجا۔مگر در پردہ اس کی حیثیت ایک جاسوس کی سی تھی۔اس نے آپؒ کے دربار میں آکر''جبری طلاق''کے بارے میں پوچھا۔آپؒ نے نہایت دیانت داری اور بے باکی سے فرمایا:''میرے نزدیک جبری طلاق طلاق نہیں ہے''۔ اس پر جعفر بن سلیمان نے آپؒ کو کوڑے لگوائے آپؒ کے ہاتھ اس قدر کھنچوائے کہ کندھوں سے جوڑ اتر گئے۔اس کے بعد آپؒ کا منہ کالا کرکے آپؒ کو ایک خچر پر سوار کروا کر شہر کا چکر لگوایا۔امام مالکؒ کے ساتھ یہ ذلت آمیز سلوک خلیفہ منصور کی مرضی سے کیا گیا تھا۔امام صاحبؒ نے اس ہجوم کو، جو اُنہیں دیکھنے کے لیے اکٹھا ہوا تھا، مخاطب کرکے فرمایا:

''جو مجھے جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ جان لیں کہ میں مالک بن انسؒ ہوں''۔یہ سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔بحر حال اس المناک واقعہ کے بعد جب آپؒ کے زخم بھر گئے تو آپؒ نے اسی شان سے دوبارہ درس دینا شروع کر دیا۔اسی سال خلیفہ منصور حج کے لیے آیا۔خلیفہ نے معذرت کی اور کہا کہ''خدا کی قسم آپؒ

کے ساتھ جو کچھ ہوا میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ میں اس بات سے بھی بے خبر ہوں کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ مجھے اہل حرم میں آپؒ کا سب سے زیادہ لحاظ ہے۔ خدا کی قسم میں نے جعفر بن سلیمان کے لیے حکم جاری کر دیا ہے کہ اسے عراق تک گدھے پر لایا جائے۔ میں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اسے سخت ذلت کے ساتھ قید خانے میں رکھا جائے۔ جعفر نے جس قدر تکلیف آپؒ کو دی میں اُس سے دُگنی سزا اُسے دُوں گا''۔

امام مالکؒ نے خلیفہ کی معذرت کو غور سے سنا اور پھر باوقار انداز میں منصور سے فرمایا۔

''امیر المومنین میں نے اس واقعے کو فراموش کر دیا ہے میں نے جعفر بن سلیمان کو بھی رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے خاندان سے تعلق رکھنے کے باعث معاف کر دیا ہے، اللہ آپ کو بھی معاف کر دے''۔

منصور نے امامؒ کے سامنے کتنی ہی عیاری سے کام لیا ہو۔ مگر دوران گفتگو اس مرد جلیل کی ہیبت اپنے دل پر محسوس کرتا رہا اور بار بار قسمیں کھا کر اپنے احساس ندامت کو چھپاتا رہا تھا۔ یہی امام کی فتح تھی۔ آخر کار حاسدین رُسوا ہوئے اور امام مالکؒ کی آزمائش کا زمانہ سلامتی سے گزر گیا۔ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ سے علم سیکھنے کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت امام مالکؒ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر انہیں گلے سے لگایا اور اپنے شاگردوں میں شامل کر لیا۔ اپنی تعلیم مکمل کر کے امام شافعیؒ واپس چلے گئے۔ حضرت امام مالکؒ نے ''حصولِ علم'' اور ''تقسیمِ علم'' کے لیے جو انداز اختیار کیا تھا اس کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔

منصور کا بیٹا خلیفہ مہدی حضرت امام مالکؒ سے بہت زیادہ عقیدت رکھتا تھا۔ ایک بار خلیفہ مہدی مدینہ آئے تو امام صاحب سے ملاقات کرنے ان کے گھر گئے اور کچھ نصیحت کرنے کو کہا۔ جواباً امامؒ نے فرمایا: ''میں تجھے خدا سے، روزِ محشر سے اور پرسش اعمال سے ڈراتا ہوں۔ جسے خوف خدا نہیں وہ ہلاکت سے بہت قریب ہے۔ میری دوسری نصیحت یہ ہے کہ دنیا میں جو شخص حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پڑوسیوں سے مہربانی سے پیش آئے گا وہ آخرت میں معزز و محترم ٹھہرے گا۔ مجھ تک یہ ہدایت پہنچی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ میری ہجرت کی جگہ ہے۔ یہیں میری قبر بنے گی۔ یہیں سے مجھے قیامت کے دن اٹھایا جائے گی۔ اس کے باشندے میرے پڑوسی ہیں۔ میری امت کے لوگوں پر یہ حق ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کریں۔ میں ان کا شفیع بھی ہوں اور گواہ بھی''۔

حضرت امام مالکؒ کی یہ نصیحت سن کر مہدی آبدیدہ ہو گیا۔ پھر اس نے اہلِ مدینہ پر لطف و کرم کی ایسی بارش کی کہ مہدی کا یہ عمل ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گیا اس کے بعد عباسی خلیفہ نے اظہار عقیدت کے لیے اس شہرِ مدینہ کا طواف کیا۔ دورانِ طواف وہ باآواز بلند کہتا جاتا تھا: ''خدا کی قسم اگر امامؒ مجھ پر شفقت نہ فرماتے تو میں زندگی کی اتنی بڑی سعادت سے محروم رہ جاتا۔ اب میں ہمیشہ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے پڑوسیوں کا خیال رکھوں گا''۔ اسی خلیفہ مہدی نے ایک بار اپنے مصاحبِ خاص ربیع کے ہاتھ امام مالکؒ کو تین ہزار اشرفیاں ارسال کیں۔ ربیع کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے پھر کہا: ''اے امام امیر المومنین اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ آپؒ ان کے ہمراہ بغداد تشریف لے چلیں۔ یہ سن کر امام مالک کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا: ''تم نے میرے آقا کا فرمانِ مقدس سنا ہے؟'' ربیع نے نفی میں سر ہلایا۔ حضرت امام مالکؒ نے ربیع کے سامنے وہ حدیثِ مبارکہ بیان کر دی جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''مدینہ ان کے حق میں بہتر ہے اگر وہ اس بات کو سمجھیں''۔

پھر فرمایا: ''میں اگر ایک دن بھی آقا خاتم النبیین ﷺ کا روضہ اقدس نہ دیکھوں تو میری جان پر بن آتی ہے''۔ امامؒ کے الفاظ میں وہ جلال تھا کہ ربیع کانپنے لگے۔ پھر امام مالکؒ نے فرمایا: ''میں نور کے اس حصار سے نکل کر کہاں جا سکتا ہوں۔ میری تو دنیا ہی تاریک ہو جائے گی''۔

امام صاحب کے لہجے میں بڑا سوز تھا۔ یہ کہہ کر امام صاحب نے مہدی کی بھیجی ہوئی اشرفیوں کی تھیلی اٹھائی اور ربیع کے ہاتھ پر رکھ دی اور کہا: ''امیر المومنین سے کہنا کہ مالک بن انس خاکِ مدینہ کے ایک ذرے کے بدلے میں ساری دنیا کی دولت بھی قبول نہیں کرے گا''۔

ربیع امام کا یہ رویہ دیکھ کر بولے: ''امام صاحبؒ امیر المومنین کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا وہ تو بس ایک خواہش تھی کہ اس طرح آپؒ کی موجودگی اہل بغداد کے لیے باعث برکت ہوگی''۔ آپؒ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ امیر کو حسن نیت کا صلہ دے''۔

آپؒ خلیفہ وقت کے تحائف اور نذرانے قبول کر لیا کرتے تھے۔ کبھی امام مالک کا وہ وقت تھا کہ جب آپؒ کی معصوم بیٹی کے لیے روٹی تک میسر نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے آپؒ پر کشائش کے دروازے کھول دیئے تو اس کا اثر نہ چہرے پر آیا اور نہ دل پر۔ آپؒ لوگوں میں دل کھول کر رقم خرچ کیا کرتے تھے۔ زمانہ بھی کتنا عجیب ہے کبھی لوگ یہ اعتراض کرتے تھے کہ آپؒ کے پاس کچھ نہیں۔ آپؒ کسی سے کچھ طلب کیوں نہیں کرتے۔ اور اب آسودہ حالی میں یہ اعتراض کہ کیسی شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر امام شافعیؒ کو کسی نے بتایا کہ امام مالکؒ تو بہت دولت مند ہو گئے ہیں۔ امام شافعیؒ مسجد میں گئے اور دیکھا کہ لوہے کی ایک کرسی رکھی ہے اور کرسی پر مصر کا ایک قیمتی

تکیہ ہے اور تکیے پر لا الہ الا اللہ تحریر تھا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اتنے میں امام مالکؒ آ گئے۔ انہوں نے محبت سے مجھے گلے سے لگایا اور پھر میں نے ان کی اقتداء میں نماز مغرب ادا کی۔ پھر امام مالکؒ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ پرانے گھر کی جگہ ایک محل نما عمارت تھی۔ میں نے اسے دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ آپؒ نے کہا: ''محمد تم روتے کیوں ہو؟ کہیں تم یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ میں نے دنیا کے بدلے میں آخرت فروخت کر دی ہے؟'' میں نے جواب دیا: ''جی ہاں میرے دل میں اسی قسم کا اندیشہ پیدا ہوا تھا''۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: ''تمہارا دل مطمئن رہے، تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ سب ہدیہ ہے۔ خراسان سے، مصر سے، دنیا کے دُور دُور کے علاقوں سے تحائف پر تحائف چلے آ رہے ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے اور صدقہ رد کرتے تھے۔ میرے پاس اس وقت خراسان اور مصر کے بے شمار بہترین لباس موجود ہیں، ۳۰۰ غلام موجود ہیں، بہترین گھوڑے ہیں اور اب یہ سب کچھ میری طرف سے تمہیں ہدیہ۔ صندوق میں پانچ ہزار دینار رکھے ہیں اس میں سے سالانہ زکوٰۃ نکالتا ہوں اس میں سے بھی آدھی تمہاری۔ یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ دولت کی کثرت کے باوجود امام صاحب کا تقویٰ برقرار ہے۔ پھر میں اس حال میں وہاں سے روانہ ہوا کہ مکہ معظمہ اپنے مکان تک جاتے جاتے میں نے راہِ حق میں سب کچھ خیرات کر دیا۔ اب میرے پاس ایک خچر اور پچاس دینار کے سوا کچھ نہ تھا۔ میری اس سخاوت کی خبر دور تک پھیل گئی۔ امام مالکؒ نے بھی یہ خبر سنی تو مجھے پیغام بھیجا کہ محمد کمی نہ کرنا۔ جو کچھ بھی ملتا رہے گا میں تمہیں بھیجتا رہوں گا۔ امام مالکؒ ہر سال امام شافعیؒ کو گیارہ ہزار دینار پابندی سے بھیجا کرتے تھے اور میں ہر شے سے بے نیاز ہو کر اللہ کی دی ہوئی دولت اس کے بندوں پر خرچ کرتا رہا۔ کچھ دن گزرنے نہ پاتے تھے کہ میں مقروض ہو جاتا تھا لیکن امام مالکؒ مجھے وہ سب کچھ بھیج دیا کرتے تھے جو انہوں نے مجھے مدینے میں دیا تھا۔ یہ سلسلہ گیارہ سال تک جاری رہا۔ پھر امام مالکؒ کا انتقال ہو گیا اور حجاز کی سرزمین مجھ پر تنگ ہو گئی۔ یہ اس مردِ جلیل کا بیان ہے جو اسلامی فقہ کا تیسرا بڑا امام ہے۔ اس واقعے کی تفصیل پڑھ کر ایک عام نظر رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ مالک بن انسؒ نے اپنی آسودہ حال زندگی کس طرح بسر کی۔ جس کا ذکر پیدائش سے سو سال پہلے حدیث رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا۔ ''عنقریب لوگ علم کی طلب میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے پھر بھی انہیں عالم مدینہ سے بہتر کوئی عالم نہ مل سکے گا''۔

حضرت سفیان ثوریؒ اور حضرت عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عالمِ مدینہ سے مراد امام مالکؒ ہیں۔ جن کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''مدینے میں علم بکھرا پڑا ہے اگر کوئی اس کو سمیٹ سکتا ہے تو یہی شخص (امام مالکؒ) سمیٹ لے گا''۔ پھر فرمایا: ''میں نے امام مالک سے زیادہ صحیح جواب دینے والا اور کوئی نہیں دیکھا''۔

جن کی عظمت پر سفیان بن عنیہؒ نے فرمایا: ''امام مالکؒ کے سامنے ہماری حقیقت ہی کیا ہے۔ ہم لوگ تو ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں''۔

جن کے تقدس کا امام احمد بن حنبلؒ نے یوں اظہار کیا: ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ امام مالکؒ سے بغض رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ بدعتی ہے''۔

جن کے لیے حماد بن سلمہؒ نے فرمایا: ''اگر مجھ سے کہا جائے کہ امت محمدی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں سے میں حصول علم کے لیے کسی ایک شخص کا انتخاب کر لوں تو میں اس کام کے لیے امام مالکؒ سے زیادہ کسی کو موزوں خیال نہیں کرتا''۔

جن کی شان میں عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ امامِ حدیث تھے اور امام اوزاعیؒ امامِ سنت، مگر امام مالکؒ دونوں کے امام تھے۔ جنہیں ابن شہابؒ نے ''علم کا محافظ'' کہہ کر صدا دی۔ جسے حافظ ذہبیؒ نے ''امام العلم'' اور ''سید الحافظ'' کہہ کر پکارا۔ جنہیں عبداللہ بن عمرؓ نے ''مسائل کا مشکل کشا'' کہا۔ جو ماضی اور حال میں سب کے نزدیک امام الکبرا یا ٹھہرا۔ اس پر اعتراض کرتے ہو کہ وہ قیمتی لباس کیوں پہنتا تھا؟ عمدہ خوشبوئیں کیوں استعمال کرتا تھا؟ خلیفہ وقت کے تحفے کیوں قبول کرتا تھا؟ تم اس کا مقام جانتے ہو کہ وہ کون تھا؟ یہ وہ مرد بزرگ ہے جس کی ایک رات بھی ایسی نہیں گزری جب اس نے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی ہو۔ کیا یہ شرف اس کی قبولیت پر آخری دلیل نہیں جس کو دربار رسالت میں یہ مقام حاصل ہو تم اس کی ظاہری شان پر اعتراض کرتے ہو کہ قیمتی لباس کیوں پہنا؟ اور عمدہ غذا کیوں کھائی؟۔

خلیفہ مہدی اور ہارون رشید کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ امام مالکؒ نے ان کی نذر قبول فرمائی۔ شاید وہ اپنے اس عمل سے بخشے جائیں۔

پھر اچانک نظام درس میں ایک بڑا انقلاب آ گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ان کے امام نے مسجد میں آنا چھوڑ دیا۔ عقیدت مندوں کے ہجوم میں شدید اضطراب پھیل گیا۔ امام صاحب سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ جسمانی نقاہت گھر سے نکلنے نہیں دیتی۔ اس فطری مجبوری کے باوجود درس کا سلسلہ جاری رہا۔ طالب علم آپؒ کے گھر پر حاضر ہو جاتے اگرچہ آفتاب میں وہ اگلی سی حدت باقی نہیں رہی تھی لیکن روشنی کا سفر پھر بھی جاری تھا۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ امام مالک

صرف جمعہ کے دن مسجد میں تشریف لاتے۔

حسد کرنے والوں کو اب بھی قرار نہیں تھا کہنے والے کہتے: ''ایسی بھی کیا کمزوری کہ آدمی مسجد نبوی کو چھوڑ کر گھر بیٹھ جائے''۔ دل آزاری کی یہ باتیں امام صاحبؒ کے کانوں تک بھی پہنچ جاتی تھیں مگر صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ: ''لوگوں کو کیا معلوم کہ ہر شخص اپنی مجبوریاں بیان کرنے پر قادر نہیں''۔

یہاں تک کہ یہ ناتوانی آپؒ کو مسندِ درس سے اٹھا کر بسترِ علالت پر لے آئی۔ شاگردوں اور عقیدت مندوں نے تیمارداری کا حق ادا کر دیا۔ علالت کی خبر دُور دُور تک پھیل گئی۔ مدینہ اور دوسرے شہروں کے بڑے بڑے علما آخری لمحات میں امام مالکؒ کے پاس کھڑے تھے۔ اس وقت امام کے گرد ایک سو تیس فقیہ اور عالم اُداس کھڑے تھے۔ مشہور بزرگ یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے کہ: ''میری خواہش تھی کہ الوداعی ساعتوں میں امام مجھے ایک نظر دیکھ لیں پھر یہی نگاہِ کرم آخرت میں میرے لیے وسیلہ بن جائے''۔ اچانک امام نے آنکھیں کھولیں۔ تمام عزیز واقارب اور شاگردانِ خاص کو اپنے قریب طلب کیا لوگ سمجھے کہ امام اب کوئی وصیت کریں گے۔ امام نے اپنے اطراف میں جمع لوگوں کو دیکھا اور پھر نحیف مگر باوقار آواز میں فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے کبھی ہنسایا کبھی رلایا۔ اُس کے حکم سے زندہ رہا اور اُس کی مرضی سے آج جان دے رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آج میں تم لوگوں سے رخصت ہو کر اپنے رب کے حضور چلا جاؤں گا۔ اگر میرا آخری وقت نہ ہوتا تو میں ہرگز تم پر یہ راز ظاہر نہ کرتا کہ میں کئی سال سے پیشاب نکل جانے کے مرض میں مبتلا ہوں۔ مجھے کسی طرح بھی گوارہ نہ تھا کہ وضو کے بغیر اپنے آقا خاتم النبیین ﷺ کی مسجد میں قدم رکھوں اور مجھے اس بات سے بھی شرم آتی تھی کہ لوگوں کو اپنی بیماری سے آگاہ کر کے اپنے اللہ کی شکایت کروں۔ یہ کہہ کر آپؒ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں''۔ امام صاحب اب آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔ ''اے جہانوں کے پالنے والے یہ تیرا عظیم احسان ہے کہ تو نے اپنے گناہ گار بندے مالک بن انس کو خاکِ مدینہ سے اٹھایا اور خاکِ مدینہ میں ملا دیا''۔ بس لبِ مقدس کی جنبش ختم ہوگئی۔ علم اور تقویٰ کا سورج اُس سمندر میں اتر گیا جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ صبرِ ایوب علیہ السلام بھی عشق تھا، صبرِ حسین علیہ السلام بھی عشق تھا اور صبر مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی عشق تھا۔ مگر حسبِ مراتب عشق کے انداز بدلتے رہے ہیں۔

اہل دل کی تو اس وقت حالت ہی غیر تھی۔ اتنا روئے کہ دامن بھیگ گئے اور اشکوں کا رنگ پیازی ہو گیا۔ پھر کسی نے امام مالکؒ کے جنازے پر قول رسول خاتم النبیین ﷺ کی تلاوت کی: ''عنقریب لوگ علم کی طلب میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے پھر بھی انہیں عالم مدینہ سے بہتر کوئی عالم نہ مل سکے گا''۔

حدیثِ رسول خاتم النبیین ﷺ سن کر اماموں کے سر جھک گئے، فقیہوں کی گردنیں خم ہوگئیں اور عالموں نے اپنی گردنیں نیچی کر لیں۔ بے شک امامِ مدینہ امام مالکؒ ہی تھے۔ انتقال کے وقت امام صاحب کی عمر 86 سال تھی۔ آپؒ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

صاحبِ ''موطا'' کو موت آگئی مگر ''موطا'' کا ایک ایک حرف قیامت تک زندہ رہے گا۔ یہ حدیث کی وہ عظیم اور جلیل کتاب ہے جسے قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے۔ امام صاحب سے اس کی تصنیف کے وقت کہا گیا کہ اس طرز کی اور کتابیں بھی لکھی جا رہی ہیں۔ آپؒ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے رہے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا تھا: ''بہت جلد لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا کام محض اللہ کے لیے ہے''۔ آخر کئی سال کی شدید محنت کے بعد امام صاحب ''موطا'' کی تصنیف سے فارغ ہو گئے۔ پھر آپؒ نے اپنا خلوص ثابت کرنے کے لیے مسودے کے تمام اوراق پانی میں ڈال دیئے اور فرمایا کہ ''اگر ان اوراق میں ایک بھی نم ہو جائے تو مجھے اس کی حاجت نہیں''۔ یہ قدرت کی طرف سے امام مالکؒ کے خلوص کا صلہ تھا کہ پانی میں ڈالنے کے باوجود ایک بھی ورق نہیں بھیگا۔ اور ساری دنیا پر یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ امام کا ذہن اور قلم محض اللہ ہی کے لیے تھا۔ تمام محدّثین میں تنہا امام مالکؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپؒ نے صرف بلند پایہ علماء سے احادیث روایت کی ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا احتیاط ہوگی کہ خادمِ رسول خاتم النبیین ﷺ ہوتے ہوئے بھی امام صاحبؒ نے اپنے والد محترم حضرت انسؓ سے کسی روایت کو موطا میں جگہ نہیں دی۔ یہ بہت ہی عجیب بات ہے اگر اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

****

حضرت امام شافعیؒ

محمد بن ادریس شافعی قریشی رحمۃ اللہ علیہ 150ھ بمطابق 767ء مقام غزہ میں پیدا ہوئے۔ امام صاحبؒ کا نام محمد اور والد کا نام ادریس تھا۔ شافع آپؒ کے پردادا تھے۔ شافع نے عالم جوانی میں آپ خاتم النبیین ﷺ سے ملاقات کی۔ عبد مناف تک پہنچ کر آپؒ کا سلسلہ نسب پیغمبر اسلام خاتم النبیین ﷺ سے مل جاتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ ماہ رجب 150ھ کی اس رات کے آخری حصہ میں پیدا ہوئے جس رات کی ابتدائی ساعتوں میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ بعض عارفوں نے امام اعظم کے رخصت اور امام شافعی کی آمد پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے: ''خدائے کریم عقل وفراست کے باب کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جب کاتبِ ازل نے ابوحنیفہؒ کے نام پر خطِ تنسیخ پھیرا تو دوسرے ورق پر امام شافعیؒ کا اسمِ گرامی تحریر کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ماہ رجب کی ایک ہی رات میں تاریخ اسلام کے دو بڑے واقعات رونما ہوئے''۔

تعارف:- آپؒ بحر شریعت، طریقت کے شناور اور رموزِ حقیقت کے شناسا تھے۔ فراست اور ذکاوت میں ممتاز اور تفقہ فی الدین میں یکتائے روزگار تھے۔ آپؒ نے امام مالکؒ بن انس سے علم حاصل کیا۔

علمی مرتبہ:- آپؒ نے تیرہ سال کی عمر میں محراب حرم کے نیچے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا تھا کہ جو کچھ پوچھنا ہے مجھ سے پوچھ لو۔ آپؒ نے پندرہ سال کی عمر میں فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔ پھر ایک دن بچے کی تقریر سننے کے لیے فقیہوں اور محدّثوں کے قلندر حضرت سفیان ثوریؒ بھی تشریف لائے۔ اُن کو آتا دیکھ کر ہجوم میں ہلچل مچ گئی۔ لوگوں نے امام کے لیے راستہ بنا دیا۔ حضرت سفیان ثوریؒ آگے بڑھتے چلے گئے۔ آپؒ اس جگہ پر پہنچ گئے جہاں قریش کا وہ عظیم بچہ علم کے منبر پر کھڑا ہو کر تقریر کر رہا تھا۔ فرزندِ قریش کی زبان سے فصاحت و بلاغت کا آبشار جاری تھا۔ لہجے کے گداز سے لوگوں کے دل پگھلے جاتے تھے۔ امام صاحب سفیان ثوریؒ نے کھڑے ہو کر یہ سب کچھ سنا۔ آخر امام سفیان ثوریؒ نے بے قرار ہو کر فرمایا: ''خدا کی قسم اگر انسانی عقل کا وزن کیا جائے تو نصف دنیا کی عقل پر اس بچے کی عقل بھاری ہے''۔ امام شافعیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد شیبانیؒ کے شاگرد ہوئے۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے:

ترجمہ: ''خدا کی قسم میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد شیبانیؒ کی تالیف کے مطالعہ سے فقیہ بن گیا ہوں''۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ آپؒ کا بہت احترام کیا کرتے تھے اور جب کسی نے اعتراض کیا کہ آپؒ جیسے اہل علم کے لیے ایک کم عمر شخص کی مدارت کرنا مناسب نہیں ہے تو آپؒ نے جواب دیا میرے پاس جس قدر علم ہے اس کے معنی ومطالب سے وہ مجھ سے زیادہ باخبر ہے اور اسی کی خدمت سے مجھے حدیث کے حقائق معلوم ہوتے ہیں۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو ہم علم کے دروازے پر ہی کھڑے رہ جاتے اور فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند رہ جاتا۔ وہ اس دور میں اسلام کا سب سے بڑا محسن ہے وہ فقہ، معانی اور علوم لغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اس قول کے مطابق کہ ہر صدی کی ابتداء میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا کہ اہل علم اس سے دین کا علم حاصل کریں گے اور اس صدی کی ابتداء امام شافعیؒ سے ہوتی ہے''۔

حضرت بلال خواص کا قول ہے کہ میں نے حضرت خضرؑ سے پوچھا کہ امام شافعیؒ کے متعلق آپؑ کی رائے کیا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کا شمار 'اوتاد' میں ہوتا ہے۔ ابتدائی دور میں آپؒ مخلوق سے کنارہ کش ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور حضرت سلیم راعیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض باطنی سے فیض یاب ہوتے۔ آہستہ آہستہ آپؒ نے عروج کمال تک رسائی حاصل کر لی اور اپنے دور کے تمام فقہا کو پیچھے چھوڑ دیا۔ عبداللہ انصاریؒ کا قول ہے کہ: ''گو میں شافعیؒ مسلک سے متعلق نہیں ہوں لیکن امام صاحب کے بلند مراتب کی وجہ سے ان کے عقیدت مندوں میں سے ہوں''۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے ایک مرتبہ خواب میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا دیدار کیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اے لڑکے کون ہو؟'' میں نے کہا: ''آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت کا ایک فرد ہوں''۔ پھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے مجھے اپنے نزدیک بلایا اور اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈال دیا اور فرمایا کہ: ''جا اللہ تجھے برکت عطا فرمائے''، پھر اسی شب خواب میں حضرت علیؓ نے اپنی انگلی میں سے اپنی انگشتری نکال کر میری انگلی میں ڈال دی''۔

حاضر دماغی:- آپؒ کی والدہ بہت بزرگ خاتون تھیں۔ لوگ ان کے پاس امانتیں رکھوا کر جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دو آدمی کپڑوں سے بھرا ہوا بکس آپؒ کے پاس امانت کے طور پر رکھوا گئے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد ایک شخص آکر وہ بکس لے گیا پھر کچھ عرصے کے بعد دوسرے شخص نے آکر بکس طلب کیا تو والدہ نے فرمایا کہ تمہارا ساتھی وہ بکس لے گیا ہے۔ اب وہ شخص بضد تھا کہ آپ نے وہ بکس اسے کیوں دیا۔ جب ہم دنوں نے آپ کے پاس بکس رکھوایا تھا۔ آپ کی والدہ پریشان ہوئیں۔ عین اسی وقت امام شافعیؒ گھر آ گئے۔ معاملہ معلوم کیا اور پھر اس شخص سے کہا اے شخص تم دونوں نے وہ بکس رکھوایا تھا یعنی وہ دونوں کی امانت تھی جاؤ اپنے دوسرے ساتھی کو بلا لاؤ

تا کہ تمہارا بکس تمہیں دیا جا سکے۔ کیونکہ بکس رکھواتے وقت دونوں موجود تھے۔ اس لیے لیتے وقت بھی دونوں کی موجودگی ضروری ہے یہ جواب سن کر وہ شخص ششدر رہ گیا۔

جس وقت آپؒ امام مالکؒ کے پاس پہنچے تو آپؒ کی عمر سترہ سال تھی۔ امام مالکؒ سے فیض لینا آپؒ کا مقصد تھا۔ چنانچہ آپؒ ان کے دروازے پر اسی نیت سے جانا چاہتے تھے لیکن حاضر ہونے کی جرأت نہیں کر پا رہے تھے۔ مجبوراً آپؒ والیٔ مکّہ کے پاس تشریف لے گئے اور والیٔ مکّہ امام شافعیؒ کے طرز گفتگو اور اندازِ بیان سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے حضرت امام مالکؒ اور والیٔ مدینہ کے نام سفارشی خطوط لکھے پھر امام صاحب کو یقین دلایا کہ اب راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ امام شافعیؒ ان سفارش ناموں کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ امام شافعیؒ نے بڑے پرجوش انداز میں مدینہ کے والی کو دونوں خطوط دیئے۔ مگر جیسے جیسے حاکم مکہ کی تحریر پڑھی جاتی رہی۔ والیٔ مدینہ کا چہرہ اداس ہوتا چلا گیا پھر انہوں نے بڑے اداس لہجے میں امام شافعیؒ سے کہا: ''نوجوان! مدینہ سے مکہ تک گھسٹتے ہوئے جانا میرے لیے آسان ہے لیکن امام مالکؒ کا مکان میری پہنچ سے بہت دور ہے''۔ امام شافعیؒ والیٔ مدینہ کے جواب پر حیران رہ گئے، بولے: ''آپ کی اقامت گاہ سے امام مالکؒ کا مکان چند قدم کے فاصلے پر ہے پھر یہ مجبوری؟''۔ والیٔ مدینہ نے کہا: ''نوجوان تم ان باتوں کو نہیں سمجھ پاؤ گے''۔ پھر والیٔ مدینہ نے امام شافعیؒ کا شک دور کرتے ہوئے کہا: ''اگر دن بھر کے انتظار کے بعد بھی وہ مجھے شرف باریابی بخش دیں تو میرے لیے یہی کافی ہے''۔ :''خدا آپ کو جزائے خیر دے اگر آپ توجہ دیں تو وہ یہاں آسکتے ہیں''۔ والیٔ مدینہ نے بڑی ہی حسرت سے کہا: ''یہ کہاں ممکن ہوسکتا ہے؟''۔

بالآخر عصر کے وقت والیٔ مدینہ، امام شافعیؒ اور ان کا ایک دوست امام مالکؒ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب تینوں حضرات امام مالکؒ کے گھر پہنچے تو امام شافعیؒ کے دوست نے دستک دی۔ امام مالکؒ کی سیاہ فام باندی باہر نکلی اور آنے کا سبب دریافت کیا۔ والیٔ مدینہ نے کہا: ''اپنے آقا سے کہو میں شرف یابی چاہتا ہوں''۔ باندی فوراً اندر چلی گئی اور کچھ ہی دیر کے بعد واپس آکر بولی: ''میرے مالک آپ کو سلام فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہے تو پرچے پر لکھ دیجئے اور اگر حدیث کی سماعت کرنی ہے تو مجلس کا دن معلوم کرکے تشریف لے جایئے''۔ والیٔ مدینہ یہ جواب سن کر گھبرا گئے۔ بڑی ہمت سے کہا: ''اپنے آقا سے کہو کہ میرے پاس والیٔ مکہ کا ایک خط ہے اور میں آپؒ کے لیے ایک ضروری پیغام لایا ہوں''۔ باندی اندر چلی گئی اور جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک کرسی تھی۔ والی مدینہ ڈرتے ڈرتے کرسی پر بیٹھ گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں امام مالکؒ تشریف لے آئے۔ والیٔ مدینہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ کو دیکھا یہ ایک دراز قد بزرگ تھے اور اپنے بدن پر چادر لپیٹے ہوئے تھے۔ والیٔ مدینہ نے امام مالکؒ کو والیٔ مکہ کا خط پیش کیا۔ حضرت امام مالکؒ خط پڑھتے رہے اور جب ان سطور تک پہنچے کہ ''اس شخص (امام شافعیؒ) کے اقتصادی حالات خراب ہیں آپؒ اسے تعلیم دیجیے'' تو نہایت بے زاری سے والیٔ مکہ کا خط زمین پر پھینک دیا۔ اور شدید ناگواری کے عالم میں فرمایا: ''معاذ اللہ، کیا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کا علم بھی اب سفارش سے حاصل کیا جائے گا؟''۔ اب امام شافعیؒ اس جملے کا مفہوم سمجھ گئے تھے جو والیٔ مدینہ نے فرمایا تھا کہ ''امام مالک کا مکان میری پہنچ سے بہت دور ہے''۔ اس صورت حال کو دیکھ کر امام شافعیؒ فوراً آگے بڑھے اور دست بستہ عرض کیا: ''میں خاندان مطلب کا ایک فرد ہوں، دنیا کے تمام وسائل سے محروم۔ علم کا شوق مجھے آپ کے پاس لے آیا ہے''۔ امام شافعیؒ کا لہجہ اس قدر اثر انگیز تھا کہ امام مالکؒ کچھ دیر تک ان کے چہرے کو غور سے دیکھتے رہے۔ پھر امام مالکؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور امام شافعیؒ کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ پھر فرمایا: ''تمہارا نام کیا ہے؟''۔ امام شافعیؒ نے جواب دیا: ''محمد بن ادریس''۔ پھر آپؒ نے امام شافعیؒ کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیا۔

دوسرے دن امام مالکؒ نے دیکھا کہ محمد بن ادریس حدیث کے وقت متوجہ نہیں ہے۔ جب انہوں نے امام شافعیؒ کو بلا کر کہا کہ ادبِ حدیث میں متوجہ ہونا شرط ہے تو انہوں نے کہا کہ میں نے تمام احادیث زبانی یاد کر لی ہیں اور ان کے کہنے پر تمام احادیث کی قرأت کی تو سب لوگ حیران رہ گئے۔ پھر امام مالکؒ انہیں اپنے گھر لے آئے۔ امام مالکؒ کے در و دیوار افلاس کی داستان سنا رہے تھے۔ اس ناداری کی حالت میں کسی مہمان کو مستقل طور پر اپنے ہاں ٹھہرانا بڑی ہمت اور فراخ دِلی کی بات تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ صرف امام صاحبؒ ہی اس کریمانہ شان کا مظاہرہ کرسکتے تھے۔ کھانے کے وقت امام صاحب نے خوان کھولا تو اس میں دو برتن تھے۔ ایک میں دودھ اور دوسرے میں کھجوریں۔ امام صاحبؒ نے بسم اللہ کہی۔ امام شافعیؒ نے بھی بسم اللہ کہا۔ تھوڑی ہی دیر میں کھانا ختم ہوگیا۔ امام مدینہ کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ کھانا کم تھا۔ اس لیے انہوں نے کہا: ''محمد! ایک مفلس شخص دوسرے مفلس کے لیے جو کچھ بھی پیش کرسکتا تھا وہ حاضر کردیا''۔ امام شافعیؒ نے جواب دیا آپؒ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے۔

یہ تھی بارگاہِ امام مالکؒ میں حاضر ہونے کی مختصر داستان۔ اس کے بعد امام شافعیؒ مسلسل آٹھ ماہ تک امام مالک کے گھر میں ان کے ساتھ رہے اور درس لیتے

رہے۔ یہ امام مالکؒ ہی کا فیضانِ نظر تھا کہ ایک عاشقِ رسول خاتم النبیین ﷺ کے کاشانے سے برقِ جلال چمکی اور چند ساعتوں میں امام شافعیؒ کے دل و دماغ کو منور کر دیا اور پھر حدیث وفقہ کی کائنات پر محیط ہوگئی۔

اسی زمانے میں مصر کی ایک جماعت حج کے بعد زیارتِ رسول خاتم النبیین ﷺ سے مشرف ہونے اور ''موطا'' کی سماعت کرنے کے لیے مدینہ منورہ آئی۔ جب یہ لوگ امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے اور درخواست گزار ہوئے تو امامِ مدینہ نے امام شافعیؒ کو اشارہ کیا۔ فرزندِ قریش نے اجازت پاتے ہی اپنی پُرسوز آواز میں اس طرح ''موطا'' کی قرأت شروع کی کہ آنکھیں بند تھیں اور بے قرار روح دربارِ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ میں حاضر تھی۔ یہاں تک کہ جب ''موطا'' اختتام کو پہنچی تو مصری سامعین ایک نوخیز طالب علم کی قرأت اور قوتِ حافظہ پر حیران رہ گئے۔ اس کے بعد اہلِ عراق سرورِ کونین خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں سلام کو حاضر ہوئے۔ قبر مبارک اور منبر کے درمیان امام شافعیؒ کو ایک خوبصورت نوجوان نظر آیا۔ جب عراقی نوجوان نے نماز ادا کی تو اس کا طریقہ عبادت بھی درست نظر آیا۔ آخر آپؒ اس نوجوان کے قریب آگئے اور پوچھا: ''تم عراق کے کس مقام کے رہنے والے ہو؟''۔ ''میرا قیام کوفہ میں ہے'' نوجوان نے جواب دیا۔ ''کوفہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول خاتم النبیین ﷺ کا عالم کون ہے؟'' امام شافعیؒ نے سوال کیا۔ ''امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ''۔ عراقی نوجوان نے کہا۔ ''یہ دونوں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں''۔ امام شافعیؒ کچھ دیر خاموش رہے پھر عراقی نوجوان سے دریافت کیا: ''تم اپنے وطن واپس کب جاؤ گے؟'' ''کل صبح سویرے''۔ اس نے جواب دیا۔ عراقی نوجوان کو اپنے سے کم عمر طالب علم کے سوالات پر حیرت ہو رہی تھی۔ امام شافعیؒ نے اس نوجوان کا شکریہ ادا کیا اور گھر واپس آگئے۔ آپؒ کے چہرے پر فکر کی علامات صاف نظر آ رہی تھیں۔ حضرت امام مالکؒ نے اس کی وجہ معلوم کی تو بتایا کہ ''میں آج اُس مقام پر کھڑا ہوں جہاں پر زندگی تقسیم ہو جاتی ہے۔ آپ میری راہنمائی فرمایئے کہ مکہ میں لوٹ جاؤں یا تحصیل علم کے لیے کوفہ چلا جاؤں؟ والدہ سے بھی اجازت نہیں لی ہے''۔ امام مالکؒ اداس ہو گئے، کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا: ''کوفہ پہنچ کر والدہ سے اجازت لے لینا۔ کوئی ذی ہوش ماں اپنے بیٹے پر علم کے دروازے بند نہیں کرے گی''۔ ''آپؒ بھی اجازت فرمایئے'' امام شافعیؒ نے دبی دبی آواز میں کہا۔ امام مالکؒ نے فرمایا: ''فرزند! جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے تمہیں کوفہ جانے کی اجازت دے رہا ہے وہ اپنی ذات کے لیے تمہیں کیسے روک سکتا ہے؟''

امام شافعیؒ نے امام مدینہ کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی۔ اپنے سفر کی تیاری کی۔ امام مالکؒ نے راستے کا کھانا تیار کروا دیا تھا۔ امام مالکؒ کے اس سلوک پر آپؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ان آنسوؤں میں غمِ فراق بھی شامل تھا۔ امام شافعیؒ بہت اداس ہو رہے تھے۔ امام مالکؒ نے آپؒ کی حالت دیکھی تو فرمایا: ''فرزند! منزلِ علم کے مسافر راستے کے گرد و غبار سے متاثر نہیں ہوتے''۔ پھر بلند آواز سے پکار کر کہا کہ: ''کوفہ کے لیے کون اپنا اونٹ کرائے پر دیتا ہے؟'' ''یہ آپؒ کیا فرما رہے ہیں۔ نہ میرے پاس دینار و درہم ہیں اور نہ آپؒ کے پاس''۔ ''اللہ نے اس کا بندوبست کر دیا ہے۔ آج جب میں گھر گیا تو عبدالرحمن بن قاسم دروازے پر کھڑے تھے میں نے آنے کا سبب پوچھا تو فرمایا ایک ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں اور ایک تھیلی میرے ہاتھ میں پکڑا دی اور میری خوشامد کی کہ انکار نہ کیجئے گا۔ اس نے مجھے مجبور کر دیا اور میں نے وہ تھیلی (نذر) قبول کر لی۔ تھیلی میں سو دینار تھے میں نے پچاس اپنے اہل وعیال کے لیے چھوڑ دیئے ہیں اور پچاس تمہارے سفر کے لیے لے آیا ہوں''۔ امام ابھی بات کر رہے تھے کہ ساربان قریب پہنچ گیا۔ امام مالکؒ نے چار دینار ساربان کو دیئے اور باقی رقم امام شافعیؒ کے حوالے کر دی۔ امام مالکؒ نے آپؒ کو گلے لگایا اور آبدیدہ ہو کر کہا: ''اچھا، خدا حافظ''۔

یہ امام مالکؒ کے آخری الفاظ تھے۔ راستے میں غبار اُڑ رہا تھا لیکن جب بھی امام شافعیؒ نے مڑ کر دیکھا امام مالکؒ کی روشن آنکھوں کو نگران پایا۔ یہاں تک کہ امام مدینہ اور فرزندِ قریش کے درمیان فاصلے حائل ہو گئے۔ آخر حجاجِ کرام کا یہ قافلہ 24 دن میں کوفہ پہنچا۔ تمام مسافر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے مگر یہاں پر امام شافعیؒ کا کوئی گھر نہیں تھا۔ اس لیے آپؒ اللہ کے گھر میں یہ دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوئے ''اے اللہ مجھ پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے''۔ پھر آپؒ نے عصر کی نماز ادا کی اور مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر آنے جانے والوں کو دیکھتے رہے۔ اتنے میں آپؒ نے ایک نوجوان کو نماز پڑھتے دیکھا جو ارکانِ نماز صحیح طور پر ادا نہیں کر رہا تھا۔ جب وہ نوجوان نماز ادا کر چکا تو آپؒ نے اس سے کہا: ''میرے عزیز بھائی! میں تم سے تمہاری نماز کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔ ''تم میری نماز کے بارے میں مجھے کیا کہنا چاہتے ہو؟ تمہیں دوسروں کی غلطیاں نکالنے کا حق کس نے دیا ہے؟'' ''میرے علم نے، جو مجھے خدا کی طرف سے بطورِ خاص بخشا گیا ہے''۔

''تمہاری عمر تمہارے دعویٰ کا ساتھ نہیں دیتی''۔

''دعویٰ کا تعلق عمر سے نہیں ہوتا''۔ امام شافعیؒ نے آرام سے جواب دیا۔

''شاید تم حجازی ہو؟''۔ ''ہاں میں حجازی ہوں''۔ ''یہ خشکی اور سختی حجازیوں میں ہی پائی جاتی ہے''۔ نوجوان نے کہا۔

اتفاق سے مسجد کے دروازے پر ہی اس نوجوان کو امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نظر آ گئے۔فقہ کی ان جلیل القدر ہستیوں کو دیکھتے ہی نوجوان بے قابو ہو گیا۔

''آپ حضرات برسوں سے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں کبھی آپؒ کو میری عبادت میں کوئی خامی نظر نہیں آئی اور یہ حجازی لڑکا میری نماز پر نکتہ چینی کر رہا ہے''۔

امام محمدؒ نے عراقی نوجوان سے کہا کہ تم اس حجازی لڑکے سے سوال کرو کہ ''وہ نماز میں کس طرح داخل ہوتا ہے؟''۔

امام شافعیؒ نے انتہائی صبر اور سکون سے جواب دیا: ''میں دو فرض اور ایک سنت کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہوں''۔امام محمدؒ نے پھر کہا اب اس حجازی لڑکے سے پوچھو کہ: ''وہ دونوں فرض کونسے ہیں اور سنت کیا ہے؟''۔ امام شافعیؒ نے جواب دیا: ''میری نماز کا پہلا فرض نیت ہے، دوسرا تکبیر اور سنت دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے''۔ عراقی نوجوان نے جب امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کو فرزند قریش کا جواب سنایا تو وہ دونوں بزرگ مسجد میں داخل ہوئے۔امام شافعیؒ پر ایک گہری نظر ڈالی اور دُور جا کر صحن میں بیٹھ گئے۔پھر عراقی نوجوان کو حکم دیا: ''اس قریشی لڑکے سے کہو کہ مشائخ کے روبرو حاضر ہو''۔ عراق کے جلیل القدر فقہا کا نام سن کر امام شافعیؒ فوراً سمجھ گئے کہ امتحان کا وقت آ گیا ہے۔

امام شافعیؒ نے کہا: ''لوگ علم کے پاس خود چل کر آتے ہیں علم خود کسی کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہوتا۔اور مجھے ایسی کیا ضرورت پیش آئی ہے کہ میں تمہارے مشائخ سے ملاقات کروں؟''۔امام شافعیؒ کی آواز بلند تھی۔اس لیے امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے تمام باتیں سن لیں تھیں۔اس سے پہلے کہ عراقی نوجوان ان کے پاس آئے دونوں بزرگ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ: ''اُس نے سچ کہا ہے''۔امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ مسجد میں داخل ہوئے، امام شافعیؒ کے نزدیک پہنچ گئے اور سلام کیا۔امام صاحب بھی کھڑے ہو گئے اور والہانہ انداز میں آئمہ کرام کا استقبال کیا۔ ''بیٹھ جاؤ لڑکے''۔امام ابو یوسفؒ نے فرزند قریش کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ جب دونوں بزرگ مسجد کے فرش پر بیٹھ گئے تو امام شافعیؒ نے بھی ان کی تقلید کی۔پھر ان میں باتیں شروع ہوئیں اور امام شافعیؒ سے جب انہوں نے پوچھا کہ: ''امام مالکؒ کے پاس رہے ہو تو موطا بھی پڑھی ہوگی''۔آپؒ نے کہا کہ: ''موطا کو حفظ کر چکا ہوں'' تو ان بزرگوں کو یقین نہ آیا۔امام شافعیؒ نے کہا کہ: ''کیسے یقین دلاؤں؟'' تو انہوں نے کہا کہ: ''تم مسائل کا حل موطا کی روشنی میں دو''۔اور پھر انہوں نے مسائل دریافت کرنے شروع کئے۔جب یہ دونوں حضرت امام شافعیؒ کے جوابات کا مطالعہ کر چکے تو اپنے غلام سے فرمایا جو مسجد کے اندر ہی موجود تھا کہ: ''اپنے آقا کو گھر لے جاؤ''۔اس کے بعد امام شافعیؒ سے کہا: ''میرے گھر جاؤ اور بے تکلفی کے ساتھ وہاں قیام کرو''۔غلام نے ایک آراستہ خچر پر مجھے سوار کیا جبکہ میں اپنے لباس سے ہی بدحال لگ رہا تھا۔

میں امام محمدؒ کے مکان میں آ گیا اور کچھ ہی دیر کے بعد امام محمدؒ بھی گھر تشریف لے آئے۔امام محمدؒ نے آ کر مجھے بیٹھنے کو کہا اور خود بھی بیٹھ گئے اور فرمانے لگے۔یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔میری آسودگی کو دیکھ کر دوست خوش ہوتے ہیں اور دشمن جل جاتے ہیں۔میں نے کہا معاذ اللہ نہ میں آپؒ کے دشمنوں میں شامل ہوں اور نہ حسد کرنے والوں میں۔میں عراق والوں کی آسودہ حالی سے نہیں جلتا۔اہل حجاز کی غربت پر آنسو بہا رہا ہوں اور یہ عدم توازن کیوں ہے؟ دیارِ حرم کے رہنے والے تشنہ لب کیوں؟ اور یہاں نعمتوں کے دریا کیوں جاری ہیں۔امام محمدؒ میری بے قراریوں کا مفہوم سمجھ گئے لیکن ان باتوں کا ان کے پاس جواب نہ تھا۔کھانے سے فارغ ہونے کے بعد امام محمدؒ نے امام شافعیؒ کو امام ابو حنیفہؒ کی مشہور تالیف الکتاب الاوسط دی اور اس طرح آپ شب و روز امام محمدؒ کے ساتھ گزارنے لگے لیکن کچھ عرصے کے بعد آپؒ نے امام محمدؒ سے جانے کی اجازت چاہی اور کوفہ سے رخصت ہوئے۔غالباً اس کے بعد آپؒ بصرہ گئے اور پھر بغداد۔خلیفہ ہارون رشید نے آپؒ کو قاضی کا عہدہ دینا چاہا مگر آپؒ نے جواب دیا ''خدا کی قسم شریک سلطنت ہو کر صبح سے شام تک بھی مجھے قاضی بننا گوارہ نہیں''۔

یہ واقعہ امام شافعیؒ کو 21 سال کی عمر میں پیش آیا تھا۔اس کے بعد امام شافعیؒ پھر اپنے استاد امام مالکؒ کے پاس مدینے گئے۔امام صاحبؒ نے انتہائی غربت میں آنکھ کھولی تھی لیکن واپسی پر اس چھوٹی سی عمر میں امام صاحبؒ کو لاکھوں دینار و درہم بطور نذرانہ پیش کئے گئے۔امام صاحبؒ دولت کے اس ڈھیر کو زیادہ دیر اپنے پاس برداشت نہیں کیا کرتے تھے جو کچھ پاتے راہ خدا میں لٹا دیتے۔یہی ایک قلندر کی نشانی ہے۔

حیران کے ایک امیر نے آپؒ کی بہت خاطر مدارت کی اور بتایا کہ ''آپؒ نے بغداد میں جو کتاب سہو کے مسائل پر سنائی تھی میں بھی خوش قسمتی سے اس کے سننے والوں میں تھا۔اگرچہ میں نے باقاعدہ آپؒ کی شاگردی اختیار نہیں کی لیکن میں آپؒ کو اپنا استاد ہی سمجھتا ہوں۔امیر کا اشارہ امام کی تصنیف ''الزعفران'' کی طرف تھا۔یہاں سے جانے پر امیر حیران بہت اداس تھا۔بحرحال اس نے بے شمار رقم آپؒ کو دی۔جو آپؒ نے ساری راستے میں تقسیم کر دی۔یہاں سے روانہ ہو کر آپؒ رملہ پہنچ گئے۔امیر حیران کی دی ہوئی رقم میں سے اب صرف دس درہم موجود تھے۔امام نے یہاں سے مدینے کا سفر کیا۔ستائیسویں دن امام مدینہ پہنچے تو نماز عصر ہو چکی تھی۔آپؒ نے جلدی جلدی وضو کیا۔روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ پر حاضری دی اور فرمایا ''اسلام علیکم یا سید المرسلین''۔بدن پر لرزہ طاری تھا۔بے اختیار آنسو نکل پڑے۔بس آنسوؤں کی قطاریں تھیں اور ہونٹ جنبش کر رہے تھے۔یہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔

پھر امام آہستہ آہستہ ادب سے چلتے ہوئے مسجد کے ایک گوشے میں گئے جہاں لوہے کی ایک کرسی دیکھی اور ایک خوشبو کا جھونکا آیا جس سے آپؒ کی روح تک آشنا تھی۔ حضرت امام مالکؒ درس کے لیے تشریف لا رہے تھے۔ قیمتی لباس، پانچ سو عقیدت مندوں کا ہجوم، آراستہ لوہے کی کرسی، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ امام مالکؒ کرسی پر تشریف فرما ہوئے تو تمام طلباء بھی زمین پر بیٹھ گئے۔ امام مالکؒ نے مجلس میں سوال کرنے شروع کیے۔ تمام جوابات امام شافعیؒ ہی نے ٹھیک دیئے لیکن امام مالکؒ انہیں پہچانے نہیں۔ درس کے بعد امام مالکؒ نے اجنبی نوجوان کو اپنے قریب آنے کو کہا اور پھر کہا فرزند یہ تم ہو" جی محمد بن ادریس مالک بن انس کا غلام"۔ یہ کہتے ہوئے آپؒ کا سر جھک گیا۔ نماز کے بعد امام مالکؒ حضرت شافعیؒ کو گھر لے آئے۔ گھر کی شان ہی الگ تھی۔ امام شافعیؒ پریشان سے ہوئے۔ امام مالکؒ نے ان کی پریشانی بھانپ لی اور کہا" فرزند کیا تم یہ تو نہیں سوچ رہے کہ میں نے دنیا کے بدلے آخرت بیچ دی ہے"۔ امام شافعیؒ نے کہا میں اس لیے پریشان ہوں کہ مجھے لوگ بغداد میں کہا کرتے تھے تمہارے استاد گرامی اب امیر ہو چکے ہیں اس دولت کا مظاہرہ اب میں ہر طرف دیکھ رہا ہوں۔ امام مالکؒ نے کہا فرزند جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ سب ہدیہ ہے۔ خراساں سے مصر سے دنیا کے دور دور کے علاقوں سے لوگ ہدیہ بھیج دیتے ہیں۔ یاد رکھو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہدیہ قبول فرمالیا کرتے تھے، صدقہ رد کر دیا کرتے تھے۔ میری فاقہ کشی بھی اس کے لیے ہے اور آسودہ حالی بھی اس کے لیے ہے۔ اب یہ تمام ملبوسات اور ذر تمہیں ہدیہ کرتا ہوں۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد امام شافعیؒ نے دروازے پر خراسانی گھوڑے کھڑے دیکھے انہیں دیکھتے ہی امام شافعیؒ نے فرمایا" ایسے خوبصورت جانور تو میں نے آج تک نہیں دیکھے"۔ یہ سب جانور بھی تمہاری نذر۔ محمد میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب تمہارا ہے۔ کم از کم ایک گھوڑا تو اپنے لیے رہنے دیجئے۔ فرزند مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی سواری سے اس زمین کو پامال کروں جس کے نیچے میرے آقا محوِ خواب ہیں"۔ اب وہ رونے لگے اور ساتھ ساتھ امام شافعیؒ بھی روتے رہے۔ امام شافعیؒ سوچ رہے تھے کہ آسائشوں کے ہجوم میں بھی وہی تقویٰ، وہی درد، وہی گداز، وہی محبت، آپؒ کے ذہن کے تمام خدشات ڈھل گئے۔

امام شافعیؒ تین دن تک امام مالکؒ کے مہمان رہے۔ جاتے ہوئے امام مالکؒ نے تمام متاع امام شافعیؒ کے حوالے کر دیا اور کہا کوئی بات نہیں لوگ اور ہدیئے بھیج دیں گے۔ امام شافعیؒ نے مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے راستے ہی میں تمام مال لوگوں کو تقسیم کر دیا۔ مکہ میں داخل ہوتے ہی اپنی مادرِ محترمہ کے سینے سے لپٹ گئے۔ ان کی فیاضی کی خبریں امام مالکؒ کو ملتی رہیں اور آپؒ اس کی تعریف فرماتے رہے اور برابر گیارہ ہزار دینار پابندی سے ہر سال بھیجتے رہے اور یہ سلسلہ گیارہ سال رہا۔ اور پھر کسی نے ایک دن پکار کر کہا" محمد تمہارے استاد امام مالکؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں"۔ یہ اطلاع کیا تھی ایک چیخ تھی جس نے پورے صحرائے حجاز کو ہلا دیا تھا۔ اس کے بعد آپؒ والیٔ یمن کی درخواست پر یمن چلے گئے۔ والدہ ہی نے وہاں جانے پر مجبور کیا تھا۔ والیٔ یمن نے امام شافعیؒ کو نجران کا عامل مقرر کر دیا، ایک مختصر سی مدت میں امام نے اس دور کی تمام روایتوں کو بدل ڈالا۔ اس منصب کے قبول کرنے پر مختلف علما اور فقہی لوگوں نے آپؒ کو خبردار کیا۔ امام شافعیؒ مسلسل نصیحتوں کے باوجود کسی قسم کی بے دلی کا شکار نہ ہوئے بلکہ اپنے اصلاحی اور علمی کاموں کی رفتار پہلے سے بھی تیز کر دی۔ اب لوگ والیٔ یمن کے بجائے امام شافعیؒ کے معتقد ہو گئے تو والیٔ یمن آپؒ کے خلاف ہو گیا۔ مصائب اور خوشامدی دست بستہ ختم ہو کر اضطراب کا سبب پوچھتے تو والیٔ یمن جواب میں کہتا" اس قریش زادے نے میری نیندیں حرام کر دی ہیں وہ سمجھتا ہے کہ میں آداب حکمرانی سے واقف نہیں اس کے فیصلے میرے طرز حکومت کی نفی کرتے ہیں"۔ اسی اثناء میں آپؒ کی والدہ محترمہ علالت کی خبر آپؒ کو ملی اور آپؒ یمن کو خیر آباد کر کے مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے تو والیٔ یمن نے ہارون رشید کو امام شافعیؒ کے خلاف ایک خط بھیجا اور پھر امام شافعیؒ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ہارون رشید کے سامنے 10 افراد پیش کئے گئے تھے۔ 9 پر علوی تحریک کی سربراہی کا الزام تھا۔ دسویں امام شافعیؒ تھے ان کو والیٔ یمن نے ایک مسلح فوج سے زیادہ طاقت ور اور خوفناک قرار دیا تھا لیکن عین اس وقت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ داخل ہوئے اور انہوں نے گواہی دی کہ امام شافعیؒ بے قصور ہیں اور پھر بعد میں آنے والے وقت میں امام محمدؒ نے ہارون رشید کو ثابت کر دیا کہ آپؒ بے قصور تھے۔

پھر ایک اور واقعہ پیش آیا، خلیفہ ہارون رشید اور اس کی بیوی میں کسی بات پر تکرار ہو گئی تو زبیدہ نے کہا" تم جہنمی ہو" ہارون رشید نے کہا کہ اگر میں جہنمی ہوں تو تجھے طلاق ہے۔ کچھ دنوں کے بعد خلیفہ کو شرمندگی ہوئی۔ تمام علماء کو بلا کر مسئلہ دریافت کیا کہ کیا طلاق ہو گئی۔ تمام علماء نے کہا کہ طلاق ہو گئی ہے لیکن امام شافعیؒ نے خلیفہ ہارون رشید سے پوچھا امیر المومنین کیا کبھی ایسا واقعہ ہوا کہ آپ گناہ کرنے پر پوری قدرت رکھنے کے باوجود صرف خوف خداوندی سے گناہ سے رک گئے ہوں۔ ہارون رشید نے کہا قسم کھا کر کہ ہاں ایسا کئی مرتبہ ہوا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ پھر آپ جنتی ہیں۔ جب باقی علماء نے اس کی حجت طلب کی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ" قصد گناہ کے بعد جو شخص خوف خدا کی وجہ سے اس گناہ سے رک گیا اس کا ٹھکانہ جنت ہے"۔ یہ سن کو تمام علماء قائل ہو گئے۔

ادب واحترام:- آپؒ سادات کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ جب سیدوں کے کم سن بچے آتے تو آپؒ ادب کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے۔ کسی رئیس نے کچھ رقم اہل تقویٰ پر تقسیم کرنے کے لیے مکہ بھیجی۔ اس میں سے کچھ رقم تقسیم کرنے والے نے آپؒ کو پیش کی۔ آپؒ نے پوچھا یہ کس نے بھیجی ہے۔ لوگوں نے

کہا یہ یہ اہل تقویٰ پر خرچ کرنے کے لیے آئی ہے۔آپؒ نے فرمایا میں تو اہل تقویٰ نہیں ہوں۔اس لیے یہ رقم مجھ پر حرام ہے۔حاکم روم نے کچھ رقم راہبوں کے حوالے کی اور خلیفہ ہارون رشید سے کہا کہ اگر آپ کے علماء مناظرے میں ہمارے راہبوں سے جیت جائیں تو یہ رقم ان کو دے دی جائے۔چنانچہ خلیفہ نے تمام علماء کو جمع کر کے امام شافعیؒ سے مناظرے کے لیے کہا۔آپؒ نے پانی پر اپنا مصلہ بچھا کر اس پر کھڑے ہو کر کہا یہاں پر آکر مجھ سے مناظرہ کریں۔یہ دیکھ کر تمام راہب رقم چھوڑ کر چلے گئے۔حاکم روم نے کہا ''یہ بہت اچھا ہوا اس لیے کہ اگر یہ شخص روم میں آجاتا تو پورا روم مسلمان ہو جاتا''۔

امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے ایک شخص مصر میں رہتا تھا۔جسے لوگ جوان کہہ کر پکارتے تھے۔یہ اکثر امام شافعیؒ سے مناظرہ کرتا اور بدتمیزی کا مظاہرہ کرتا۔ایک مرتبہ اس نے مناظرے میں آپؒ کو گالیاں دیں۔لوگوں نے اسکی شکایت والئی مصر سے کی۔والی مصر کے سامنے امام شافعیؒ نے اسے معاف بھی کر دیا لیکن والی مصر نے کہا کہ ''اگر میں اسے معاف کروں گا تو کم ظرفوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور پھر کسی اہل علم کی عزت محفوظ نہیں رہے گی''۔

اس کو کوڑے لگائے گئے اور اونٹ پر پورے شہر میں گھمایا گیا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جوان کے حامیوں نے منصوبہ بندی کی اور ایک دن جبکہ امام شافعیؒ درس کی مجلس ختم کر کے جا رہے تھے تو پورے گروہ نے آپؒ پر حملہ کر کے آپؒ کو شدید زخمی کر دیا۔خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری حد سے بڑھ گئی۔لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ آپؒ کے بعد ہم لاوارث ہو جائیں گے۔امام شافعیؒ نے جواب دیا جن کے وارث اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ ہوں وہ لاوارث نہیں ہوتے۔اس کے کچھ دیر کے بعد امام صاحب نے فرمایا کہ فلاں شخص سے کہہ دینا کہ مجھے غسل دے دے۔اس کے ساتھ ہی آپؒ نے کانپتے ہاتھوں سے ایک کاغذ پر کچھ تحریر کیا۔پھر اسے لفافے میں بند کر کے ابو یعقوب کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔جب وہ شخص آئے تو اسے میری یہ وصیت پہنچا دینا۔شاگردوں اور عقیدت مندوں نے وہ دن اس طرح گزارا کہ بار بار ان پر موت کا سا سکوت طاری ہو جاتا۔پھر سورج غروب ہو گیا۔خون بہت ضائع ہو چکا تھا۔ابھی امام شافعیؒ ہوش میں تھے۔آپؒ نے اشاروں سے مغرب کی نماز ادا کی پھر فرزند قریش کی حالت بگڑنے لگی۔آپؒ نے فرمایا دنیا سے رخصت اور احباب سے جدائی کا وقت قریب آگیا ہے موت کا پیالہ پیش ہوا چاہتا ہے۔محمد بن ادریس کے اعمال کا نتیجہ نکلنے والا ہے۔کون جانے کہ میری روح جنت کی طرف روانہ ہو گی یا دوزخ کی طرف۔اتنا کہہ کر آپؒ پر گریہ طاری ہو گیا۔آپؒ حالت وجد میں بار بار یہ شعر پڑھ رہے تھے ''یقیناً میرے گناہ بہت زیادہ ہیں لیکن تیری رحمت میرے گناہوں سے بہت زیادہ ہے''۔پھر امام خدا کی اس رحمت میں ہمیشہ کے لیے گم ہو گئے، وہ ماہ رجب 254ھ کی آخری رات تھی۔اس وقت آپؒ کی عمر چون برس تھی۔انتقال کے بعد اس شخص کو تلاش کیا گیا جس کو امام نے غسل دینے کی وصیت کی تھی مگر وہ شخص مصر سے باہر کسی نامعلوم مقام پر گیا ہوا تھا۔آخر مجبور ہو کر امام صاحب کی وصیت کے خلاف کسی اور شخص نے آپؒ کو غسل دیا۔

پھر ناصر الحدیث کو قبر میں اتار دیا گیا۔کیسی عجیب موت تھی کہ حدیث ہی کی نصرت کے لیے آپؒ نے خونین قبا پہن لی پھر ایک دن اچانک وہ شخص مصر میں داخل ہوا۔لوگوں نے اسے گھیر لیا اور امام صاحب کی وصیت اس کے گوش گزار کر دی۔وہ شخص مضطرب ہو کر رونے لگا۔افسوس یہ کیسی بدنصیبی ہے کہ میں اس سعادت سے محروم رہا۔پھر وہ چاک گریباں امام کے حلقہ درس میں پہنچا۔ہر شخص پر ایک بار پھر رقت طاری ہو گئی۔ابو یعقوب نے ایک سربمہر لفافہ اس شخص کے حوالے کر دیا۔یہ امام شافعیؒ کا وصیت نامہ تھا۔اجنبی نے لفافہ چاک کیا اور جلدی جلدی تحریر کو پڑھا۔پھر بلند آواز سے کہا ''خدا کی قسم مجھے یقین تھا کہ امام اپنے خادم کو اس سعادت سے محروم نہیں کریں گے''۔یہ کہہ کر اجنبی نے امام کا وصیت نامہ ابو یعقوب کو واپس کر دیا۔تمام حاضرین مجلس اپنے امام کی آخری تحریر دیکھنے کے لیے ابو یعقوب کے گرد جمع ہو گئے۔امام نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا ''میں ستر ہزار دینار کا مقروض ہوں۔۔۔۔تم مجھے غسل دے دو''۔

غسل سے امام کی مراد ہی قرض کی ادائیگی تھی وہ مصر کا ایک امیر کبیر شخص تھا اور خود کو امام شافعیؒ کا خادم کہا کرتا تھا۔وصیت نامہ پڑھ کر اجنبی اس محفل سے اٹھا پھر قرض ادا کر کے امام شافعیؒ کی قبر پر پہنچا۔دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ شخص رو رو کہہ رہا تھا۔

''اے امام علم و فضل تو آپؒ پر ختم ہو ہی چکا لیکن سخاوت میں بھی یہ دنیا آپؒ کے بعد کوئی دوسرا تلاش نہ کر سکے گی''

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

****

حضرت امام احمد بن حنبلؒ

164ھ تا 241ھ بمطابق 780ء

امام ابوعبداللہ احمد بن حنبلؒ ماہ ربیع الاول 164ھ بغداد میں پیدا ہوئے۔آپؒ کے والد کا نام محمد بن حنبل تھا اور دادا کا نام حنبل بن بلال تھا۔اکثر لوگ آپؒ کو حنبل کا بیٹا سمجھتے ہیں۔لیکن حنبل آپؒ کے دادا کا نام تھا۔نسبی اعتبار سے آپؒ خالص عرب تھے۔آپؒ کے والد اور والدہ دونوں شیبانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔شیبان بھی عدنانی قبیلے کا دوسرا نام ہے جو معدن بن عدن کے واسطے سے رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ تک پہنچ جاتا ہے۔

آپؒ ابھی عہد طفلی میں تھے کہ آپؒ کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔مادر مہربان بہت ہی شفقت سے پیش آتیں تھیں۔بغداد میں چھوٹا سا ایک مکان اور اتنی زمین تھی جس سے قناعت کے ساتھ گزارہ ممکن تھا۔اسی ماحول نے آپؒ کو صابر وشاکر بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

تعلیم وتربیت:- بغداد میں آپؒ نے سب سے پہلے اسلامی معاشرے کے رسم ورواج کے مطابق قرآن پاک حفظ کیا۔ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو کر حضرت امام علم حدیث کی طرف راغب ہو گئے۔اسی ذیل میں آپؒ نے سب سے پہلے قاضی ابو یوسفؒ کی درس گاہ کا رخ کیا۔قاضی ابو یوسفؒ، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چلا اور آپ فقہیوں کے حلقے سے نکل کر محدثین کی مجالس میں آ گئے۔حضرت امام علم فقہ کے منکر نہیں تھے لیکن طبیعت حدیث مبارکہ ہی سے تمام مسائل کا حال تلاش کرنے کا تقاضہ کر رہی تھی۔اس طرح آپؒ قاضی ابو یوسفؒ کی مجلس سے نکل کر امام حدیث ہشیم بن بشیرؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔آپؒ نے حدیث کی طلب میں پانچ بار حجاز مقدس کا سفر کیا اور اتنے ہی حج بھی کئے۔

تحصیل علم:- امام صاحبؒ نے 16 سال کی عمر سے حدیث لکھنا شروع کی۔اس سلسلے میں اسماعیل بن علیہ اور سفیان بن عیینہؒ کی مجالس سے فیض پایا۔علم حدیث کی تکمیل کے بعد امام احمدؒ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔اس سلسلے میں آپؒ نے امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کی۔شاید دوبارہ فقہ کی طرف آنے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول ان کی نگاہ سے گزرا ہو''جو حدیث سیکھتا ہے اور فقہ نہیں جانتا اس کی مثال اس دواساز کی سی ہے جو دوائیاں تو جمع کرتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ کونسی دوا کسی مرض کے کام آئے گی؟ یہاں تک کہ طبیب آتا ہے اور وہ دوائیوں کے استعمال کا طریقہ بتاتا ہے۔اسی طرح طلب حدیث ہے جو حدیثیں یاد کر لیتا ہے مگر اس کی ماہیت سے ناواقف ہوتا ہے یہاں تک کہ فقہی آتا ہے اور حقیقت کو ظاہر کرتا ہے''------ایک موقعہ پر حضرت امام احمدؒ نے اپنے استاد امام شافعیؒ کے لیے اس طرح اظہار خیال کیا تھا۔''نبی پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لیے اللہ تعالیٰ ہر صدی کے شروع میں ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو دین کے بگڑے ہوئے امور کو سلجھا دے گا۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے اس قول کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس صدی کے مجدد تھے اور میرا خیال ہے کہ امام شافعیؒ اس صدی کے مجدد ہیں''۔

یوں تو ہر مسلمان پیغمبر اسلام کا نام لیوا ہے مگر کچھ لوگ جانثاروں کی صف میں نمایاں نظر آتے ہیں۔حضرت امام احمدؒ کا اسم گرامی بھی ان ہی سرفروشان رسول خاتم النبیین ﷺ میں شامل ہے۔جو آپ خاتم النبیین ﷺ کی ہر سنت کو زندہ کرنے کے لیے اپنے نفس کے ساتھ ساتھ شاہان وقت سے بھی جنگ کرتے رہے۔حضرت امام احمدؒ کی قوت حافظہ بے مثال تھی۔مگر پھر بھی حدیث کا ایک ایک حرف تحریر فرماتے۔اور بعد میں کاتب کے املا کو خود بغور ملاحظہ فرماتے۔ان کے بیٹے فرمایا کرتے تھے کہ''میں نے اپنے والد محترم کو کبھی بھی کتاب کے بغیر صرف یادداشت کے بنیاد پر حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا''۔

عاجزوانکساری:- حضرت امامؒ کی زندگی میں عشق رسول خاتم النبیین ﷺ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپؒ چالیس سال کی عمر سے پہلے مسند حدیث پر جلوہ افروز نہیں ہوئے۔امام صاحبؒ کے حلقہ درس میں تقریباً 5 ہزار افراد شریک ہوتے تھے اور اسی مجلس میں ہر فقیر لائق احترام اور ہر مفلس عزت دار تھا۔حضرت امام احمدؒ کے ایک ساتھی بیان کرتے ہیں کہ''میں نے آج تک ایسی کوئی مجلس نہیں دیکھی جہاں مفلوک الحال لوگوں کو اس قدر عزت دی جائے''۔حضرت امام احمدؒ کے حلقہ درس کا نمایاں پہلو غیرت نفس اور وقار ذات تھا۔آپؒ کا طرز تعلیم نہایت سادہ تھا۔جس انسان نے شدید گرمی میں اپنا پسینہ بہا کر چند درہم مزدوری کی ہو اور پھر اپنے شکم کو خالی رکھ کر وہ رقم علم کے راستے میں خرچ کر دی ہو۔اس کے تقویٰ کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

حضرت امامؒ کے دوسرے صاحبزادے حضرت صالحؒ اصفہان کے قاضی تھے۔ایک بار آپؒ کے خادم نے حضرت صالحؒ کے آٹے سے خمیر لے کر آپؒ کی روٹی تیار کی۔جب امام احمدؒ وہ روٹی کھانے لگے تو خادم سے پوچھا آج یہ روٹی اس قدر گداز کیوں ہے؟ میں نے ساری زندگی اس قدر نرم غذا استعمال نہیں کی۔خادم نے ڈرتے

ڈرتے کہا ''حضور میں نے اس خیال سے کہ آپؒ کو اپنے صاحبزادے کی چیز کے استعمال پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ تھوڑا سا خمیر لے کر آپؒ کے آٹے میں ملا دیا تھا۔ خشک اور سخت روٹیاں کھاتے کھاتے آپؒ کو زمانہ گزر گیا ہے۔ اب مجھ سے آپؒ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی''۔ حضرت امام احمدؒ نے انتہائی تحمل سے فرمایا ''اللہ تم کو جزائے خیر دے کہ تم مجھ جیسے فقیر کا اتنا خیال رکھتے ہو۔ تمہارا جذبہ محبت اپنی جگہ مگر یہ روٹیاں میرے استعمال کے قابل نہیں۔ جو شخص اصفہان کا قاضی رہ چکا ہو۔ اس کے یہاں کا خمیر میرے حلق سے نیچے نہیں اتر سکتا اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر جسم کے اندر بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔ یہ روٹیاں اٹھا کر رکھ دو اور کوئی بھوکا ادھر آئے تو اسے پیش کر دینا لیکن اسے بتا دینا کہ روٹیوں میں خمیر صالح کا ہے اور آٹا احمد بن حنبل کا ہے۔ یہ تقویٰ کی آخری منزل ہے جس پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ جیسے عاشق رسول خاتم النبیین ﷺ اور جان نثار شریعت ہی گامزن ہو سکتے۔

توکل:- حضرت امام احمدؒ نے علم حدیث کی تکمیل کے سلسلے میں جو تکالیف برداشت کیں وہ قیامت تک کے لیے اہل طلب کا سرمایہ ہیں۔ آپؒ امام سفیان بن عینیہؒ کو امام مالکؒ کا بدل سمجھتے تھے۔ مگر ان کا مکہ معظّمہ میں سکونت پذیر ہونے کے باعث ان سے ملنا دشوار تھا۔ اقتصادی بدحالی کی وجہ سے آپؒ نے پیدل حج پر جانے کا ارادہ فرمایا اور راستے میں آپؒ پر جو گزری اس کے تصور سے بھی عام انسان لرز جاتا ہے۔ لیکن امام صاحبؒ مطمئن تھے کہ یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں تھا۔ قیام مکہ کے دوران آپؒ زیادہ وقت امام سفیانؒ کی صحبت میں گزارتے تھے۔ ایک دن امام احمدؒ تشریف نہیں لائے تو امام سفیانؒ نے اپنے خادم کو خیریت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ جب خادم امام صاحبؒ کے گھر پہنچا تو عجیب منظر دیکھا کہ امام صاحبؒ کے جسم پر چھوٹا سا کپڑا ہے جس سے ستر ڈھانپ رکھا ہے۔ خادم نے حضرت سفیانؒ کا پیغام گوش گزار کیا۔ جواباً امام صاحبؒ نے فرمایا بھائی میرے پاس کپڑوں کا ایک ہی جوڑا تھا۔ جسے میں نے زیادہ میلا ہونے کے باعث آج ہی دھوبی کو دے دیا ہے وہ دھوبی دو دن میں آنے کا وعدہ کر گیا ہے۔ میں نیا کپڑا نہیں خرید سکتا۔ اب تم آ گئے ہو تو اللہ نے میری مشکل آسان کر دی۔ خادم نے بڑے ادب سے کہا ''حضرت مجھ سے کچھ رقم لے کر اپنے لباس کا انتظام کر لیجئے۔ امام احمدؒ نے خادم کا شکریہ ادا کیا۔ اور پھر اسے ایک کتاب دیتے ہوئے فرمایا ''یہ میرے ہاتھ کی تحریر کردہ کتاب ہے اسے بازار میں جا کر فروخت کر دو اور جو رقم ملے اس سے دس گز ٹاٹ خرید لانا۔'' خادم نے کتاب ہاتھ سے لے لی اور فرمایا ''اگر اجازت ہو تو (کتان) نسبتاً بہتر کپڑا خرید لوں''۔ حضرت نے کہا نہیں ٹاٹ کافی ہے۔ خادم نے یہ تمام باتیں حضرت سفیانؒ کو جا کر سنا دیں۔ حضرت سفیانؒ نے کہا کہ بہت غیور ہے کسی سے کچھ نہ لے گا۔ تب لوگ پریشان ہوئے اور آپؒ کے مکہ معظّمہ کے دوستوں نے آ کر کہا کہ ہمیں کچھ خدمت کا موقع دیں لیکن حضرت نے انکار کر دیا اور خادم سے کہا ''میں تمہیں معاف کرتا ہوں کہ تم نے بری نیت سے میرا راز فاش نہیں کیا''۔ اب جاؤ اور میرے لیے ٹاٹ خرید کر لے آؤ۔ اگر میں باہر جانے کے قابل ہوتا تو تمہیں ہرگز تکلیف نہ دیتا۔ خادم نے معافی چاہی اور باہر چلا گیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ بھی رخصت ہوئے۔ دوسرے دن آپؒ وہی ٹاٹ کا لباس پہن کر امام سفیان بن عینیہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس نے اس طالب علم کو دیکھا لرز گیا۔ جس کی نظر پڑی اداس ہو گیا۔ یہاں تک کہ امام سفیانؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت حسن بن عبدالعزیز نے بھی کچھ رقم دینے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت حسن بن عبدالعزیز کی محبت سے بہت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا ''دو خشک روٹیاں جس کے شکم کی آگ بجھا دیتی ہوں اسے سونے کے نوالوں کی کیا ضرورت ہے۔ ایک انسان جب ٹاٹ سے اپنا جسم ڈھانپ سکتا ہے تو پھر حریر یا دیبا کی تلاش عبث ہے''۔

مشہور امام حضرت اسحٰق بن راہویہؒ کا قول مبارک ہے کہ ''حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس زمین پر اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت کے طور پر موجود ہیں''۔ آپؒ کے استاد امام شافعیؒ کا ارشاد گرامی ہے ''میں بغداد سے نکلا تو میں نے اس شہر میں امام احمد بن حنبلؒ سے زیادہ فقیہہ اور متقی نہیں چھوڑا''۔ حضرت داؤد سجتانیؒ کا بیان ہے کہ ''امام احمد بن حنبلؒ کی مجلس آخرت کی مجلس تھی۔ آپ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے دور تھے''۔

علم دوستی:- حضرت امام احمد بن حنبلؒ کسی پر بھی تنقید کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار امام احمدؒ سے لوگوں نے سوال کیا، جاہل قسم کے جو صوفیہ مسجدوں میں متوکل بن کر بیٹھ جاتے ہیں ان کے بارے میں آپؒ کا کیا خیال ہے؟۔ جواباً امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ''ایسے لوگوں کو غنیمت جانو کیونکہ علم ہی کی وجہ سے انہوں نے توکل اختیار کیا ہے''۔ ایک شخص نے کہا ''یہ تو محض روٹیاں حاصل کرنے کا ایک بہانہ ہے''۔ آپؒ نے جواب دیا ''دنیا میں کوئی جماعت بھی روٹیوں سے بے نیاز نہیں ہے''۔ امام صاحبؒ نے آخری وقت تک اہل علم کا دفاع کیا۔ یہ انسانی حوصلہ مندی، روشن خیالی اور پاک دامنی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا علمی کارنامہ یہ ہے کہ تحریر و تقریر کے ایک ایک حرف میں آپؒ کا اپنا لہو شامل ہے۔ دنیا کا ایک سخت جان مزدور اپنی روزی کمانے کے لیے جس قدر محبت کر سکتا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تحصیل علم کے راستے میں اس سے زیادہ مشقت اٹھائی۔ آپؒ نے اپنے علم کو خلیفہ وقت کی نوازشات اور

امیروں کے عطیات سے محفوظ رکھا اور پھر جب علم کی آزمائشوں کا وقت آیا تو آپؒ نے ایسی استقامت کا مظاہرہ کیا کہ اہل ایمان کے سینوں میں شگاف پڑ گئے اور مادہ پرستوں کی عقلیں ٹھوکریں کھانے لگیں۔

آزمائشیں:۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی آزمائش کا دور اس وقت شروع ہوا جب خلافت عباسیہ میں معتزلہ کی جماعت نے اللہ کی آخری کتاب کو الاعلان مخلوق کہنا شروع کر دیا۔ اسلامی تاریخ کا یہ اذیت ناک واقعہ ''فتنہ خلق قرآن'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک سیاسی تحریک تھی جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مذہبی معملات میں نئی نئی موشگافیوں سے ملت اسلامیہ کو منتشر کر دیا جائے۔ بنوامیہ کے عہد میں جعد بن درہم پہلا شخص تھا جس نے کہا ''قرآن مخلوق ہے''۔ اسے خالد بن عبداللہ نے نماز کے بعد خطبہ دیا اور آخر میں کہا لوگو اپنی اپنی قربانی کے جانور ذبح کرو میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں آج جعد بن درہم کو ذبح کروں گا۔ یہ کہتا ہے قرآن مخلوق ہے یہ کہتا ہے حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے باتیں نہیں کہیں۔ یہ کہتا ہے اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا دوست نہیں بنایا۔ یہ جو کچھ کہتا ہے اللہ اس سے بے نیاز ہے اتنا کہہ کر خالد بن عبداللہ منبر سے اترا اور جعد بن درہم کو قتل کر دیا۔ جہم بن صفیان بھی اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا۔ وہ اللہ کی صفت کلام کا منکر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اللہ بات چیت نہیں کر سکتا اس لیے قرآن مخلوق ہے۔ پھر معتزلہ کا دور شروع ہوا ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے جیسے اور چیزیں پیدا کیں ہیں۔ ایسے ہی قرآن مخلوق ہے۔ خلافت عباسیہ میں معتزلہ نے زیادہ زور پکڑ لیا اور نئے نئے نکتے پیدا کیے۔

خلیفہ ہارون رشید کا دور تھا۔ مصری علما میں بشر بن غیاث کا یہی عقیدہ تھا، بشر کے استاد قاضی ابو یوسفؒ (جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے)۔ نے اسے اس مسلک سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن بشر بن غیاث نہ مانا، خلیفہ ہارون رشید کی دیگر کوتاہیاں اپنی جگہ مگر اس سلسلے میں اس نے معتزلہ کی ذرا سی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ یہاں تک کہ بشر بن غیاث کی باتیں سن کر اس نے کہا ''اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا تو میں اپنے ہاتھوں سے اسے قتل کروں گا'' چنانچہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں بشر بن غیاث منہ چھپاتا پھرتا رہا۔ ہارون رشید کے بعد جب اس کے بیٹے مامون رشید کا دور شروع ہوا تو صورت حال یکسر بدل گئی اور معتزلہ اس پر چھا گئے۔ معتزلہ عقلی طور پر بحث کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ مامون اپنے سطحی علم کی وجہ سے مناظروں کے دوران منطقی دلائل سے اس قدر متاثر ہوا کہ آخری سانس تک معتزلہ کے طلسم سے آزاد نہ ہو سکا۔ آہستہ آہستہ اس جماعت کے کچھ افراد منصب وزارت تک پہنچ گئے۔ جب معتزلہ کو اپنی طاقت کا صحیح اندازہ ہو گیا تو انہوں نے مامون کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ خلق قرآن کے عقیدے کا عام اعلان کرے اور مامون نے ایسا ہی کیا۔ مامون نے اسحاق بن ابراہیم کو حکم دیا کہ نہ ماننے والوں کو حاضر کرو۔ جن لوگوں نے اس عقیدے کو نہ مانا ان کو زنجیریں پہنا دی گئیں اور ان کو مامون کے دربار میں حاضری دینے کے لیے پا پیادہ روانہ کر دیا گیا۔ یہ چار افراد تھے ان میں امام احمد بن حنبلؒ ابن نوحؒ، القواریریؒ اور سجادہؒ شامل تھے۔ سپاہی انہیں کھینچ رہے تھے اور یہ اپنے رب کی حمد و ثنا میں مشغول تھے۔ رات ہوئی تو باری باری اسحاق بن ابراہیم نے سجادہ اور القواریری کو بلایا اور ان کے انکار پر ان کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ دونوں حضرات کوڑوں اور تشدد کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اسحاق کی بات مان لی۔ ان کی بیڑیاں کھول دی گئیں۔ اسحاق بن ابراہیم مطمئن تھا کہ دونوں نے ان کے عقیدے کو مان لیا لیکن امام احمد بن حنبلؒ اور ابن نوحؒ نے کوڑوں اور تشدد کے باوجود کہا قرآن مخلوق نہیں ہے۔

صبح ہوئی تو امام احمد بن حنبلؒ اور ابن نوحؒ کو طرطوس کی طرف روانہ کر دیا گیا جہاں خلیفہ مامون رشید سکونت پذیر تھا۔ راستے بھر ظلم و ستم کے مظاہرے ہوتے رہے مگر یہ دونوں حضرات اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ ابن نوحؒ جسمانی طور پر بہت کمزور تھے۔ مسلسل اذیتیں برداشت کرتے کرتے ان کی ہمت جواب دے گئی اور وہ راستے میں ہی انتقال کر گئے۔ جب ان کی لاش سے بیڑیاں اتاری گئیں تو امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ''ابن نوح تم پر اللہ اپنی رحمتیں نازل کرے اور ہمیں بھی تمہاری استقامت بخشے''۔ ابن نوحؒ کی شہادت نے ان لوگوں پر گہرا اثر ڈال جو خلیفہ کا حکم ماننے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اب احمد بن حنبلؒ کے سوا یہ طاقت کسی میں بھی نہ تھی کہ وہ اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے دل کی بات کہہ سکے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے بدن سے آہنی بیڑیاں لپٹی ہوئی تھیں کہ اچانک ایک دن راستے میں خلیفہ مامون رشید کے انتقال کی خبر ملی۔ اسحاق بن ابراہیم کا چہرہ اتر گیا وہ تو اپنے آقا کو فتوحات مسلسل کی نوید سنانے سے محروم رہا۔ خود مامون رشید کی لاش بھی اس چیز پر حسرت کر رہی تھی کہ وہ امام احمد بن حنبلؒ کا انکار اپنے سامنے نہ سن سکا۔ لیکن مرتے وقت مامون رشید نے اپنے بھائی معتصم باللہ کے نام وصیت کرتے ہوئے لکھا ''جو کچھ تو دیکھ رہا ہے اس سے نصیحت حاصل کر اور اپنے بھائی کے قریب ہو جا۔ سختی کے ساتھ خلق قرآن کی دعوت دے اور احمد بن داؤد سے ہر حال میں اپنی وابستگی قائم رکھ'' جب معتصم باللہ اپنی خلافت کی ابتدائی تقریبات سے فارغ ہوا تو اس نے احمد بن داؤد کے کہنے پر امام احمد بن حنبلؒ کی طرف توجہ کی۔ اس نے امام احمد بن حنبلؒ کو امام نے اس کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ پھر آپؒ پر تازیانوں کی بارش کر دی گئی۔ جب بھی جسم پر تازیانے پڑتے آپ بلند آواز سے قرآن پاک کی ایک آیت مقدسہ تلاوت فرماتے۔

ترجمہ: ''ہم پر وہی مصیبت نازل ہوسکتی ہے جو اللہ نے ہمارے مقدر میں لکھ دی ہے'' -------- بالآخر جب معتصم باللہ، احمد ابی داؤد اور معتزلہ مایوس ہو گئے تو ایک دن حضرت امام کو آزاد کر دیا۔ آپؒ کو ایسی حالت میں گھر پہنچایا گیا کہ آپؒ زخموں سے لہولہان تھے۔ ہڈیوں پر کوڑوں کے نشان نظر آ رہے تھے۔ پورا بدن شکستہ تھا مگر امام صاحبؒ کے ارادوں نے شکست نہیں کھائی۔ بہت دنوں کے بعد آپ صحت مند ہوئے تو دوبارہ مجلس درس کو آراستہ فرمایا۔ انسانی ہجوم آپؒ کے زخموں کو بوسہ دینا چاہتی تھی مگر آپؒ نے منع فرما دیا کہ اس طرح بت پرستی کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر معتصم باللہ کا انتقال بھی ہو گیا۔ مامون رشید کے بعد یہ دوسرا جابر حکمران تھا۔ یہ بھی اپنے جابرانہ قانون کے ساتھ زیر زمین دفن ہو گیا۔ پھر واثق باللہ کا دور شروع ہوا۔ یہ نسبتاً نرم طبیعت کا مالک تھا۔ دوسرا یہ کہ اب لوگ ''خلق قرآن'' کے سلسلے سے بیزار ہو چکے تھے اس نے سیاست سے کام لیا اور امام احمد حنبلؒ کو نظر بندی کی سزا سنائی گئی ان کو اپنے گھر میں ہی نظر بند کر دیا گیا حتیٰ کہ نماز کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

واثق کے آخری زمانے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن ایک گمنام سا شخص خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ احمد بن داؤد بھی موجود تھا۔ اجنبی نے واثق سے کچھ کہنے کی اجازت لی اور پھر داؤد سے مخاطب ہوا ''جس بات کی دعوت نہ رسالت مآبؐ نے دی اور نہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علیؓ نے، پھر تم کیوں لوگوں کو اس طرف بلاتے ہو؟''۔ ابوداؤد خاموش رہا۔ اجنبی نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہ ''اب دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں یا تو یہ حضرات قرآن کی حیثیت سے واقف نہیں تھے یا پھر انہیں قرآن کی حقیقت کا علم ہی نہیں تھا۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ وہ لوگ واقف تھے لیکن اس معاملے میں سکوت اختیار کیا تو پھر تمہیں بھی خاموش رہنا چاہیے تھا اور اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مسئلے سے آگاہ ہی نہیں تھی تو پھر اسلام کہاں باقی رہ جاتا ہے؟ خلیفہ واثق نے جب یہ بات سنی تو اپنی نشست سے اچھل پڑا اور بار بار یہ الفاظ دہرائے ''میں نے اس شخص کو معاف کر دیا اور اب تک جو کچھ کرتا آیا تھا اس سے توبہ کر لی''۔ اس طرح خلق قرآن کا مسئلہ ختم ہوا۔

واثق کے بعد خلیفہ متوکل کا دور آیا۔ احمد بن ابی داؤد کو ذلت اور رسوائی کے ساتھ معزول کیا گیا۔ آپ کی نظر بندی ختم کر دی گئی۔ خلیفہ متوکل کو امام احمد بن حنبلؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے حضرت امامؒ کے سامنے سیم و زر کے انبار لگا دیئے لیکن آپؒ نے کچھ بھی قبول نہ کیا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے آزمائش کے تین دور دیکھے۔ ۱۔ پہلا دور غربت وافلاس کا دور　۲۔ دوسرا آزمائش کا　۳۔ تیسرا دور شہرت وعقیدت کا　(آپؒ ان تینوں ادوار سے سلامتی سے گزر گئے۔)

ارشادات:- شرعی مسائل آپؒ خود بتاتے تھے لیکن مسائل طریقت کے سلسلے میں لوگوں کو حضرت بشر بن حافیؒ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ آپؒ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ میں نے خوف خدا طلب کیا تو اتنا خوف عطا ہوا کہ مجھے عقل کے زائل ہونے کا گمان ہونے لگا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ تجھے میرا قرب صرف قرآن سے حاصل ہوسکتا ہے۔ پھر فرمایا اعمال میں مشقتوں سے چھٹکارے کا نام اخلاص ہے۔ اللہ پر اعتماد توکل ہے اور اپنے امور کو اللہ کے سپرد کر دینا رضا ہے۔ لوگوں نے محبت کا مفہوم پوچھا کہا یہ بشر حافی سے دریافت کرو۔ لوگوں نے کہا زہد کیا ہے؟ کہا ''عوام کا زہد اشیاء کو ترک کر دینا ہے اور خواص کا زہد حلال چیزوں میں زیادتی کی تمنا نہ کرنا ہے اور عارفین کا زہد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وفات:- آپؒ آخری عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے کوئی گھاٹی ملے تو میں اس میں چھپ جاؤں تاکہ میرا کوئی ذکر نہ کرے۔ میں شہرت کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہوں۔ اس سے بچنے کے لیے صبح شام موت کی آرزو کرتا رہتا ہوں۔ سخت ترین جسمانی اذیتوں نے آپؒ کی صحت کو تباہ کر ڈالا تھا۔ یہاں تک کہ بستر مرگ پر دراز ہو گئے، کمزوری دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک ہمدرد نے آپؒ سے پوچھا ''جن لوگوں نے آپؒ کو اذیتیں دیں ان کے بارے میں آپؒ کا کیا خیال ہے''۔ حضرت امام احمدؒ نے فرمایا ''ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق مجھے گمراہ خیال کیا تھا اور تمام تکالیف خدا کی راہ میں دیں تھیں۔ اس لیے میں قیامت کے دن ان سے مواخذہ نہ کروں گا''۔ انتقال کے وقت جب صاحبزادے نے طبیعت معلوم کی تو فرمایا اب سوال کا وقت نہیں ہے۔ بس یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ کیونکہ ابلیس مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تیرا ایمان ثابت لے جانا میرے لیے باعث ملال ہے۔ یہ کہتے کہتے روح پرواز کر گئی۔ ایسا لگا جیسے کچھ دیر کے لیے کائنات تھم گئی ہو۔ پھر لوگوں کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ ایسی گریہ زاری تھی کہ پورا بغداد ماتم کدہ بن گیا۔ لوگوں کی نگاہوں میں مامون، معتصم، واثق تمام جابروں کے زمانے گھوم گئے۔ لوگوں کے سروں کے علاوہ کچھ نظر نہ پڑتا تھا۔ یہ معرفت کے شہنشاہ کا جنازہ تھا ''اقلیم دل'' کا فرمانبردار اس طرح رخصت ہوتا ہے۔

انتشار سے بچنے کے لیے پورے شہر کو فوج کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ خلیفہ متوکل حیران و پریشان کھڑا انسانوں کے گزرتے ہوئے اس سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ ہر شے اپنے محور سے ہٹ گئی تھی۔ کاروبار حیات معطل ہو کر رہ گیا تھا۔ آج دربار خلافت ویران پڑا تھا اور محلات شاہی کے بام و در سے ایک نامعلوم آواز ابھر رہی تھی۔ ''شہنشاہ تو وہ ہے جسے قبر میں اتارا جا رہا ہے''، اور پھر نور کے مجسمے کو حصار میں رکھ دیا گیا۔　(اناللہ وانا الیہ راجعون)

اہلِ سُنت والجماعت

ہم اہلِ سُنت والجماعت ہیں۔ ہمارے چار امام ہیں:- (1) امام ابوحنیفہؒ (2) امام مالکؒ (3) امام شافعیؒ (4) امام احمد بن حنبلؒ

یہ چاروں اِمام عقائد میں ایک ہیں محض فروعی مسائل میں اختلاف ہیں۔ اہلِ سُنت والجماعت مُقلّد ہوتے ہیں یعنی یہ اپنے اِمام کی پیروی کرتے ہیں یا تقلید کرتے ہیں۔ پوری دُنیا میں اہلِ سُنت والجماعت مسلمان موجود ہیں۔

(1) پاک وہند، افغانستان، ترکی، برما، روس کی آزاد ریاستیں۔ چین، بنگلہ دیش کے تمام لوگ حنفی ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پیروکار یا اُن کی تقلید کرنے والے یا اُن کے مُقلّد۔ اِمام ابوحنیفہؒ کی فقہ (اسلامی قانون) "**فِقہ حنفی**" کہلاتی ہے۔

(2) سعودی عرب والے حنبلی ہیں۔ یعنی امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکار یا اُن کی تقلید کرنے والے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی فِقہ "**فِقہ حنبلی**" کہلاتی ہے۔

(3) افریقہ والے مالکی ہیں۔ یعنی حضرت امام مالکؒ کے پیروکار یا اُن کی تقلید کرنے والے۔ حضرت امام مالکؒ کی فِقہ "**فِقہ مالکی**" کہلاتی ہے۔

(4) مصر، شام، لبنان، برونائی وغیرہ کے مسلمان شافعیؒ ہیں یعنی امام شافعیؒ کی تقلید کرنے والے یا اُن کے پیروکار۔ حضرت امام شافعیؒ کی فِقہ "**فِقہ شافعی**" کہلاتی ہے۔

تقلید خدانخواستہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے مقابلے میں کوئی جداگانہ چیز نہیں ہے۔ بلکہ آئمہ مجتہدین نے قرآن اور احادیث نبویہ خاتم النبیین ﷺ سے اور آثارِ صحابہؓ سے جو مسائل اخذ کیے ہیں اُن کو تسلیم کر لینا "**تقلید**" ہے۔

قرآن پاک عِلمی صُورت میں نازل ہوا اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ عملی صورت میں ہماری راہبری کے لیے تشریف لائے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے آنے کا مقصد قرآن پاک سے "مُرادِ رَبّانی" کو لوگوں کے سامنے واضح کرنا تھا تاکہ لوگ قرآن پاک میں اپنی عقل سے مطلب نہ نکالنے لگیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنا تمام عمل صحابہ کرامؓ پر واضح کیا اور فرمایا:- "میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کو بھی پکڑو گے نجات پالو گے"

اہلِ سُنت والجماعت کے نزدیک دین کے چار ماخذ ہیں:- (1) قرآن (2) سُنّت یا حدیث (3) اِجماع (4) قیاس

قرآن اور حدیث سے تو ہم واقف ہیں اب دیکھتے ہیں کہ اِجماع کیا ہے؟

اِجماع کیا ہے؟ اِسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اِصطلاحِ شریعت میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے بعد اُس زمانے کے تمام فقہا و مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہونا اِجماع کہلاتا ہے اور جو فیصلہ وہ قرآن اور سُنّت کی روشنی میں اپنے متفقہ اقوال و افعال سے کر دیں، اُس کی پیروی بعد کے مسلمانوں پر لازم ہے اور اُس کی خلاف ورزی حرام ہے۔ آخرت میں جو سزا آپ خاتم النبیین ﷺ کے مخالفین کو دی جائے گی وہی سزا اُن لوگوں کو دی جائے گی جو مومنین کا متفقہ فیصلہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں (تفسیر معارف القران صفحہ 376 جلد دوئم)۔ اگر کسی مسئلہ پر ایک دفعہ اجماع ہو جائے اور قانون بن جائے تو اُس مسئلہ پر کبھی بھی دوبارہ اجماع نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہیں ہو گی"۔

قیاس کیا ہے؟ اِسلامی قانون کا چوتھا ماخذ قیَاس ہے۔ قیَاس دراصل ایک عالمِ دین کا اجتہاد ہے۔ اِصطلاحِ شریعت میں قیاس سے مراد درپیش مسئلہ کی نظیر (مثال) قرآن وسُنّت میں تلاش کر کے اِس کے مطابق اُس میں حکم لگانا ہے۔ قیاس نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔

اہلِ سُنت والجماعت حدیث کی تمام کتابوں کو مانتے ہیں۔ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، مشکواۃ شریف، موطا امام مالک اور ابنِ ماجہ وغیرہ۔ اہلِ سُنت کے ہاں ضعیف حدیث پر بھی عمل ہے کیونکہ ضعیف حدیث کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ بات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے کہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث روایت کرنے والے راویوں میں سے کوئی راوی ایسا ہے کہ جس کا حافظہ کمزور ہے یا جو کبھی کبھی بھولتا ہے۔

ہم اہلِ سُنت والجماعت ہیں اور ہمارا نام اہلِ سُنت والجماعت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا رکھا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیت " یعنی جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے" (یعنی قیامت کے دن) کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ اہلِ سُنت والجماعت ہوں گے۔

حضرت اِمام حسینؓ نے میدانِ کربلا میں آخری خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "حسنؓ اور حسینؓ جنت کے جوانوں کے سردار

اور اہلِ سُنّت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں گے" (تاریخ کامل صفحہ 262)

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے نجات پانے والوں کا پتا یہ بتایا "یعنی نجات پانے والی جماعت وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر ہو گی" (ترمذی)

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے آخری دَور میں خاص طور پر وصیت فرمائی اور خلفاء راشدین اور اُن کی ہدایت پر چلنے والی جماعت کے طریقے کو دانتوں سے مضبوط پکڑنے کا حکم دیا (ترمذی، ابنِ ماجہ)

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جس نے میری سُنت کو مضبوطی سے پکڑا، جب میری امت میں فساد جاری ہو جائے گا تو اُس کو اللہ تعالیٰ 100 شہیدوں کا ثواب عطا فرمائیں گے"

اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنی سُنّت کو زندہ رکھنے پر بے شمار اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا (ترمذی) آپ خاتم النبیین ﷺ نے تارک ِسُنّت کو لعنتی فرمایا۔ (بیہقی)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے تارکِ سُنّت کو شفاعت سے محروم قرار دیا (بن عدی)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو شخص ایک بالشت بھی جماعت سے باہر نکلا اُس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی" (احمد۔ابوداؤد)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو جماعت سے نِکلا جہالت کی موت مرا"لہذ اتقلید کوئی معیوب اور خلافِ شریعت چیز نہیں ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں فروعی مسائل معلوم کرنے کے تین طریقے تھے۔

(1) جو لوگ آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے وہ براہ راست آپ خاتم النبیین ﷺ سے مسئلہ دریافت کر لیا کرتے تھے۔

(2) جو لوگ دُور ہوتے اُن میں سے اگر کوئی خود مجتہد ہوتا تو نئے پیش آمدہ مسئلے میں اجتہاد کر لیتا۔ (3) اگر کوئی مجتہد نہ ہوتا تو وہ مجتہد حضرات کی تقلید کر لیتا۔

جیسے یمن میں حضرت معاذؓ اجتہاد کرتے تھے اور باقی اہلِ یمن اُن کی تقلید کرتے تھے حالانکہ اہلِ یمن تمام عربی دان تھے مگر مسائل اِجتہادیہ میں وہ حضرت معاذؓ کی شخصی تقلید کرتے تھے۔ پورے دَورِ نبوّت میں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہ تھا جو نہ تو اجتہاد شخصی کرتا تھا اور نہ مُقلّد تھا یعنی دَورِ نبوّت میں ایک شخص بھی غیر مُقلّد نہ تھا۔

صحابہ کرامؓ کے زمانے میں (آپ خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد) لوگ پہلے طریقے سے محروم ہو گئے۔اب صرف دو ہی طریقے رہ گئے تھے:-

(1) مجتہد اجتہاد کرتے اور (2) عام مسلمان مجتہد حضرات کی تقلید کرتے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اِجتہاد کیا ہے؟

اِجتہاد اِصطلاح شریعت میں اجتہاد اُس قوت کو کہتے ہیں جس کی بنا پر کوئی شخص نصوص شرعیہ (قرآن وحدیث) سے مسائل کا حل نکال سکے۔جس کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں:-(1) قرآن پاک کی وہ 500 آیات اور 3000 ہزار احادیث جن کا تعلق احکاماتِ الٰہی سے ہو اُن کا اُس کو علم ہو۔

(2) صحابہ کرامؓ کے 70000 ہزار فتوے، اجماعی فیصلے، ناسخ منسوخ کا علم رکھتا ہو۔(3) اصول قرآن وحدیث اور ان کے خادم علوم صرف ونحو اور ادب وغیرہ کو جانتا ہو۔

تمام علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جو ان شرائط پر پورا اُترے صرف وہ اجتہاد کر سکتا ہے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اجتہاد عقائد میں نہیں ہو سکتا۔یعنی وہ احکاماتِ الٰہی جو قرآن وحدیث میں واضح طور پر موجود ہیں اُن میں اجتہاد نہیں کر سکتے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکواۃ اور شرعی سزائیں وغیرہ۔اِن میں اجتہاد نہیں کہ چلو اجتہاد کر لیں کہ کل سے نماز نہیں پڑھیں گے یا چلو اجتہاد کر لیں کہ اب زانی سنگسار نہیں کیا جائے گا یا اب پردے کی ضرورت نہیں رہی وغیرہ وغیرہ۔اس سے یہ بات بالکل صاف ہے کہ واضح اور صریح احکامات میں اجتہاد نہیں ہے۔ہاں اگر قرآن وحدیث میں بظاہر کوئی اختلاف نظر آ رہا ہے۔جیسے حدیث میں رفع یدین ہے یا نہیں اور ہے تو کتنی بار ہے؟۔آمین اونچی آواز سے یا آہستہ،کُلّی خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ نہیں؟ اِن متعارض روایات میں اِجتہاد کیا جا سکتا ہے۔

اِس طرح کچھ مسائل فی زمانہ قرآن وسُنت میں نہیں ہیں۔مثلاً شراب کی مختلف صورتیں، ہیروئن، پاؤڈر، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، اِنشورنس پالیسی،فکسڈ ڈپازٹ، شیئرز وغیرہ۔مجتہد حضرات ان چیزوں کو دوسرے مسئلوں کے ساتھ قیاس کر کے اجتہاد کرتے ہیں۔

لہذ اتقلید کوئی معیوب اور خلاف شریعت چیز نہیں۔فروعی مسائل میں اُمّت کی اکثریت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید یا پیروی کرتی ہے اور یہ سلسلہ تقلید نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے زمانے سے جاری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی اپنی مشہور کتاب "حجتہ البالغہ" میں تحریر فرماتے ہیں!"اُمّت نے اِن چاروں فقہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کی تقلید پر اجماع کیا ہے اور اس میں اسلام کی بڑی مصلحت ہے اور اِس کے چھوڑنے میں بہت بڑا فساد ہے"- تو ہمارا نام "اہلِ سُنّت" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا رکھا ہوا ہے اور اہلِ سُنت والجماعت ثابت ہے حدیث سے اور حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کہلانا ثابت ہے اِجماع سے، تو تقلید کا سلسلہ دورِ نبوّت سے جاری ہے۔اَب دیکھنا یہ ہے کہ یہ غیر مُقلّد کِس دور کی پیداوار ہیں؟ مشکوٰاۃ جلد دوئم میں بخاری کے حوالے سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک دن دریائے رحمتِ مصطفی خاتم النبیین ﷺ جوش میں آئی اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی ":-اے اللہ ہمارے لیے "شام" میں برکت دے اے اللہ ہمارے لیے"یمن" میں برکت دے۔حاضرین میں سے بعض لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ "نجد" کے لیے بھی دُعا کریں۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے دو مرتبہ یہی الفاظ دہرائے، شام اور یمن کے لیے دُعا فرمائی لیکن "نجد" کے لیے دُعا نہ فرمائی "دُعا ختم کرنے کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:-"میں اُس اَزلی محروم خطہ کے لیے کیسے دُعا کروں۔وہاں تو زلزلے آئیں گے، فتنے ہوں گے اور وہاں تو شیطانی گروہ پیدا ہوگا"

اِس فرمانِ مصطفی خاتم النبیین ﷺ کے مطابق بارہویں صدی میں "نجد" میں محمد بن عبدالوہاب نامی ایک شخص پیدا ہوا۔اُس نے حرمین اور دیگر مسلمانوں پر وہ مظالم کیے جن کی داستان "توسیف الجبار اور بوارق محمد یہ علیٰ ارغامات النجد یہ" وغیرہ میں موجود ہیں۔اُن کے کچھ ظلم علامہ شامیؒ نے اپنی کتاب "ردالمختار جلد سوئم باب البغات" کے شروع میں اِس طرح بیان فرمائے ہیں:-

"جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبدالوہاب کے ماننے والوں کا واقعہ ہوا۔کہ یہ لوگ نجد سے نکلے اور مکہ اور مدینہ پر انہوں نے غلبہ کیا۔اپنے آپ کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں اور جو ہمارے عقیدے کے خلاف ہے وہ مشرک ہے۔اِس لیے انہوں نے اہلِ سُنت و الجماعت کا قتل جائز سمجھا اور اُن کے علما کو قتل کیا۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہابیوں کی شوکت توڑ دی اور ان کے شہروں کو ویران کر دیا اور اسلامی لشکروں کو اُن پر فتح دی۔یہ واقعہ 1233ء ہجری میں پیش آیا"۔

"توسیف الجبار" وغیرہ میں ان کے بے شمار مظالم کا ذکر ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بے گناہوں اور سادات کرام کا قتل کیا۔تمام صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت عظامؓ کی قبروں کو گرا کر زمین سے ملا دیا۔یہاں تک کہ یہ بھی ارادہ کیا کہ خاص گنبدِ خضرا جس کے گرد روزانہ صبح و شام ملائکہ صلوٰاۃ و سلام پڑھتے ہیں اُس کو بھی (خدانخواستہ) گرا دیا جائے۔مگر جو شخص اِس بُری نیت سے روضہ پاک پر گیا اُس پر اللہ تعالیٰ نے ایک سانپ مقرر فرما دیا جس نے اُس کو ہلاک کیا اور ربُّ العالمین نے اپنے نبی پاک خاتم النبیین ﷺ کی آخری آرام گاہ کو محفوظ رکھا۔(جاءَ الحق)

یہ تو تھے عرب کے واقعات لیکن ہندوستان میں یہ وہابیت کہاں سے آئی؟

دہلی میں ایک شخص مولوی محمد اسماعیل نامی نے محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب "التوحید" کا اردو ترجمہ "تقویۃُ الایمان" کے نام سے کیا اور اِس کی ہندوستان میں اشاعت کی۔اِس کتاب کی اشاعت پر سرحدی پٹھانوں نے اُسے قتل کر دیا۔مولوی اِسماعیل کے معتقدین کا نعرہ "توحید" تھا۔اپنے آپ کو وہابی کہتے تھے۔اور غیر مُقلّد ظاہر کرتے تھے۔اُدھر ہندوستان میں جب غدر برپا ہوا تو انگریزوں نے حنفیوں کے زور کو توڑنے کے لیے 1888ء عیسوی میں آزادی مذہب کی گولڈن جوبلی منائی اور اِن غیر مُقلّدین کی درخواست پر انہیں "اہلِ حدیث" کا نام الاٹ کر دیا۔یہ باتیں اہلِ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں (ترجمان وہابیہ)

فِتنوں کے اس دور میں مسلمانوں کی طاقت کو توڑنے کے لیے یہ ایک بڑی منظم کوشش تھی۔وہابیوں (غیر مُقلّدین) کے ہاں "توحید" کے معنی انبیا کرام کی توہین ہے۔جیسے "روافض" کے ہاں "حُبِ علیؓ" کے معنی ہیں "بغض صحابہ کرامؓ"۔

وہابی یا اہلِ حدیث یا غیر مُقلّدین تقویۃُ الایمان پر عمل کرتے ہیں۔"تقویۃُ الایمان" سے کچھ اہلِ سُنّت والجماعت بھی متاثر ہو گئے ہیں۔یہ لوگ مقلّد ہیں۔یہ عقائد میں متحد لیکن فروعی مسائل مثلاً میلاد کے منکر، سوئم، چہلم، جمعرات وغیرہ کے منکر حاضر و ناظر کے منکر، علم غیب کے منکر ہیں اور یہ دیوبندی اہلِ سُنّت والجماعت کہلاتے ہیں اور ان تمام چیزوں کے ماننے والے اہلِ سُنت والجماعت (بریلوی) کہلاتے ہیں۔

تو ہم اہلِ سُنت والجماعت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات پر، اُن کی احادیث پر اور اُن کے تمام ترارشادات پر عمل کرتے ہیں۔اُس تفسیر پر جو صحابہ کرامؓ نے کی اور اُس خلاصے کے تحت جو آئمہ کرامؒ نے ہمیں سمجھائی۔ہمارے نزدیک اتباعِ حدیث مقصود بالذات ہے اور امام ابوحنیفہ محض سمجھانے کا ذریعہ ہیں۔

وہابی یا اہلِ حدیث کیا ہیں؟

دین سلام کو آج دنیا میں آئے تقریباً پندرہ سو سال گزر گئے ہیں۔اِس عرصہ میں اس پاک دین نے ہزار ہا بلاؤں سے مقابلہ کیا ہے۔کبھی اس پر یزیدی بادل آئے،کبھی حجازی غبار،کبھی ماموی طاقتوں نے اِس کے سامنے آنے کی جرأت کی کبھی تاتاری قوتیں اس سے ٹکرائیں کبھی خارجی شورشوں نے اِس سے مقابلہ کیا اور کبھی رفض (اہلِ تشیع) کی طاقت نے اس کو زیر کرنے کی کوشش کی۔مگر تمام فتنوں میں زبردست فتنہ اور تمام مصیبتوں سے بڑی مصیبت وہابیوں نجدیوں کا فتنہ تھا۔جس کی خبر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے پہلے ہی دے دی تھی۔

مشکوٰۃ جلد دوئم میں صحیح بخاری کے حوالے سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں ایک دن دریائے رحمت مصطفی خاتم النبیین ﷺ جوش میں آئی، بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر دُعا کی

"اے اللہ ہمارے لیے شام میں برکت دے،اے اللہ ہمارے لیے "**یمن**" میں برکت دے"

حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ "**نجد**" کے لیے بھی برکت کی دُعا کریں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے یہی دُعا دوبارہ فرمائی،شام اور یمن کا ذکر کیا مگر نجد کا نام نہ لیا۔انہوں نے پھر توجہ دلائی کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نجد میں برکت کی دُعا بھی کریں۔غرض تین بار یمن اور شام کے لیے دُعا فرمائی۔اور بار بار توجہ دلانے پر بھی آپ خاتم النبیین ﷺ نے نجد کے لیے دُعا نہ کی۔

جبکہ آخر میں فرمایا:-

"میں اس ازلی محروم خطہ کے لیے دُعا کس طرح کروں، وہاں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں تو شیطانی گروہ پیدا ہوگا"

اِس فرمان عالی شان کے مطابق بارھویں صدی میں نجد میں محمد بن عبدالوہاب پیدا ہوا۔اُس نے اپنے آپ کو حنبلی مذہب پر ظاہر کیا۔اور اہلِ حرمین اور دیگر مسلمانوں پر جو ظلم کیے وہ بیان سے باہر ہیں (جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے)۔

برصغیر پاک وہند میں (ہندوستان) میں یہ وہابیت کی جڑ

جیسا کہ اوپر بھی ذکر کیا گیا ہے کہ دہلی میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام محمد اسماعیل تھا۔اُس نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب "التوحید" کا اُردو ترجمہ کیا جس کا نام ''تقویۃ الایمان'' رکھا اور اس کی ہندوستان میں اشاعت کی۔سرحدی پٹھانوں نے انہیں قتل کر دیا۔ان کے پیروکاروں نے مشہور کیا کہ سکھوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔1888ء میں وہابیوں نے انگریزوں سے اپنے لیے اہلِ حدیث کا نام الاٹ کروالیا۔(یہ بات ترجمان وہابیہ میں موجود ہے)۔اِس کے بعد مولوی اسماعیل کے مقتدین دو گروہ بن گئے۔

(1) ایک وہ جنھوں نے اِماموں کی تذلیل کی، اُن کا انکار کیا۔تقلید سے انکار کیا اور کہا کہ ہم غیر مُقلد ہیں اپنے آپ کو وہابی کہا اور پھر اہلِ حدیث بن بیٹھے۔

(2) دوسرے وہ جنھوں نے اپنے آپ کو اماموں کا ماننے والا مقلد کہا لیکن فروعی معاملات (جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے) میں مولوی اسماعیل کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے متاثر ہو گئے اور اپنے آپ کو دیوبند اہلِ سُنت کہلانے لگے۔

اب کچھ عرصے سے غیر مقلدّیت اہلِ حدیث کا فتنہ ہمارے اَسلاف سے متنفر اور اِماموں کی اِہانت پر بڑی تیزی سے کام کر رہا ہے۔سلفیت کے نام پر سلف سے بدگمانی کا یہ نیا فرقہ عرب شیوخ کی دولت پر پروان چڑھ رہا ہے۔لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کہا کہ تقلید شرک فی النبوۃ ہے۔

اِس طرح دُشمنوں نے یہ طریقہ نکالا کہ ہر مرد اور عورت کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ تم تو خود مجتہد ہو، تمھیں علمائے دین و آئمہ کرام کی کیا ضرورت ہے؟

ہر مسلمان کو سمجھ لینا چاہیے کہ دین وہی ہے جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے صحابہؓ نے لیا۔اُن سے تابعینؒ نے اور اُن سے تبع تابعینؒ نے لیا۔یہی دین جو حضرات صحابہ کرامؓ،تابعینؒ تبع تابعین،سلف صالحین،مفسرین،محدثین،مجتہدین،اور آئمہ کرامؒ (آئمہ اربعہ) کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے اِسی پر ہم قائم ہیں اور اِسی پر ہمیں قائم رہنا ہے۔اہلِ حدیث یا وہابیوں کے ہاں توحید کے معنی اولیا،انبیا کی توہین ہے۔جیسے روافض (اہلِ تشیع) کے ہاں "حُبِ علیؓ" کا مطلب صحابہؓ کی توہین ہے'' (جاءالحق

جھوٹے مدعیان نبوت

جنگ یمامہ:- آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے دورِ حیات کے آخری حصے میں دو بد باطن افراد اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب نے عقیدہ ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے جھوٹا دعوی نبوت کیا۔ اسی دوران آپ (خاتم النبیین ﷺ) پر مرض الموت طاری ہوا۔ اسی بیماری کے اثناء میں آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے ایک خواب دیکھا کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے دونوں ہاتھوں میں کنگن ہیں۔ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کو ان سے نفرت محسوس ہوئی۔ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے ان پر پھونک ماری۔ جس سے وہ دونوں اڑ گئے۔ اس کی تعبیر آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے یہ بتائی کہ ان کنگنوں سے دو جھوٹے مدعیان نبوت مراد ہیں (یعنی اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب) اور یہ دونوں عنقریب میرے جانثاروں کے ہاتھوں انجام بد تک پہنچیں گے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 3621)

بعد میں یہ پیشن گوئی اسی طرح حرف باحرف سچ ثابت ہوئی۔ اسود عنسی یمن کا باشندہ تھا، شعبدہ باز تھا۔ اس نے ایک گدھا سدھایا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا لقب ذوالحمار (گدھے والا) تھا۔ اس کی موت حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی زندگی ہی میں ہوئی اور اس کو نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کے جانثار صحابی حضرت فیروزؓ نے قتل کیا۔ (ویلمی)

حضور اکرم (خاتم النبیین ﷺ) کے دعویٰ نبوت سے لے کر وصال نبوی تک 23 سال کے لگ بھگ جو عرصہ بنتا ہے اس میں 27 غزوات (وہ لڑائی جس میں رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی) ہوئے اور 47 سرایا (وہ اسلامی جنگ یا مہم، جس کی قیادت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے خود نہیں کی، بلکہ کسی صحابی نے کی)، پھر جتنے تبلیغی وفود دھوکہ سے شہید کئے گئے اور کفار کے مظالم سے جو صحابہ کرامؓ شہید ہوتے رہے ان کی کل تعداد 259 ہے یعنی پورے دورے نبوت (خاتم النبیین ﷺ) میں اسلام کے لئے جو کل صحابہؓ شہید ہوئے ان کی تعداد 259 ہے اور صرف جنگ یمامہ میں مسئلہ ختم نبوت کے لیے جو صحابہؓ شہید ہوئے ان کی تعداد 1200 ہے۔ جن میں سے 700 حفاظ قرآن ہیں--------یہ وہی جنگ تھی جس کے متعلق اہل مدینہ کہتے تھے "بخدا ہم نے ایسی جنگ نہ کبھی پہلے لڑی نہ کبھی بعد میں لڑی"۔ اس سے پہلے بہت سی جنگیں ہوئیں مثلاً بدر، احد، خندق، خیبر، موتہ وغیرہ۔

خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ خطبہ دے رہے تھے: "لوگو! مدینہ میں کوئی مرد نہ رہے، اہل بدر ہوں یا اہل احد سب یمامہ کا رخ کرو"۔ بھیگتی آنکھوں سے وہ دوبارہ بولے: "مدینہ میں کوئی نہ رہے حتی کہ جنگل کے درندے آئیں اور ابوبکرؓ کو گھسیٹ کر لے جائیں"۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ "اگر علی المرتضیؓ سیدنا صدیق اکبرؓ کو نہ روکتے تو وہ خود تلوار اٹھا کر یمامہ کا رخ کرتے"۔

بنو حنفیہ کا باغ "حدیقۃ الرحمان" تھا جس میں اتنا خون بہا کہ اسے "حدیقۃ الموت" کہا جانے لگا۔ وہ ایسا باغ تھا جس کی دیواریں مثل قلعہ کے تھیں۔ کیا عقل یہ سوچ سکتی ہے کہ ہزاروں کا لشکر ہو اور براء بن مالکؓ کہیں "لوگو! اب ایک ہی راستہ ہے تم مجھے اٹھا کر اس قلعے میں پھینک دو میں تمہارے لئے دروازہ کھولونگا"۔ اس نے قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر منکرین ختم نبوت کے اس لشکر جرار کو دیکھا اور پھر تن تنہا اس قلعے میں چھلانگ لگا دی۔ ایک اکیلا شخص ہزاروں سے لڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے دروازہ کھول دیا----انصار کا وہ سردار "ثابت بن قیس" ہاں وہی جس کی بہادری کے قصے عرب و عجم میں مشہور تھے۔ اس کی زبان سے جملہ ادا ہوا: "اے اللہ! جس کی یہ عبادت کرتے ہیں میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں"۔ چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا جب وہ اکیلا ہزاروں کے لشکر میں گھس گیا اور اس وقت تک لڑتا رہا جب تک اس کے جسم پر کوئی ایسی جگہ نہ بچی جہاں شمشیر و سناں کا زخم نہ لگا ہو۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا لاڈلا بھائی---ہاں وہی زید بن خطابؓ جو اسلام لانے میں صف اول میں شامل تھے انہوں نے مسلمانوں میں آخری خطبہ دیا: "واللہ! میں آج کے دن اس وقت تک کسی سے بات نہ کرونگا جب تک کہ انہیں شکست نہ دے دوں یا شہید نہ کر دیا جاؤں"۔

کاش ہمیں ان صحابہؓ کے جذبوں کا علم ہوتا جو ایک مٹھی بھر جماعت کے ساتھ حد نگاہ تک پھیلے لشکر سے ٹکرا گئے اور پھر مسلمانوں نے منکرین ختم نبوت کو کاٹ کر رکھ دیا۔ کاش ہم جان لیتے کہ ہمارے اسلاف نے اپنی جانیں دے کر رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کی ختم نبوت کا دفاع کیا ہے۔ اس وقت مسلمانوں نے اپنا سب کچھ ختم نبوت پر قربان کر دیا اور خلیفہ اوّل امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکیلے مدینہ منورہ میں رہے۔ کہتے ہیں کہ "وہ اتنے بے چین تھے کہ معلوم ہوتا تھا انگاروں پر پاؤں دھرے ہیں"۔

قادیانی فرقہ:-

صحابہؓ کے عہد کا جھوٹا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب تھا اور ہمارے عہد کا جھوٹا مدعی نبوت مرزا قادیانی ہے۔ جتنے خطرناک مسیلمہ کے پیروکار تھے اس سے کہیں زیادہ خطرناک مرزا قادیانی کے پیروکار ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات زندگی:-

مرزا غلام احمد قادیانی کی قوم مغل اور گوت برلاس تھی۔ باپ کا نام غلام مرتضیٰ، دادا کا نام عطا محمد اور پردادا کا نام گل محمد تھا۔ مرزا قادیانی کے آباؤاجداد نے سکھوں کے زمانے میں مسلمانوں کی بجائے سکھوں کا ساتھ دیا۔ 1857 کی جنگ آزادی میں مرزا غلام مرتضیٰ نے سیالکوٹ کے محاذ پر انگریزوں کی حمایت میں اپنی طرف سے 50 گھوڑے خرید کر اور 50 جوان بھیج دیئے۔ اس غداری کے نتیجے میں اسے دربار گورنری میں کرسی مل گئی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی ولادت بھارت کے صوبہ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک قصبے قادیان میں 1839 یا 1840 میں ہوئی۔

مرزا قادیانی کے والد نے 1857 کی جنگ آزادی میں برطانوی حکومت کی حمایت کی بنا پر انعام کے طور پر انگریز سے جائیداد حاصل کی۔ مرزا غلام احمد اس کے والد کی وفات کے بعد اس کا بڑا بھائی مرزا غلام قادر حکومت برطانیہ کا وفادار رہا۔

انگریز حکومت نے متحدہ ہندوستان میں بھانپ لیا کہ مسلمانوں کو جوروستم سے نہیں مغلوب کیا جاسکتا۔ چنانچہ انگریز حکومت نے ایک کمیشن مقرر کیا جس نے پورے ہندوستان کا سروے کیا اور برطانوی پارلیمنٹ کو یہ رپورٹ دی کہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد کو مٹانے کے لئے کسی ایسے شخص سے نبوت کا دعویٰ کروایا جائے جو انگریز حکومت کا وفادار ہو۔ ان دنوں مرزا غلام احمد قادیانی ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں معمولی درجہ کا کلرک تھا۔ مسیحی مشن کے ایک فرد نے مرزا غلام احمد قادیانی سے ملاقات کی اور مرزا قادیانی نے ملازمت چھوڑ دی، قادیان چلا گیا۔ مسیحی مشن کا وہ فرد بھی برطانیہ روانہ ہوگیا۔ اس کے بعد مرزا غلام قادیانی نے بھرپور طور پر مسئلہ جہاد پر بحث ومباحثہ شروع کیا اور اپنی تحریروں میں جہاد کو حرام قرار دیا اور اطاعت انگریز کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس نے اپنے آپ کو حکومت برطانیہ کا خود کاشتہ پودا قرار دیا۔ اس ضمن میں اس کی چند تحریریں ملاحظہ ہوں: "میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں"۔ (بحوالہ: تریاق القلوب، صفحہ 27، مندرجہ روحانی خزائن، جلد 15، صفحہ 155، از مرزا قادیانی) 1989 میں مرزا نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔

1901 میں مرزا قادیانی نے کتابچہ "ایک غلطی کا ازالہ" لکھا اور نبوت کا دعویٰ کردیا۔ مرزا قادیانی نے ظلی اور بروزی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ **بروزی اور ظلی نبی ہندو آنہ نظریہ ہے۔ یعنی حضور اکرم (خاتم النبیین ﷺ) کی روح مرزا قادیانی میں آگئی ہے اور مرزا قادیانی حضور اکرم (خاتم النبیین ﷺ) کا دوسرا جنم ہے" (نعوذ باللہ)**

اس کے بعد مرزا نے کھلم کھلا اپنی تحریروں میں اس کافرانہ عقیدے کا پرچار کیا۔ مثلاً "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"۔ (بحوالہ: روحانی خزائن، جلد 18، صفحہ 231) (نعوذ باللہ) "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں"۔

حکیم نورالدین: سب سے پہلے جس خبیث الفطرت انسان نے مرزا قادیانی کی نبوت کو تسلیم کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی، وہ حکیم نورالدین تھا۔ قادیانی جماعت میں مرزا قادیانی کے بعد اس کا مقام ہے۔ مرزا قادیانی کی موت کے بعد وہ مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کا پہلا خلیفہ کہلایا۔ قادیانی اسے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

مرزا قادیانی کے چند کفریہ عقائد:-

مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

(1) "سچا خداوند وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"۔ (واضع البلد، 11 خزائن نمبر 18 ص 231)

(2) "بعض نبیوں کی کتابوں میں میری نسبت بطور اشعار "فرشتہ" لفظ آیا ہے اور "وانی اہل نبی" نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے اور عبرانی زبان میں لفظ

میکائیل کے معنی ہیں "خداوند کے مانند" (اربعین نمبر 3 ص 35،)

(3) یہ "بات بالکل صحیح ہے کہ ہر شخص ترقی کرسکتا ہے اور بڑے بڑے درجے پا سکتا ہے، حتیٰ کہ (نعوذ باللہ) حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے" ۔(بقول مرزا غلام احمد قادیانی) (مندرجہ اخبار الفضل قادیان نمبر 105، 17 جولائی 1905ء)

(4) "میں آدم ہوں"، "میں نوح ہوں"، "میں عیسیٰ ابن مریم ہوں"، "میں محمد ہوں" ۔(تقمہ حقیقۃ الوحی میں ص 105، خزائن ص، 222،521)

(5) "خدا نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں" ۔(تزکیہ مجموعہ الہامات ص 600 صبح دوام از مرزا احمد قادیانی)

(6) "ایک ایسا شخص جو موسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہے یحییٰ علیہ السلام کو نہیں مانتا عیسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہے مگر محمد خاتم النبیین ﷺ کو نہیں مانتا محمد خاتم النبیین ﷺ کو مانتا ہے مگر مسیح موعود (مرزا احمد قادیانی) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے" ۔(کلمۃ الفضل ص 110، از مرزا البشر الدین احمد)

(7) "جو ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اُس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور وہ حرام زادہ ہے" (انوار السلام، ص 30، خزائن ص 31، مرزا غلام احمد)

(8) "اور جو میرے مخالف تھے اُن کا نام عیسائی یہودی اور مشرک رکھا گیا ہے" ۔(نزول المسیح حاشیہ ص 4)

(9) "دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور اُن کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں" ۔

(10) "کُل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے (یعنی مرزا غلام احمد کی بیعت میں) وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں" ۔(آئینہ صداقت)

(11) مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے غلام احمد قادیانی تو میری اولاد کی جگہ ہے تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں" (روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 22)

(12) اور لکھتا ہے "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے الہام وحی غلط نکلی تھیں (نعوذ باللہ)" ۔(روحانی خزائن، جلد نمبر 3، صفحہ 471)

(13) اور مزید لکھتا ہے "قرآن پاک میں گندی گالیاں بھی ہیں" ۔(روحانی خزائن، جلد نمبر 3، صفحہ 116)

(14) مزید لکھتا ہے "میری کتاب براہین احمدیہ خدا کا کلام ہے (نعوذ باللہ)" ۔(روحانی خزائن، جلد نمبر 3، صفحہ 386)

(15) مزید لکھتا ہے کہ "مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانے میں ہوتا تو وہ کلام جو میں کرتا ہوں، وہ ہرگز نہ کر سکتا، اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھا سکتا" (نعوذ باللہ)" ۔(روحانی خزائن، جلد نمبر 19، صفحہ 121)

غرض اس دجال قادیانی کی مزید خرافات کہاں تک گنوائے جائیں اِس کے لیے دفتر چاہیے۔ اُس نے اپنی کتاب میں 86 دعوے کئے ہیں۔ مسلمان ان چند خرافات سے اِس کے حالات بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے کافر، مرتد اور بے دین ہونے میں کسی مسلمان کو شک ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام بد عقیدگیوں اور خرافات سے ہمیں محفوظ رکھے۔

تحریک ختم نبوت 1953:۔ مسئلہ ختم نبوت کی تحریک پوری ایک صدی تک چلتی رہی۔ علماء کرام، مجتہد حضرات اور عوام الناس اس میں بھرپور طریقے سے حصہ لیتے رہے اور اپنی جانیں نچھاور کرتے رہے۔

1953 میں ملت اسلامیہ پاکستان نے ایک طوفانی اور تاریخی تحریک چلائی، لاہور میں مارشل لاء نافذ کردیا گیا۔ جنرل اعظم خان کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا۔ اس پتھر دل مرزائی نواز جرنیل نے نہ صرف شہر لاہور میں دس ہزار عاشقان مصطفیٰ (خاتم النبیین ﷺ) کو شہید کیا اور ہزاروں علماء اور عوام کو جیلوں میں ٹھونس دیا۔ شہداء کی لاشوں کو سڑکوں پر گھسیٹا جاتا اور انہیں کارپوریشن کی کوڑا کرکٹ اٹھانے والی گاڑیوں میں بھر کر دور دراز علاقوں میں گڑھا کھود کر دفن کردیا جاتا۔ دریائے راوی کی لہروں کے سپرد کردیا جاتا۔ یہ تحریک قہراً کچل دی گئی۔

تحریک ختم نبوت 1974:۔ 1974 میں پھر تحریک ختم نبوت چلی۔ اس وقت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ملک کے وزیر اعظم تھے۔ دوران تحریک آغا شورش کاشمیری اپنے پیارے دوست مولانا تاج محمود کے ساتھ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے ملے۔ اس ملاقات کی روداد ہفت روزہ چٹان 29 اکتوبر 1979 میں موجود ہے۔ جو مسٹر بھٹو

کی بیان کردہ ہے۔اس روداد کی تلخیص یوں ہے:

بھٹو صاحب کہتے ہیں:"شورش اپنے دوست مولانا تاج محمود کے ساتھ میرے پاس آئے۔شورش نے چار گھنٹے تک مسلسل مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیوں کے پاکستان کے بارے میں عقائد وعزائم پر گفتگو کی۔دوران گفتگو شورش نے عجیب حرکت کی۔شورش نے باتوں کے دوران انتہائی جذباتی ہو کر میرے پاؤں پکڑ لیے۔شورش جیسے بہادر اور شجاع آدمی کو ایسی حالت میں دیکھ کر میں لرز اٹھا۔شورش کی عظمت کو دیکھ کر میں نے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔مگر وہ ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا" بھٹو صاحب ہم جیسی ذلیل قوم کسی ملک نے آج تک پیدا نہیں کی ہوگی کہ ہم اپنے نبی (خاتم النبیین ﷺ) کے تاج وتخت ختم نبوت کی حفاظت نہ کر سکے"۔پھر شورش نے روتے ہوئے میرے سامنے اپنی جھولی پھیلا کر کہا" بھٹو صاحب میں آپ سے اپنے اور آپ کے نبی (خاتم النبیین ﷺ) کے ختم المرسلین کی بھیک مانگتا ہوں۔آپ میری زندگی کی تمام خدمات اور نیکیاں لے لیں، میں خدا کے حضور خالی ہاتھ چلا جاؤں گا۔خدا کے لئے محبوب خدا (خاتم النبیین ﷺ) کی ختم نبوت کی حفاظت کر دیجئے، اسے میری جھولی نہ سمجھئے بلکہ فاطمہ بنت محمد (خاتم النبیین ﷺ) کی جھولی سمجھ لیجئے"۔اب اس سے زیادہ مجھ میں سننے کی تاب نہ تھی۔میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آ گئی۔میں نے شورش سے وعدہ کر لیا کہ میں قادیانی مسئلہ ضرور بالضرور حل کروں گا۔1974 کی تحریک ختم نبوت اسلام اور مرزائیت کی ایک زبردست ٹکر تھی۔یہ ٹکراؤ سڑکوں پر بھی ہوا اور میدانوں میں بھی۔لیکن اس معرکہ حق و باطل کا فیصلہ کن راؤنڈ قومی اسمبلی میں لڑا گیا۔یہ ذوالفقار علی بھٹو کا سب سے بڑا کارنامہ ہے- تحریک ختم نبوت، 1974 قومی اسمبلی میں مرزائیت کی طرف سے قادیانی پیشوا مرزا ناصر وکیل بن کر آیا اور اہل اسلام کی طرف سے جو شخص سپہ سالار بن کر آیا وہ صاحب مقام محمود (خاتم النبیین ﷺ) کی عزت و ناموس ختم نبوت کا محافظ مفتی محمود تھے، جن کے ایمانی اور حقانی دلائل کے سامنے مرزا ناصر خس وخاشاک کی طرح بہہ گیا اور پاکستان کی منتخب قومی اسمبلی نے 7 ستمبر 1974 کو قادیانیوں کو متفقہ طور پر کافر قرار دے دیا۔(ایمان پرور یادیں، ص 45)

سربراہان قادیان کی عبرتناک موت کے واقعات:-

چند قادیانیوں کی موت کے عبرتناک واقعات اس نیت سے درج کیے جاتے ہیں تاکہ شاید قادیانیوں میں خوفِ خدا پیدا ہو جائے اور ان کے دلوں پر لگے ہوئے کفر کے کفل ٹوٹ جائیں۔یہ واقعات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ننکانہ صاحب نے اپنے کتابچے قادیانیوں کے عبرتناک انجام میں درج کیے ہیں۔یہ واقعات من وعن ملاحظہ ہوں:-

1- مرزا غلام احمد قادیانی کا انجام: مرزا قادیانی کو انتہائی خوفناک ہیضہ ہوا۔اس کے منہ اور مقعد دونوں راستوں سے غلاظت بہنے لگی۔اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ رفع حاجت کے لیے لیٹرین تک جا سکے، اس لیے چارپائی کے پاس ہی غلاظت کے ڈھیر لگ گئے۔مسلسل پاخانوں اور الٹیوں نے اس قدر نچوڑ کر رکھ دیا کہ وہ اپنی ہی غلاظت پر منہ کے بل گرا اور زندگی کی بازی ہار گیا۔کائنات میں شاید ہی کسی کو ایسی ہولناک اور عبرتناک موت آئی ہو۔اس کی تدفین تک اس کے منہ سے غلاظت بہتی رہی۔جسے بڑی کوشش کے باوجود بند نہ کیا جا سکا۔جس تابوت میں مرزے کا جنازہ لاہور سے قادیان گیا، اس تابوت اور تابوت میں پڑے بھوسے (توڑی) کو حکومت نے آگ لگوا کر خاکستر قرار دیا تاکہ اس تابوت سے علاقہ میں کوئی بیماری نہ پھیل جائے۔

مرزا 26 مئی 1908 کو بروز منگل بوقت 10:30 بجے رات جہنم واصل ہوا۔اس کی موت انتہائی عبرتناک تھی۔وہ قادیان میں مدفون ہوا۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کا کشف: حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ نے ایک دفعہ مراقبہ کیا اور مرزا قادیانی کو قبر میں ایک باؤلے کتے کی شکل میں دیکھا کہ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی ہے اور وہ انتہائی خوفناک آوازیں نکال رہا ہے۔مرزا غلام احمد قادیانی بڑی پھرتی سے گھوم گھوم کر دم پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔غصے میں آ کر وہ کبھی اپنی ٹانگوں کو کاٹتا ہے اور کبھی اپنا سر زمین پر پٹختا ہے۔(اللہ تعالی اس لعین کے عذاب میں مزید اضافہ فرمائے۔آمین!)

2- قادیانیوں کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین کا انجام: مرزا غلام قادیانی کے آنجہانی ہونے کے بعد اس کا پہلا خلیفہ حکیم نورالدین تھا جو خود مرزا جی کی ہی روایت کے مطابق ایک ایسا غلیظ المزاج اور بدبودار شخص تھا کہ جو مدتوں تک نہ نہاتا تھا اور نہ ہی اپنے بال اور ناخن تراشتا تھا۔مگر اس کے گھوڑے پر بیٹھنے کا انداز انتہائی تکبرانہ اور شاہانہ ضرور تھا۔یاد رہے کہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ علیہ ہر اس محفل میں شرکت کرنے سے صاف انکار کر دیتے تھے، جہاں یہ بدبخت شخص مدعو ہوتا تھا۔ایک دن یہ بدبخت گھوڑے پر سوار ہو کے نکلا تو گھوڑے کے بدکنے پر نیچے گرتے ہوئے اپنا ایک پاؤں گھوڑے کی رکاب میں پھنسا بیٹھا۔پاؤں رکاب میں پھنسا رہا اور گھوڑا سرپٹ

دوڑتا ہوا خلیفہ جی کو گھسیٹتا اور اس کی ہڈیاں چٹختا رہا۔ اس حادثے میں نامراد خلیفہ زندہ تو بچ گیا مگر قدرت کو اس منکر ختم نبوت کی عبرت ناک موت زمانے کو دکھانا منظور تھا۔ زخم ناسور کی شکل اختیار کر کے پہلے اذیت ناک اور مابعد جان لیوا ثابت ہوئے۔ سارے قادیانی حکیم اور قادیانیوں کے سرپرست انگریز ڈاکٹرز تک اس بدبخت حکیم کا علاج کرنے میں ناکام رہے۔ اور یوں مرزا قادیانی کا جانشین، یہ خلیفہ اول بسترِ مرگ پر انتہائی دردناک انداز میں ایڑیاں رگڑتے رگڑتے دنیا میں ہی جہنم کا مزہ اور عذاب الٰہی جھیلتے ہوئے اپنے جھوٹے نبی مرزا غلام احمق کی قربت میں مقام ہاویہ کو سدھار گیا۔

3- قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین کا عبرتناک انجام: حکیم نور الدین کے دردناک انجام کے بعد مرزا کا بیٹا مرزا بشیر الدین محمود جانشین ہوا۔ موت سے کافی عرصہ قبل قادیانیوں کا دوسرا خلیفہ مرزا بشیر الدین درجنوں بیماریوں کا شکار ہو چکا تھا۔ زناکاری اور شراب نوشی نے اس کے دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ فالج نے رہی سہی کسر نکال دی تھی۔ اللہ کے عذاب نے اسے کس طرح اپنے جبڑوں میں پھنسا ہوا تھا۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

مرزا بشیر الدین اپنی غلاظت کھاتا تھا: جب مرزا بشیر الدین کی حالت زیادہ بگڑ گئی تو اسے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرے میں پاخانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے پاخانے کا کچھ حصہ کھا جاتا اور کچھ حصہ منہ پر مل لیتا۔ کمرے میں چیختا چلاتا اور ڈراؤنی آوازیں نکالتا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کر دیا کہ مجھے میرے ماں باپ کے پاس قادیان لے چلو۔

مرزا بشیر الدین کا عبرت ناک انجام: انہی لاعلاج اور مہلک بیماریوں کے ہاتھوں سے سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بشیر الدین جہنم واصل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ آخری وقت وہ کتے کی طرح بھونکنے لگ گیا تھا۔ وہ شام کے سات بجے مردار ہوا لیکن اس کی موت کا اعلان رات دو بجے کیا گیا۔ موت کا اعلان سات گھنٹے بعد کیوں کیا گیا؟؟؟ سات گھنٹے تک یہ خبر قصر خلافت سے باہر کیوں نہ آئی؟ وجہ یہ تھی کہ بشیر الدین کئی مہینوں سے نہایا نہیں تھا۔ ناخن، داڑھی اور سر کے بال کٹوائے نہیں تھے۔ اس کے جسم پر غلاظت کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ قادیانی جب اسے ان امور کے بارے میں کہتے ہیں تو وہ ننگی گالیاں دیتا تھا۔ مرنے کے بعد بشیر الدین کے جسم کو رگڑ رگڑ کر دھویا گیا۔ ناخن کاٹے گئے، سر اور داڑھی کے بالوں کو کاٹ کر آراستہ کیا گیا۔ جسم کی بدبو ختم کرنے کے لئے بہترین خوشبو چھڑکی گئیں۔ چہرہ پر پاؤڈر لگایا گیا۔ ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سرخی ملی گئی۔ اس کے علاوہ منہ پر چمک پیدا کرنے والے کیمیکل لگائے گئے اور اس کی چارپائی باہر دالان میں رکھ دی گئی۔

4- قادیانیوں کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد کا عبرتناک انجام: قادیانی جماعت کے خلیفہ دوم کی تدفین کے بعد اس کے عزیز واقارب اور پوری جماعت احمدیہ نے سکھ کا سانس لیا۔ پھر موروثی وراثت اور چندوں کے نام پر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھنے کے خاطر اسی کا بڑا بیٹا مرزا ناصر احمد گدی نشین ہوا۔ یہ گھوڑوں کی ریس کا بڑا شوقین تھا۔ اس شہنشاہی شوق نے چناب نگر سابقہ ربوہ میں گھڑ دوڑ کے دوران ایک غریب شخص کی جان بھی لے لی۔ خلیفہ مرزا ناصر احمد نے ۷۸ سال کی عمر میں فاطمہ جناح میڈیکل کی ایک ۲۷ سالہ طالبہ کو یہ کہتے ہوئے اپنے عقد میں لے لیا کہ ''آج دولہا اپنا نکاح خود ہی پڑھائے گا'' اس ۷۸ سالہ بوڑھے دولہا نے اپنے از کار رفتہ اعضاء میں جوانی بھرنے کے لیے کشتوں کا استعمال شروع کر دیا اور کشتوں کے راس نہ آنے پر خود ہی کشتہ ہو گیا۔ اس کا جسم پھول کر کپا ہو گیا اور آناً فاناً غدائے قہار کے قہر کی گرفت میں آ کر کشتوں ہی کی آگ میں جھلس کر ملک عدم کو سدھار گیا۔

5- قادیانیوں کے چوتھے خلیفہ مرزا طاہر احمد کا عبرتناک انجام: جب مرزا ناصر احمد کی موت کے بعد مرزا طاہر احمد گدی نشین ہوا تو ان کے بڑے سوتیلے بھائی مرزا رفیع احمد خلافت کو اپنا حق سمجھتے ہوئے میدان میں آ گئے۔ مرزا طاہر احمد چاہتے تھے کہ عورتیں صرف احمدی لڑکے ہی پیدا کریں جن میں ذات پات یا نسل کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ قادیانیوں کو ''نرنسل'' پیدا کرنے کی گولیاں دیتے رہے۔ شاید قدرت ان کے ان ہتھکنڈوں پر ہنس رہی تھی دوسروں کو لڑکے دینے والا یہ ڈاکٹر اپنی بیوی کو لڑکا نہ دے سکا اور ان کے اپنے ہاں تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جن سے دنیا حقیقت جان گئی۔ اس کے ذہنی توازن کا یہ حال تھا کہ امامت کے دوران عجیب وغریب حرکتیں کرنے لگتا۔ کبھی باوضو نماز پڑھاتا تو کبھی بے وضو ہی پڑھا دیتا۔ رکوع کی جگہ سجدہ اور سجدہ کی جگہ رکوع۔ کبھی دوران نماز ہی یہ کہتے ہوئے گھر کو چل دیتا کہ ٹھہرو! ابھی وضو کر کے آتا ہوں۔ غرضیکہ اپنے پیشرؤں کی طرح گرتے پڑتے اٹھتے بیٹھتے لیٹتے روتے مرزا طاہر احمد کی بھی بڑی مشکل سے جان نکلی پھر پرستاروں کے دیدار کے لیے جب لاش رکھی گئی تو چہرہ سیاہ ہونے کے ساتھ ساتھ لاش سے اچانک تعفن اٹھا اور ان پرستاروں کو فوراً کمرے سے باہر نکال دیا گیا اور لاش بند کر کے تدفین کے لیے روانہ کر دی گئی۔ لوگوں نے یہ مناظر براہِ راست قادیانی ٹی وی پر دیکھے۔

قادیانیوں سے تعلقات کے بارے میں تمام مکاتب فکر کا متفقہ فتویٰ:-

حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) اللہ تعالی کے آخری نبی اور رسول ہیں۔آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے بعد کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مبارک عقیدے کو "عقیدہ ختم نبوت" کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ قرآن پاک کی سو آیات اور نبی پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی 210 احادیث مبارکہ اس مبارک عقیدے پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالی کی وحدانیت اور تمام نبیوں کی نبوت و رسالت کی صداقت عقیدہ ختم نبوت سے وابستہ ہے۔ اس عقیدہ کا تعلق براہ راست آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی ذات اقدس کے ساتھ ہے- اسی لئے اس کے محافظین سے شفاعت محمدی (خاتم النبیین ﷺ) کا وعدہ ہے۔لیکن آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے بعد کئی بدبختوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے۔انہیں بدبختوں میں ایک مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔اس نے انگریز کے کہنے پر 1901 میں جھوٹی نبوت کا دعوی کر کے فتنہ قادیانیت کی بنیاد رکھی۔

قادیان کے گندے خمیر سے جنم لینے والے اس بدبخت نے اسلام، پیغمبر اسلام (خاتم النبیین ﷺ)، اہل اسلام اور شعائر اسلام کے بارے میں نہایت غلیظ زبان استعمال کی اور دعویٰ کیا کہ محمد رسول (خاتم النبیین ﷺ) دنیا میں دو مرتبہ آئے ہیں پہلی مرتبہ مکہ میں اور دوسری مرتبہ میری شکل میں قادیان میں۔(استغفر اللہ)

انہی کفریہ عقائد کی بناء پر تمام مکاتب فکر کے حضرات مفتیان کرام نے فتویٰ دیا کہ " قادیانی زندیق اور ملحد ہیں"- زندیق اس کافر کو کہتے ہیں جو ظاہرا اسلام کا کلمہ بھی پڑھتا ہو مگر اندرونی طور پر کفریہ عقائد رکھتا ہو اور قرآن و حدیث میں تحریف و تاویل کر کے اپنے کفریہ عقائد کو اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہو۔زندیق کا حکم کافر اور مرتد سے بھی سخت ہے اور اس کی کوئی انسانی حرمت نہیں ہے۔اس لیے مرزائیوں کے ساتھ معاشی و معاشرتی تعلقات مثلاً خوشی و غمی، سلام و کلام، دوستیاں، رشتے داریاں، اٹھنا بیٹھنا سب حرام ہے-اسی طرح مرزائی کی عیادت کرنا، مرجائے جنازے پر جانا، ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا، اس کو ملازم رکھنا یا اس کے ہاں ملازمت کرنا، اس سے خرید و فروخت کرنا یا اس کی مصنوعات کو استعمال کرنا یہ سب حرام ہے، اور قادیانیوں کے ساتھ تعلقات رکھنے والے گمراہ، ظالم اور مستحق عذاب جہنم ہیں۔قادیانیوں کو مسلمان سمجھنے والا یا مسلمانوں سے اچھا کہنے والا بھی کافر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیعہ (رافضی)

شیعہ عقیدہ

شیعہ عقیدہ یہودیوں نے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت پر ضرب لگانے اور امت میں جھوٹے مدعیان کے دعویٰ نبوت اور امامت کا چور دروازہ کھولنے کے لیے گھڑا تھا۔ ان کے عقائد کی تفصیل جاننے کی ضرورت نہیں، البتہ ان کے چند اصول حسبِ ذیل ہیں۔

(1) پہلا عقیدہ (نظریہ اِمامت)

اسلامی عقیدہ میں جو مفہوم، جو حیثیت اور جو مرتبہ ایک مستقل صاحب شریعت نبی کا ہے، ٹھیک وہ مفہوم وہی حیثیت اور وہی مرتبہ شیعوں کے نزدیک اِمام معصوم کا ہے۔ شیعوں کا نظریہ امامت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت اور اسلام کی ابدیت کے خلاف ایک کھلی سازش ہے۔
یعنی " آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد رب تعالیٰ کی طرف سے اِماموں کو معبوث کیا جائے گا۔ اِن کی نبی خاتم النبیین ﷺ کی طرح اطاعت فرض ہے"۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ تک 600 صدیوں کا طویل زمانہ گزر گیا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ھادی معبوث نہیں کیا جاتا۔ دوسری طرف جب ختمِ نبوّت کا آفتاب قیامت تک کے لیے ساری دنیا کو منور کرنے کے بعد رخصت ہوتے ہیں تو شیعہ عقیدے کے مطابق اللہ ایک دن کیا ایک لمحہ کا وقفہ بھی نہیں کرتا بلکہ فوراً ایک اِمام معصوم کو کھڑا کر کے اسے شریعت محمدؐ یہ کے حلال وحرام کو بدلنے اور قرآن کو منسوخ کرنے کا اختیار دے دیتا ہے اور پھر ایک نہیں لگاتار بارہ امام اسی شان کے بھیجتا رہتا ہے۔ پھر اماموں کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے اور بارھواں امام 2 سال کی عمر میں (سرمن رائ) کے غار میں چلا جاتا ہے۔

پہلے پہل اس کی بنیاد بہت سادہ تھی یعنی حضرت علیؓ چونکہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے عزیز ہیں لہذا وہی آپ خاتم النبیین ﷺ کی جانشینی اور خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ نظریہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اِس لیے کہ اسلام نے نسلی امتیازات اور خاندانی غرور کو ختم کیا اور عزت اور شرافت و بزرگی کا معیار تقویٰ پر رکھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ چونکہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں سب سے فائق اور سب کے سرتاج تھے اس لیے وہی جانشینی کے زیادہ مستحق بھی تھے۔
کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت علیؓ سے برسرِ منبر یہ سوال کیا گیا کہ " آپ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد خلیفہ کیوں بنایا"؟

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ " دین کے کاموں میں سب سے اہم تر نماز ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو ہمارا اِمام بنایا تھا، باوجود اس کے میں وہاں موجود تھا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو میری موجودگی کا علم بھی تھا، نماز پڑھانے کے لیے آپ خاتم النبیین ﷺ نے مجھے یاد نہیں فرمایا۔ پس آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے ہمارے دین کی اِمامت کے لیے جس شخص کو منتخب کیا ہم نے دنیا کی اِمامت اور قیادت کے لیے بھی اُس کو چُن لیا۔"

الغرض یہ تھی وہ غلط بنیاد جس پر شیعہ نظریات کی عمارت کھڑی کی گئی۔ ان عقائد ونظریات کے اولین موجد یہودی الاصل منافق تھے۔ (عبداللہ بن سبا اور اُس کے رفقاء کار) جو اسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بُھن کر کباب ہو گئے تھے انہیں اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا رُخ موڑنے کے لیے اِس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ زہریلے نظریات کا بیج بو کر امت اسلامیہ کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے "حُبِّ علی" کے خول میں مکروہ ترین عقائد بھر کر نظریاتی اختلاف کا پہاڑ اسلام کے مرکز پر گرادیا۔

پھر سب سے بڑی بات یہ کہ شیعہ مسلک جن اکابر کو اِمام معصوم کہتا ہے انہوں نے خود کبھی بھی اِمامت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اُن کا دین مذہب اور اُن کا طور طریقہ ان کی عبادت کبھی شیعوں کے اُصول وعقائد کے مطابق نہیں ہوئی بلکہ وہ سب کے سب صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے طریقے پر تھے۔ وہی دین جو آپ خاتم النبیین ﷺ چھوڑ کر گئے تھے اور جس پر ساری دنیا کے مسلمان عمل پیرا ہیں۔ جبکہ شیعہ مسلک کا کہنا یہ ہے کہ اندر سے اُن کے عقائد کچھ اور تھے۔ مگر از راہ تقیہ وہ مسلمانوں کے مطابق عمل کرتے رہے۔ گویا شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اِمام معصوم بنا کر بھیجا بھی تو ایسے لوگوں کو جو دنیا کو کوئی ہدایت نہ دے سکے۔ بلکہ ساری عمر لباس " تقیہ " میں ملبوس رہے۔

(2) دوسرا عقیدہ (صحابہ کرامؓ سے بغض وعداوت)

شیعوں کے نزدیک آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد تمام صحابہ کرامؓ جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی (جن میں خود حضرت علیؓ بھی شامل تھے) وہ نعوذ باللہ اس فعل کی وجہ سے سب کے سب کافر ہو گئے کیونکہ انہوں نے امام معصوم یعنی حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ اِسلام کا دعویٰ تو یہ ہے کہ اِسلام قیامت تک انسانیت کی رہنمائی کے لیے آیا ہے۔ مگر شیعہ عقیدہ یہ کہتا ہے کہ اسلام تو آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد ایک دن بھی نہیں چلا۔ بلکہ پوری کی پوری جماعت جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے 63 سال میں تیار کی تھی اور جن کو اپنے درمیان اور آنے والی اُمت کے درمیان واسطہ بنایا تھا۔ وہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی رحلت کے بعد نعوذ باللہ مرتد ہو گئی۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعیہ مسلک اِسلام کی نفی کا نام ہے۔

تفسیر مظہری میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اُستاد امام شعبیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ

"اگر یہودیوں سے پوچھیں کہ تمہاری امت میں اِفضل لوگ کون ہیں؟ تو وہ فوراً کہیں گے"حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رُفقا اور اُن کے صحابی"۔ اگر عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ تمہاری اُمت میں سب سے بزرگ کون لوگ ہیں؟ تو وہ فوراً بول اُٹھیں گے "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری"۔ لیکن اگر شیعوں سے پوچھو کہ اُمت محمدیہ میں سب سے بدترین مخلوق کون ہیں تو اُن کا جواب ہوگا محمد خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ کرامؓ (نعوذ باللہ)۔

(3) تیسرا عقیدہ (تحریفِ قرآن)

مسلمان تو مسلمان آج تک کسی بد سے بدتر کافر کو بھی یہ کہنے کی جرات نہیں ہوئی کہ مسلمانوں کے پاس "جو قرآن مجید" کے نام سے مقدس کتاب محفوظ چلی آ رہی ہے وہ ٹھیک وہی کتاب نہیں ہے جو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوئی، بلکہ یہ تو صحیفہ عثمانی ہے "اصل تے وڈا قرآن" (اصل اور بڑا قرآن) بارہویں اِمام کے ساتھ کسی نامعلوم غار میں دفن ہے۔

گویا شیعہ مسلک کی صداقت پر ایمان رکھتے ہوئے کوئی شخص قرآن پر ایمان لا ہی نہیں سکتا اور نہ کسی شیعہ کا قرآن کریم پر ایمان لانا ممکن ہے۔

شیعہ مسلک اللہ تعالیٰ کے راستے کے مقابلے میں وہ سب سے پہلا راستہ ہے جو شیطان نے اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے یہودی ایجنٹوں کے ذریعے ایجاد کیا۔ شیعہ مذہب نے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی وفات کے پہلے ہی دن سے اُمت کا تعلق اُس کے مقدس نبی (خاتم النبیین ﷺ) سے کاٹ دیا۔ یہ سب نحوست صحابہ کرامؓ سے بغض اور عداوت کی ہے۔ جس سے ہر مومن کو پناہ مانگنی چاہیے۔

****

معیار حق

سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنے کی ہے، کہ مذھب کے بارے میں کسی بھی قسم کی بحث سے گریز کیا جائے۔ اس لیئے کہ یہ بحث دو قسم کے لوگ کرتے ہیں۔

1۔ **عالم باعمل:** عالم باعمل اپنے علم سے (مناظرہ) سے قائل کرے گا۔

2۔ **جاہل مطلق:** جاہل مطلق کو یہ پرواہ نہیں ہوتی کہ اگر وہ خواہ مخواہ کسی کے مسلک کو برا کہے گا تو وہ اپنے ٹھیک مسلک کو برا کہلوانے کا باعث بنے گا اور گناہ گار ہو جائے گا۔ کسی بھی قوم کا بحث ومباحثوں اور جھگڑوں میں الجھ کر رہ جانا اس کے لئے کسی بھی طرح فائدہ مند نہیں ہوسکتا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ بحث ومباحثوں میں عام طور سے سمجھنے سمجھانے کا جذبہ مغلوب ہوجاتا ہے اور اپنی اپنی بات منوانے کا جذبہ غالب آجاتا ہے۔ بسا اوقات اس بحث ومباحثہ میں حصہ لینے والا اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی عیب جوئی اور ان پر زبان طعن دراز کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرلیتا ہے۔ پھر یہ ساری چیزیں مل کر اسے نہ صرف جذبہ عمل سے محروم کر دیتی ہیں بلکہ اس کی ذہنی ساخت میں قبول حق کی استعداد کم سے کم ہوجاتی ہے۔

سب سے پہلے تو ہمیں یہ جان لینا چاہیئے کہ دین حق کیا ہے؟

دین حق: دین حق وہ پیغام الٰہی ہے جو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے۔ جن پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی نگرانی میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے رفقاء صحابہ کرامؓ نے عمل کیا۔ اور آئمہ مجتہدین کی تشریحات کی صورت میں محفوظ رہا۔

الحمدللہ اس امت کے پاس آج بھی یہ چیزیں بالکل صحیح سالم اسی طرح محفوظ ہیں گویا آج کے لئے ہی یہ دین نازل کیا گیا تھا۔

دوسری بات جس کا سمجھنا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ امت میں دو قسم کے اختلافات ہوتے ہیں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو ان دونوں قسم کے اختلافات کے متعلق مطلع بھی کیا گیا تھا اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں امت کو ہدایات بھی دی تھیں۔

1۔ اجتہادی اختلاف　　　　2۔ نظریاتی اختلاف

اجتہادی اختلاف: پہلی قسم کا اختلاف وہ ہے کہ جو اجتہادی مسائل میں صحابہ کرامؓ، تابعین اور آئمہ مجتہدین کے درمیان رونما ہوا۔ اور جو آج حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اختلاف خود نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے مبارک دور میں کبھی کبھی رونما ہوجاتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک موقعہ پر نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو بنو قریظہ کی بستی میں پہنچنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ پہنچ کر" اتفاق سے وہاں پہنچنے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو دیر ہوگئی۔ اب نماز عصر کا وقت ضائع ہونے کا اندیشہ تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے؟ مشورے میں دو فریق بن گئے۔

1۔ ایک رائے یہ تھی کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے صاف صاف منع فرمایا تھا کہ بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھی جائے۔ تو اب راستے میں نماز پڑھنے کا کیا جواز ہے؟ اس لئے خواہ نماز قضاء ہوجائے مگر ارشاد نبوی خاتم النبیین ﷺ کی تعمیل ضروری ہے۔

2۔ مگر دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اس حکم کا منشاء مبارک یہ تھا کہ ہمیں عصر کا وقت ختم ہونے سے پہلے بنو قریظہ پہنچ جانا چاہیے اور عصر کی نماز وہاں پہنچ کر پڑھنی چاہیے۔ لیکن اب چونکہ غروب سے پہلے ہم وہاں پہنچ نہیں سکتے تو نماز عصر کو قضاء کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اگر ہم سے وہاں پہنچنے میں تاخیر ہوگئی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ اب ہم نماز عصر قضاء کر کے اپنی کوتاہی میں مزید اضافہ کرلیں۔ الغرض پہلے فریق نے ارشاد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں نماز عصر قضاء کرنا گوارہ کیا اور ارشاد نبوی خاتم النبیین ﷺ کے ظاہر سے ہٹنا گوارہ نہ کیا۔ اور دوسرے فریق نے منشاء نبوی خاتم النبیین ﷺ کی تعمیل کو ضروری سمجھا اور راستے میں اتر کر نماز پڑھی اور پھر بنو قریظہ پہنچے۔ جب بارگاہ نبوی خاتم النبیین ﷺ میں یہ واقعہ پیش ہوا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے کسی فریق کو عتاب نہیں فرمایا۔ کیونکہ دونوں فریق ہی منشاء نبوی خاتم النبیین ﷺ کی تعمیل میں کوشاں تھے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں اور یہ اختلاف اجتہادی اختلاف کہلاتا ہے۔ اور یہ اختلاف نہ صرف فطری اور ناگزیر چیز ہے، بلکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس کو رحمت کہا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اختلاف بالکل ٹھیک ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ جس امام (مجتہد) سے اعتقاد ہو اس کے اجتہاد پر عمل کیا جائے اور باقی بزرگوں کے بارے میں ادب واحترام

کو ملحوظ رکھا جائے۔ کیونکہ یہ مجتہد حضرات تمام اعلیٰ درجہ کے عالم دین بھی تھے اور صاحب باطن عارف باللہ بھی۔ بعد کے لوگوں میں سے کوئی شخص نہ ان کے پائے کا عالم ہوا اور نہ ہی نور معرفت میں کوئی ان کی ہمسری کر سکا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے اکابر اولیاء کرام مثال کے طور پر حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ، حضرت معین الدین چشتیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، اور مجدد الف ثانیؒ سب ان آئمہ مجتہدین (اماموں) کے پیروکار ہوئے یا مقلد ہوئے یا تقلید کرنے والے۔

نظریاتی اختلاف: دوسری قسم کا اختلاف نظریاتی اختلاف کہلاتا ہے۔ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے امت میں نظریاتی اختلاف (عقائد میں اختلاف) کے رونما ہونے کی پیش گوئی فرمادی تھی اور اس اختلاف کو ناپسند فرمایا تھا۔ صرف ایک جماعت حقّہ کے علاوہ باقی سب کو دوزخ کی وعید سنائی تھی۔

اس اختلاف میں حق و باطن کے پہچاننے کا معیار آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ معین فرمایا کہ جو شخص یا جو گروہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے طریقے پر قائم ہے اور جس طریقہ پر آپ خاتم النبیین ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی عمل پیرا رہے۔ وہ جماعت حق پر ہے اور وہ گروہ جو اس کے خلاف چلے وہ باطل ہے۔ گویا معیار حق حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا راستہ ہے اور اس پر اہل سنت والجماعت قائم ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے دو گروہ ہیں: **1۔ اہل سنت والجماعت بریلوی** **2۔ اہل سنت والجماعت دیوبندی**

ان دونوں گروہوں میں کسی قسم کا اجتہادی اور نظریاتی اختلاف نہیں ہے ایک اور گروہ ہے جو وہابی یا اہلِ حدیث کہلاتے ہیں۔ یہ تقلید کے قائل نہیں ہیں اور اپنے آپ کو وہابی کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم طریق رسول خاتم النبیین ﷺ اور طریق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے بعض عقائد و اعمال شرکیہ ہیں اور بدعت ہیں۔ مثال کے طور پر علم غیب، حاظر و ناظر، حیات الانبیاء و شہداء، سماع، ندا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، انبیاء اور اولیاء کو مدد کے لیے پکارنا، میلاد شریف، سلام و قیام، گیارہویں، بارہویں، عرس، تیجہ، چالیسواں، فاتحہ درود، دعا بعد نماز جنازہ، وسیلہ توسل، قبروں اور اولیاء کے مزارات پر حاضری، کھانا پکا کر اور قرآن پڑھ کر مردوں کو ثواب پہنچانا، نبیوں اور ولیوں سے نسبت رکھنے والی چیزوں اور تبرک یا تبرکات کا ادب و احترام، قبروں کو بوسہ دینا، نماز میں مقتدیوں کا آہستہ آمین کہنا۔ مقتدی کا سورۃ فاتحہ کی تلاوت نہ کرنا، نماز میں رکوع و سجود میں رفع یدین نہ کرنا۔ نماز تراویح کی بیس رکعات پڑھنا، تین طلاقوں کو ایک نہ ماننا۔ اذان میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا، بزرگوں اور ولیوں کے ہاتھ پاؤں چومنا۔ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے وغیرہ کرنا۔

اہل حدیث کا کہنا ہے کہ یہ باتیں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے عقائد و نظریات کے خلاف ہیں ان کے افکار اور اعمال کے خلاف ہیں اور یہ سب کام اہل سنت والجماعت کرتے ہیں تو چونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا وہ جماعت حق پر ہوگی۔

وَمَا اَنَا عَلَیهِ وَ اَصحَابِی ترجمہ: ''جس پر میں اور میرے صحابی ہیں''

اہل حدیث کا کہنا ہے کہ یہ تمام اعمال بدعت ہیں لہٰذا ان پر عمل کرنے والے معاذ اللہ جہنمی ہیں۔

اب ہم اس حدیث کو بیان کرتے ہیں جس میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ناجی فرقہ (نجات یافتہ) کے بارے میں بتایا۔

حدیث: ۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان میں سے سوائے ایک کے سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ وہ ایک گروہ کون سا ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں''۔ (جامع ترمذی، مشکوۃ باب الاعتصام صفحہ 30)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرامؓ ہمارے ایمان کی کسوٹی ہیں۔ جن کا ایمان ان جیسا ہوگا جن کے عقائد و نظریات ان جیسے ہوں گے وہ حق پر ہے اور جنتی ہے۔ وہ گروہ جو ان کے عقائد و نظریات پر نہیں وہ جہنمی ہے۔ اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت طریق صحابہ رضی اللہ عنہ پر ہیں۔

حدیث نمبر ا۔ علم غیب کے بارے میں

ترجمہ: ۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سورج ڈھلتے ہی باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز ادا فرمائی جب سلام پھیرا تو منبر پر کھڑے ہوگئے۔ اور قیامت کا ذکر کیا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں۔ پھر فرمایا ''جو شخص بھی کسی بھی چیز کے متعلق سوال کرنا چاہے وہ سوال کرے خدا کی قسم جب تک میں اس جگہ یعنی منبر پر ہوں۔ تم جو بھی بات مجھ سے پوچھو گے میں تمھیں بتاؤں گا'' حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ یہ سن کر لوگ رونے لگے (حضور پاک خاتم

النبیین ﷺ غصے سے کانپ رہے تھے)۔آپ خاتم النبیین ﷺ بار بار یہی فرما رہے تھے کہ جو کچھ بھی پوچھنا چاہو پوچھ لو پھر ایک شخص (منافق) جو بظاہر مسلمان بنا ہوا تھا اس نے پوچھا میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تیرا ٹھکانہ دوزخ ہے'' پھر حضرت حزیفہؓ اٹھے اور پوچھا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرا باپ کون ہے؟ (یعنی لوگ میرا باپ کسی اور کو بتاتے ہیں آپ بتائیں میرا حقیقی باپ کون ہے؟) آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تیرا باپ حزیفہ ہے'' پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے بار بار کہا جو پوچھنا چاہو پوچھو؛ حضرت عمرؓ (آپ خاتم النبیین ﷺ کا غصہ دیکھ کر) بڑے ادب سے دوزانو ہو کر بیٹھے اور کہنے لگے ''ہم اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد خاتم النبیین ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں''۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عمرؓ کی بات سنی تو خاموش ہو گئے (یعنی آپ خاتم النبیین ﷺ کا غصہ ختم ہو گیا)۔(صحیح بخاری جلد دوم کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ 1083 تفسیر خازن)

بخاری کی اس صحیح حدیث مبارکہ سے چند باتیں واضح ہو گئیں:

1۔ایک تو یہ کہ یارسول اللہ کہنا شرک و بدعت یا حرام نہیں ہے۔

2۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا 'سلو نی' یعنی جو چاہے پوچھ لو۔یہ الفاظ وہی استعمال کرسکتا ہے جس کو ہر چیز کا علم ہو اور ہر شے کی خبر ہو۔

3۔تیسرے یہ کہ اللہ تعالی نے مغیبات خمسہ یعنی پانچ قسم کے غیب کا علم مثلاً کل کیا ہوگا؟ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ بارش کب ہوگی؟ قیامت کب آئے گی؟ نفس کل مجھ سے کیا کام کروائے گا؟ اس کا علم سوائے اللہ تعالی کے کسی کو نہیں ہوتا۔ان باتوں کا علم بھی اللہ تعالی نے اپنے محبوب خاتم النبیین ﷺ کو عطا فرما دیا ہے۔کیونکہ اس **حدیث** میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کے نسب کو بیان فرمایا ہے۔جس کا تعلق ماں کے پیٹ والے مسئلے سے ہے اور دوسرے منافق کے جواب میں فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔اس کا تعلق کل کیا ہوگا والے مسئلے سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے پانچ علوم غیبیہ سے بھی اپنے محبوب خاتم النبیین ﷺ کو سرفراز فرما دیا ہے۔

حدیث نمبر ۲۔ ہر جگہ نظر مبارک

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا منہ ادھر قبلہ کی طرف ہے۔اللہ کی قسم تمھارا رکوع اور تمھارا خشوع بھی مجھ پر پوشیدہ نہیں اور میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں'' (صحیح البخاری کتاب الاذان، باب الخشوع فی الصلوۃ جلد اول صفحہ 102 **قدیمی** کتب خانہ)

1۔اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا آپ خاتم النبیین ﷺ ہم جیسے بشر نہیں ہیں۔

2۔ہماری آنکھیں صرف سامنے دیکھ سکتی ہیں اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی نگاہوں سے کوئی چیز اوجھل اور مخفی نہیں ہے۔

3۔خشوع وخضوع دل کی ایک کیفیت ہے۔تو اللہ تعالی نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اتنی وسیع نگاہ عطا فرمائی کہ جو دل کے حال اور قلب کی کیفیت تک کو دیکھ سکتی ہے اور اب یہ ثابت ہو گیا کہ جب خشوع وخضوع جیسی خفیہ چیز اور دل کی کیفیت آپ خاتم النبیین ﷺ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے تو پھر دنیا کی کوئی شے نبی خاتم النبیین ﷺ کی نگاہ سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی۔

حدیث نمبر ۳۔ حاظر و ناظر

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ اقدس میں سورج گرہن ہوا آپ خاتم النبیین ﷺ نے نماز خسوف پڑھی صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم نے دیکھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے نماز میں اپنی جگہ پر رہ کر کوئی چیز پکڑی۔پھر ہم نے دیکھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ پیچھے ہٹے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں نے جنت کو دیکھا تو میں نے اس میں سے خوشہ لینے لگا۔اگر میں لے لیتا تو جب تک دنیا قائم ہے تم اسے کھاتے رہتے۔'' (صحیح البخاری کتاب الاذان باب رفع بصرالی الامام جلد اول صفحہ 103 قدیمی کتب خانہ)

مندرجہ بالا حدیث میں دیکھیے کہ جب مدینہ میں رہ کر آپ خاتم النبیین ﷺ کا دست مبارک ساتوں آسمانوں کے اوپر جنت کے باغوں تک پہنچ سکتا ہے تو وہ ہاتھ ہم مشکل میں پھنسے ہوئے غلاموں کی مدد کو کیوں نہیں پہنچ سکتا؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا امتی جہاں سے بھی فریاد کرے گا یہ ہاتھ وہاں پہنچ کر اس کی فریاد رسی کرے گا۔یہ معمولی ہاتھ نہیں ہے، یہ وہ ہاتھ ہے جس کو قرآن پاک میں اللہ تعالی نے 'اپنا ہاتھ' فرمایا ہے۔جب یہ اللہ تعالی کا ہاتھ ہوا تو اس کی طاقت سے کونسی شے باہر رہ سکتی ہے۔

اس کو علماء کی اصطلاح میں حاظر وناظر کہتے ہیں۔عالم کی ہر ایک چیز پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تصرف فرما سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۔ یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کہنا جائز ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے تو (تشھد میں یوں کہتے تھے) جرائیلؑ پر سلام، میکائیلؑ پر سلام، فلانے پر سلام۔ پھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہماری طرف منہ کیا اور فرمایا۔(تم اللہ کو کیا سلام کرتے ہو اللہ کا نام ہی سلام ہے)۔ جب تم میں سے کوئی بھی نماز پڑھے تو یوں کہے اَلتَحِیَاتُ لِلّٰہِ وَ الصَّلوٰاتُ وَ الطَّیِبَاتُ اَلسَّلامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیُ وَ رَحمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہ ہ اَلسَّلَامُ وعَلَینَا وَ عَلیٰ عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِین جب تم یہ کہو گے تو تمہارا سلام آسمان اور زمین میں جہاں کوئی اللہ کا بندہ ہے اس کو پہنچ جائے گا۔

اَشھَدُ اَن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشھَدُ اَن مُحَمَّداً عَبدُہ وَ رَسُولُہ

اس حدیث میں التحیات میں السلام علیک ایھا النبی کہنے کے لیے کہا گیا ہے۔اب دیکھئے کہ "اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیَ" اور "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کے ایک ہی معنی ہیں۔اور اس حدیث میں خود حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اپنے امتیوں کو نماز کے اندر اس کے پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں۔معلوم یہ ہوا کہ الصلوٰۃ والسلام وعلیک یا رسول اللہ کے الفاظ سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر درود بھیجنا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا نہ شرک ہے نہ بدعت ہے بلکہ یہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے فرمان پر عمل کرنا ہے۔ "السلام علیک ایھا النبی" کے معنی ہیں اے نبی آپ خاتم النبیین ﷺ پر سلام۔ان الفاظ کے ساتھ اس کو سلام کیا جاتا ہے جو حاظر ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا جو امتی جہاں سے بھی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر ان الفاظ میں سلام بھیجتا ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اس کے پاس ہوتے ہیں۔یہی مفہوم ہے حاضر وناظر ہونے کا۔(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب التشھد فی الاخرۃ، جلد اول صفحہ 115 قدیمی کتب خانہ)

حدیث نمبر ۵۔ اختیارات رسول خاتم النبیین ﷺ

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس رات کو خدمت اقدس میں حاضر رہتا تھا۔ایک رات میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے لیے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لے کر حاضر ہوا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے مجھ سے فرمایا 'مانگ کیا مانگتا ہے ؟' میں نے عرض کیا ''میں آپ خاتم النبیین ﷺ سے جنت میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی سنگت مانگتا ہوں'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اس کے علاوہ کچھ اور بھی چاہیے؟'' میں نے عرض کیا ''میری تو بس یہی مراد ہے''، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اپنی جان پر سجدوں کی زیادتی سے میری مدد کرو'' (صحیح مسلم مشکوۃ المصابیح باب سجود و)

مندرجہ بالا حدیث میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت ربیعہ سے فرمایا ''سل'' یعنی مانگ۔یعنی مانگنے میں کوئی قید نہیں لگائی کچھ بھی مانگ لو۔اس سے معلوم ہوا کہ ساری کائنات حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے قبضہ اور اختیار میں ہے۔جس کو چاہے جو چاہیں عطا فرما سکتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضرت ربیعہ نے عرض کیا کہ میں آپ سے جنت میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا ساتھ مانگتا ہوں۔تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ شرک کی بات کر رہے ہو۔اللہ سے مانگو۔اس سے معلوم ہوا کہ نبیوں اور ولیوں کو اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قدرت سے دینے والا سمجھ کر اس سے مانگنا شرک نہیں بلکہ یہ تو صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کے سنت ہے اور اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ کی مہر تصدیق ثبت ہے۔

حدیث نمبر۶ :- نبی خاتم النبیین ﷺ تقسیم کرنے والے اور اللہ تعالی دینے والے ہیں۔

ترجمہ:- حضرت حمید بن عبد الرحمانؒ نے کہا کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطبہ میں سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے سنا آپ خاتم النبیین ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ کو جس کی بھلائی منظور ہوتی ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔اللہ دیتا ہے اور یہ جماعت (اسلام) ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی۔دشمنوں سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا یہاں تک کے اللہ تعالی کا حکم آجائے۔(قیامت)

مندرجہ بالا حدیث میں 'واللہ یعطی' (اللہ دیتا ہے) میں کوئی قید نہیں ہے اس طرح 'انا قاسم' (میں تقسیم کرتا ہوں) میں بھی کوئی قید نہیں دونوں مطلق ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ جو کچھ بھی دیتا ہے وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھوں دلواتا ہے۔خواہ وہ علم ہو، دولت ہو، مال اولاد ہو، عزت وشوکت ہو، کامیاب وکامرانی ہو،

سلطنت ہو۔ بادشاہت ہو، ولائیت ومعرفت ہو، نبوت ورسالت ہو۔ الغرض جونعمت اللہ تعالی کسی کو بھی عطا فرماتا ہے وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے عطا فرماتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ دین ودنیا کی نعمت کا بھی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے سوال کرنا اور یہ کہنا یا رسول اللہ مجھے یہ عطا کردیجیے ایسا کہنا نہ حرام ہے نہ شرک و بدعت۔ مانگنے والے کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالی دینے والے ہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ تقسیم کرنے والے۔ ساری کائنات کو ہر نعمت آپ خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے ہی ملتی ہے۔

حدیث نمبر ۷:- حیات الانبیاء

ترجمہ:- حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ یہ یوم مشھود ہے۔ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے خواہ وہ بندہ کہیں بھی ہو ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا آپ خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے بعد بھی، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہاں میرے وصال کے بعد بھی، کیونکہ اللہ تعالی نے زمین پر انبیاء کرامؑ کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے---- مندرجہ بالا حدیث کو محدثین نے صحیح اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے (سنن ابن ماجہ، طبرانی، ترغیب، جلاء الافہام، ابن قیم جوزیہ صفحہ ۷۴)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ وصال بعد بھی جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اور اسی طرح سنتے ہیں جس طرح ظاہر حیات میں سنا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۸۔ غیب کا علم

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ان دونوں کو کسی بڑی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے، ان میں سے ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا'' پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے کھجور کی ایک سبز ٹہنی لی اور اس کو بیچ میں سے چیر کر اس کے دو حصے کر دیئے اور ہر قبر پر ایک حصہ گاڑ دیا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں سرسبز رہیں گی ان کا عذاب ہلکا رہے گا'' (صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۳۵)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو غیب کا کتنا وسیع علم دیا گیا تھا کہ منوں مٹی تلے قبروں کے اندر بھی دیکھ رہے تھے اور یہ بھی کہ عذاب کیوں ہو رہا ہے اور ان لوگوں نے زندگی میں کیا کیا گناہ کیے تھے۔ یعنی زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے کوئی واقعہ قیامت تک ہونے والا نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۹۔ یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کہنا جائز ہے

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہجرت کر کے مدینے میں داخل ہوئے تو مرد اور عورتیں گھروں پر چڑھ گئے، بچے اور غلام گلی کوچوں میں بکھر گئے اور نعرے لگاتے تھے یا محمد یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، یا محمد یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ (صحیح مسلم۔ جلد دوم باب فی حدیث الہجرۃ صفحہ ۴۱۹)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نعرہ یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ لگانا بدعت نہیں ہے بلکہ یہ تو صحابہ رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۔ ایصال ثواب

ترجمہ:- حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کی عدم موجودگی میں فوت ہوگئیں، تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میری ماں کا انتقال میری عدم موجودگی میں ہوگیا ہے اگر میں کوئی چیز ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا انہیں اس کا فائدہ ہوگا؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ہاں''۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا 'مخراف' باغ ان پر سے صدقہ ہے (صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۳۸۷، نسائی کتاب الاوحیایا، ترمذی الذکوۃ صفحہ نمبر ۸۵)

مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ مالی عبادات صدقہ وخیرات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔ لہذا جب اس ''مخراف'' باغ کا ثواب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو پہنچ سکتا ہے تو جب ہم گیارہویں، بارہویں، تیجہ، چالیسواں، شب معراج، شب براءت وغیرہ میں جو مختلف قسم کے کھانے اور پھل وغیرہ رکھتے ہیں تو ان کا

ثواب بھی ہمارے مرحومین کوضرور پہنچ جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی حلال غذا پر غیر کا نام لینے سے وہ حلال غذا احرام نہیں ہوجاتی۔ دیکھئے اس باغ پر اس کے پھل پر یہ کہنے سے کہ وہ باغ میں نے اپنی ماں پر صدقہ کیا کوئی چیز (اس باغ کی) حرام نہیں ہوگئی۔

چنانچہ دوسری ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے ان کے لئے کون ساصدقہ افضل ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''پانی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھدوایا اور فرمایا کہ یہ سعد رضی اللہ عنہ کی ماں کے لئے ہے''۔

معلوم ہوا کہ انواع اقسام کے طعام اور پھل فروٹ کے علاوہ پانی جیسی عام چیز کا ثواب بھی مردوں کو پہنچ جاتا ہے،لہذا محرم میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر جو شربت کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں یقیناان کا ثواب ان حضرات کی بارگاہ میں ضرور پہنچ جاتا ہے۔ بلکہ ایسا کھانا اور پانی برکت والا ہوجاتا ہے کیونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا عِندَ ذِکرِ الصَالِحِین تَنزَلَ الرَحمَۃ

صالحین کے ذکر کے وقت اللہ تعالی کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔اس لئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ان کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا کرتے تھے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی طرف سے مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے اگر یہ ثواب نہ پہنچتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسنین کریمین ایسا کیوں کرتے؟

حدیث نمبرا ا۔سفر بنیت روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ ثواب کا باعث ہے۔

ترجمہ:۔حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی قبرانور کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا ''السلام علیکم یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں نے اللہ سے سنا ہے کہ وہ فرماتا ہے کہ اگر انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس آئیں اور اللہ تعالی سے بخشش طلب کریں،تو وہ اللہ تعالی کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے لہذا اب میں اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہوئے اپنے رب سے آپ خاتم النبیین ﷺ کو شفیع اور سفارشی بناتے ہوئے،آپ خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں'' پھر اس نے یہ شعر پڑھے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''ساری مخلوق سے بہتر جن کا جسم مبارک مٹی میں مدفون ہوا پس ان کی خوشبو سے ٹیلے اور میدان مہک اٹھتے ہیں۔میری جان قربان اس قبرانور پر۔جس میں آپ خاتم النبیین ﷺ جلوہ افروز ہیں،اس قبر میں تو مجسم پاکیزگی، سخاوت اور شرافت ہے'' یہ عرض کرنے کے بعد وہ اعرابی لوٹا تو حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میری آنکھ لگ گئی،میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اے عقبہ رضی اللہ عنہ اس اعرابی کو خوشخبری سنا دو کہ اللہ تعالی نے اسے معاف کردیا ہے(تفسیر ابن کثیر، المعروف،الامام نووی صفحہ ۴۹۸،المغنی جلد ۳ صفحہ ۵۵۶،الشرح الکبیر الا بن قدامہ جلد ۳،صفحہ ۴۹۵،مفاہم صفحہ ۷۲)

اس حدیث مبارکہ سے بہت سی باتیں واضح ہوگئیں

نمبرا۔وہ اعرابی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کے لئے دور دراز سے آیا تھا،لہذا ثابت ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے روضہ انور کی زیارت کے لئے سفر کرنا وہاں جانا نہ صرف جائز ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔کیونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے خود فرمایا کہ ''جو میری زیارت کے لئے آیا اور اسے میری زیارت کے علاوہ کوئی حاجت نہیں تھی تو مجھ پر لازم ہوگیا کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں''(الطبرانی فی الاوسط والکبیر)

نمبر۲۔دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالی نے خود حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ پکڑنے کی ہدایت ہے۔

اللہ تعالی نے خود فرمایا ہے ''اور یہ لوگ جو اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو اے محبوب! تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ تعالی سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ تعالی کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے ''(سورۃ النساء آیت نمبر ۶۴)

حدیث نمبر ۱۲۔محفل میلاد

ترجمہ:۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جب اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھ کو ان میں سے بہترین گروہ میں شامل فرمایا پھر قبائل بنائے تو مجھے بہترین قبیلہ عطاء فرمایا اور پھر جب گھرانے بنائے تو مجھے اعلی گھرانہ عطاء فرمایا،میں از روئے ذات اور گھرانے کہ سب سے افضل ہوں''۔

مندرجہ بالا حدیث میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنی ولادت اور اپنے خاندان کا ذکر فرمایا اور اس کو محفل میلاد کہتے ہیں۔معلوم ہوا کہ محفل میلاد منانا اور اس میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ولادت، حالات اور واقعات بیان کرنا، یہ خود حضور خاتم النبیین ﷺ کی سنت مبارکہ ہے اور جو اب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سنت پر عمل کرے گا وہ معاذ اللہ گناہ گار نہیں ہو گا بلکہ اجر و ثواب کا مستحق اور اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کا قرب حاصل کرے گا، لہٰذا محفل میلاد قرب خدا اور قرب مصطفی خاتم النبیین ﷺ کا باعث ہے۔

حدیث نمبر ۱۳:۔ مزارات پر گنبد وغیرہ یا کوئی عمارت بنانا یا مزار کو پکا کرنا

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مزارات پر گنبد وغیرہ یا کوئی عمارت بنانا یا مزار کو پکا کرنا جائز نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا مزار مبارک پکا بنا ہوا ہے اور اس پر سبز گنبد اور پوری عمارت آج تک موجود ہے۔اس کے علاوہ مختلف ملکوں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین، آئمہ مجتہدین اور صالحین کے مزار پر گنبد وغیرہ ہیں۔حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کی زوجہ محترمہ نے ایک سال تک ان کی قبر پر قبہ بنائے رکھا، اس وقت موجود تمام صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے دیکھا لیکن کسی نے بھی منع نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ مزار پر گنبد وغیرہ بنانا حرام نہیں ہے (بخاری کتاب الجنائز، مشکوۃ باب البکاء علی المیت)

اس لیے احناف کے بڑے بڑے آئمہ مثلاً ملا علی قاریؒ، صاحب طحاویؒ اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مزارات اولیاء پر ان کی عظمت کے اظہار کے لئے قبے اور گنبد وغیرہ بنانے کو جائز لکھا ہے (روح البیان، مرقاۃ، اشعۃ للعمات طحاوی صفحہ ۳۳۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک پر قبہ بنایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر قبہ بنایا (من تقا، شرح موطا، بدائع والصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ عینی شرح بخاری)

مصر، شام، عراق وغیرہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور اولیائے کرامؒ کے مزارات پر غلاف اور چادریں چڑھی ہوئی ہیں، اس لئے فقہ حنفی کی معتبر کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ اولیائے کرامؒ کی تعظیم کی نیت سے ایسا کرنا جائز ہے۔ (شامی جلد ۵، کتاب الکرایت، باب اللباس)

حدیث نمبر ۱۴:۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نور ہیں

اللہ نور ہے، قرآن پاک نور ہے، حضرت جبرائیلؑ نور ہیں اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ تو ایسا نور ہیں، جو خود بھی روشن ہیں اور دوسروں کو بھی روشن کر رہے ہیں۔

آپ خاتم النبیین ﷺ کا شرح صدر چار مرتبہ ہوا، نہ خون نکلا نہ تکلیف ہوئی، آپ خاتم النبیین ﷺ پر کبھی نوری غلبہ طاری ہو جاتا تھا کبھی بشری، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کا لقب عطاء فرمایا ایسا کیوں فرمایا، اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی دو صاحبزادیاں آئیں تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بیٹیوں سے نسبت پا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دو نور والے بن گئے، اب ایسا کوئی فرقہ نہیں ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین نہ مانتا ہو۔اب اگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو نور نہ مانا جائے تو حضرت عثمان ذوالنورین کیسے ہوئے؟

حدیث نمبر ۱۵:۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نور ہیں

حضرت عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا کہ ' آپ خاتم النبیین ﷺ کی ولادت کے وقت میں نے دیکھا کہ مجھ سے نور نکلا جسکی وجہ سے شام کے محلات (مجھ پر) روشن ہو گئے' (مسند احمد، دارمی، حاکم، بیہقی، ابونعیم خصائص کبری، جلد نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۶۴)

سب سے پہلے اللہ تعالی نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا اور ۱۲ ربیع الاول کو وہ نور انسانی لباس اور بشری پیکر میں جلوہ گر ہو گیا۔

حدیث نمبر ۱۶:۔ قیامت تک کے حالات کو جاننا

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالی نے روئے زمین کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا اور میں اس کو اور اس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔ (زرقانی)

حدیث نمبر ۱۷:۔ حدیث تبرکات کی برکات

سیدہ اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا جبہ مبارک ہے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، ان کے وصال کے

بعد جبہ میں نے حاصل کرلیا۔رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اس جبہ کوزیب تن فرمایا کرتے تھے۔اس جبہ کوہم بیماروں کے لئے دھوتے ہیں (دھوکر پانی حاصل کرتے ہیں)اس (پانی) کی برکت سے بیماروں کوشفاء حاصل ہوتی ہے۔(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ نمبر ۱۹،مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۷۴،مصابیح السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۹۲)

۲) حضرت ام سلمہؓ کے پاس حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بال مبارک تھے جس کو وہ ایک چاندی کی ڈبیا میں بڑے ادب سے رکھا کرتی تھیں،اور جب کوئی بیمار یا جس کونظر لگ گئی ہوان کے پاس آتا تھاتواس ڈبیہ کو پانی میں ہلا کروہ پانی اس کو پلا دیا کرتی تھیں جس سے اس کوشفاء ہوجایا کرتی تھی۔(مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۱، بخاری جلد ۲، صفحہ ۸۷۰) ثابت ہوا کہ ان تبرکات کی برکت اوران کے وسیلے سے بیماریاں دورہوتی ہیں مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔

حدیث نمبر۱۸۔ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی

ترجمہ:۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ’’رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا بس آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں سنت کی تعلیم دی اورنماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا، پس حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اپنی صفوں کودرست کرلو پھرتم میں سے ایک شخص تمھاراامام بنے۔ جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہوجب امام پڑھے تم خاموش رہواور جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے توتم آمین کہو‘‘۔

(صحیح مسلم جلد ۱صفحہ ۱۷۴،ابوداؤدجلد ۱صفحہ ۱۴۰،ابن ماجہ ۶۱،بیہقی ۲ صفحہ ۱۵۵،مشکوٰۃ صفحہ ۸۱)

حدیث نمبر۱۹ ۔ آمین آہستہ کہنا آپ خاتم النبیین ﷺ سے ثابت ہے۔

ترجمہ:۔حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اپنے والدگرامی حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور جب آپ خاتم النبیین ﷺ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہا اوراس میں آواز بہت مخفی اور پوشیدہ رکھی (مسند احمد،ابوداؤد،ابویعلی،دارقطنی،حاکم)

حدیث نمبر۲۰:۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’جب امام ولا الضالین کہے تو آمین کہو، پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اسکے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے‘ (صحیح بخاری جلد ۱،صفحہ ۱۰۸،نسائی جلد ۱،صفحہ ۹۴،ابوداؤدجلد اول صفحہ ۴۹)

اب ظاہر ہے کہ فرشتے پکارکر بلندآواز سے آمین نہیں کہتے ، ورنہ ہمیں بھی ان کی آواز آتی۔اب جو پست آواز سے آمین کہے گا، وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اس خوشخبری کا مستحق رہے گا اسکے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

چنانچہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اورحضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں بسم اللہ الرحمان الرحیم اوراعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اورآمین تینوں چیزیں بلندآواز سے نہیں کہتے تھے (مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۸)

عینی شرح ہدایہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت مذکور ہے۔

اب اگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا طریقہ بلندآواز سے آمین کہنے کا ہوتا تو خلفائے راشدین بھی اس عمل کو ترک نہ فرماتے۔لیکن انہوں نے ہمیشہ آہستہ آواز میں آمین کہی تو معلوم ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا طریقہ مبارک آہستہ آواز سے آمین کہنے کا تھا۔

حدیث نمبر۲۱:۔ رفع یدین صرف تکبیراولیٰ کے وقت ہے

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہمارے پاس (جب ہم نماز پڑھ رہے تھے) تشریف لائے (ہم نماز میں رفع یدین کررہے تھے) آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا’’میں تم کونماز میں شریر گھوڑوں کی طرح رفع یدین کرتے کیوں دیکھتا ہوں؟ نماز میں سکون اورطمانیت اختیار کرو‘‘۔(صحیح مسلم جلد ۱،صفحہ ۱۸۱،ابوداؤدصفحہ ۱۵۰،نسائی صفحہ ۱۷۶،مسند احمد جلد ۵،صفحہ ۹۳،طحاوی جلد ۱صفحہ ۱۵۰)

محدث ابوبکر بن عیاشؒ فرماتے ہیں’’میں نے خیرالقرون میں کسی بھی دین کی سمجھ رکھنے والے کوکہیں بھی رفع یدین کرتے نہیں دیکھا‘‘ (طحاوی صفحہ ۱۳۴)

حدیث نمبر۲۲: ۔آذان میں انگوٹھے چوم کراپنی آنکھوں پرلگانا

ترجمہ:۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا’’جوشخص اذان میں ہمارانام سن کرانگوٹھے اپنی آنکھوں پرلگائے توہم اس کوقیامت کی صفوں میں تلاش کریں گے اور

اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے‘‘(بحوالہ کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ، کتاب الفردوس، شامی جلد باب الاذان، صفحہ ۲۷۰، حواشی بحر الرائق، صلوٰۃ مسعودی ج ۲، باب بستم بانگ نماز)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے وقت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا بڑی فضیلت کی بات ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب شامی میں اس عمل کو مستحب لکھا ہے۔ انگوٹھے چومنے کی فضیلت میں تفسیر روح البیان میں ہے کہ جنت میں حضرت آدمؑ کو حضور خاتم النبیین ﷺ کی زیارت مبارک کا شوق ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے التجاء کی تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا نور چمکایا، حضرت آدمؑ نے انگوٹھے کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ جب حضرت جبرائیلؑ نے حضور خاتم النبیین ﷺ کو اس بات کی خبر دی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان میں میرا نام سُن کر ایسا کرے گا وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔(تفسیر روح البیان جلد 4 صفحہ 649)

علماء فرماتے ہیں کے جو شخص ایسا کرے گا اذان کے وقت اُس کے گناہوں کی بخشش اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی شِفاعت کے علاوہ دنیاوی فائدہ اس کو یہ حاصل ہوگا کہ وہ نہ کبھی اندھا ہوگا اور نہ ہی کبھی اُس کی انکھیں دُکھیں گی۔(بمقاصدِحسنہ صفحہ 181)

انگوٹھا چومنے کی فضیلت میں ایک یہ حدیث بھی آئی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اذان میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا نام سنتے ہی اپنے ہاتھوں کی اُنگلیوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے گا اُس کے لیے میری شِفاعت واجب ہو گئی‘‘۔ (ویلمی فی الفردوس، مقاصدِ حسنہ امام طحاوی)

اس روایت کو فقہِ حنفی کی معتبر کتاب طحاوی میں نقل کرنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ اسی طرح کی روایت حضرت خضرؑ سے بھی منقول ہے۔ فضائل اعمال میں ان احادیث پر عمل کیا جاتا ہے۔(طحاوی علیٰ مراقی الفلاح میں 111) یعنی اگر بالفرض مرفوع احادیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو تو بھی کوئی خرج نہیں کیونکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ اس بارے میں وہ احادیث جو موقوف ہیں، یعنی جو حضرت ابوبکرؓ سے منقول ہیں ان پر تو ضعف کا اعتراض بھی نہیں ہے۔ لہٰذا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میرے خلفاء کی سنت کو لازمی پکڑ لو "اس پر عمل کرتے ہوئے انگوٹھے چومنا بھی صحابہؓ کی سنت ہوا۔ اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے حکم کی تعمیل ہوئی۔

حدیث نمبر۲۳ : ۔آذان سے پہلے یا آذان کے بعد درود شریف پڑھنا۔

ترجمہ:"نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’جب تم موذن کی آواز سنو تو جو کچھ اُس نے کہا وہی تم بھی کہو پھر مجھ پر درود پڑھو، پس جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اُس پر دس رحمتیں بھیجے گا‘‘ (صحیح مسلم صفحہ 66، مشکوۃ 64)۔

محدث علامہ ابن سنیؒ نے اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے یہ باب باندھا ہے کہ "صلاۃ علی النبی خاتم النبیین ﷺ عندالاذان "۔یعنی آذان کے وقت درود شریف اَب خواہ آزان سے پہلے یا آذان کے بعد درود شریف پڑھنا۔ کیونکہ قرآنِ پاک میں یہ ہے: "یٰاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُو اصَلُّو اعَلَیهِ وَسَلِّمُو تَسلِیمَا "

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اچھے وقت میں درود شریف پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا انسان جس وقت بھی درود شریف پڑھے گا خواہ آزان سے پہلے یا اس کے بعد خواہ نماز سے پہلے یا اس کے بعد خواہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر، یا لیٹ کر، جس طرح بھی درود شریف پڑھے گا وہ قرآنِ پاک پر عمل کرنے کے باعث رحمتِ خداوندی کا مستحق ہوگا۔ اس لیے بڑے بڑے محدثین حضرت قاضی عیاضؒ اور ملا علی قاریؒ شیخ کبیر بکریؒ جیسے محققین نے اپنی اپنی کتابوں میں اذان کے وقت خواہ پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنے کو جائز اور بعض نے مستحب بھی رکھا ہے۔(الشفاء، صفحہ 52، شرح ملا علی قاری ج 2، جس 114، غنیۃ الطالبین ج 1 صفحہ 223)۔

لہٰذا اب اللہ اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے ارشادات، صحابہ کرامؓ کے عمل محدثین اور فقہا کے فتووں پر عمل کرنے والا کون ہے، اور ان تمام لوگوں کے عمل سے انکار کرنے والا کون؟ ہم اہلِسنت والجماعت ان تمام باتوں پر عمل کرنے والے ہیں۔

حدیث نمبر۲۴ : ۔بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا۔

ترجمہ:۔ "حضرت ذارعؓ فرماتے ہیں کہ وہ وفدِ عبدالبلقیس میں تھے کہ جب ہم مدینہ منورہ میں آئے تو ہم نے اپنی سواریوں سے اُترنے میں جلدی کی پس ہم نے رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا"۔(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ 402، سنن ابوداؤد جلد 2 صفحہ 218، کتاب الاذکار للنودی صفحہ 234)۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر بزرگوں کے ہاتھ پاؤں کو چومنا شرک اور بدعت نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کی سنت ہے۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اُن کو منع فرماتے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ "اشج ؓ چلتے ہوئے حضور خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے دستِ اقدس کو پکڑ کر اِس کو چوما اور بوسہ دیا، اس پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ان کی تعریف کی اور فرمایا کہ تم میں دو عادتیں اچھی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کو بہت محبوب ہیں"۔(ادب المفروص 86 مطبوعہ مصر)۔اس حدیث سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہاتھ پیر کا چومنا صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے لیے ہی جائز ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں۔متعدد احادیث سے دوسروں کے لیے چومنا بھی ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ ہے کہ جب حضور خاتم النبیین ﷺ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ آتی تھیں تو حضور خاتم النبیین ﷺ اُن کے استقبال کے لیے محبت سے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے تھے اور اپنی جگہ پر بٹھایا کرتے تھے۔(ابوداؤد ج2 صفحہ 218 مشکوٰۃ صفحہ 402، ابواب المفروض 38 پ)۔حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے امیرُالمومنین حضرت عمر بن الخطاب کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔(کیمیائے سعادت امام غزالی صفحہ 194، عوارف المعارف، شہاب الدین سہروردی صفحہ 160)۔

حضرت ثابتؓ نے حضرت انسؓ سے جب یہ سنا کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے دستِ مبارک کو مس کیا ہے تو اُنہوں نے حضرت انسؓ کے ہاتھوں کو پکڑ کر چوم لیا۔(الادب المفرد 144)۔ایک مرتبہ حضرت زید بن حارثؓ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ادباً اُن کی سواری کی لگام پکڑی۔حضرت زید بن ثابتؓ نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ "اے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے چچا کے صاحبزدے! آپ میری سواری کی لگام کو نہ پکڑیئے"۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ "مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ میں علماء کی تعظیم کروں"۔ یہ سن کر حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا اور فرمایا "ہم کو بھی اسی طرح کا حکم دیا گیا ہے کے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اہلِ بیت کی تعظیم کریں"۔

(مدارج نبوت صفحہ 63، رسالہ قشیریہ صفحہ 67، صواعق المحرقہ ابن حجر صفحہ 238)۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ آپس میں ایک دوسرے کا ہاتھ چوما کرتے تھے۔لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ بزرگوں اور دینی عظمت رکھنے والوں کے ہاتھوں کو چومنا جائز اور محسن فعل ہے، اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سنت ہے۔

حدیث ۲۵ :۔ایک وقت میں تین مرتبہ طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: حضرت مخرمہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمود بن لبیہ سے سُنا وہ کہتے تھے کہ رسول خاتم النبیین ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ غصہ سے کھڑے ہو گئے اور پھر فرمایا" کیا اُس نے کتاب اُللہ کو میرے سامنے کھیل بنا رکھا ہے حتیٰ کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یارسول خاتم النبیین ﷺ کیا میں اُس شخص کو قتل نہ کر دوں"۔(سنن نسائی جلد 2 صفحہ 181)۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ اِس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے طلاق ہو جاتی ہے۔اور اس شخص کی بیوی اُس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔کیونکہ ایک طلاق دینے سے تو سنت طریقے پر عمل ہوا اور سنت طریقے پر عمل سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کیوں ناراض ہوتے؟

اس بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک عورت جس کا نام خشمیہ تھا وہ حضرت امام حسنؓ کے نکاح میں تھی۔ جب حضرت علیؓ کا وصال ہوا تو اس نے حضرت امام حسنؓ سے کہا آپؓ کو خلافت مبارک ہو۔حضرت امام حسنؓ نے کہا:"تو حضرت علیؓ کی شہادت پر خوشی کا اظہار کرتی ہے جا میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیں'۔اس نے اپنے کپڑے اُٹھائے اور چلی گئی اور عدت میں بیٹھ گئی۔حتیٰ کے اُس کی عدت پوری ہو گئی۔حضرت امام حسنؓ نے اُس کی طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار روپے بھجوائے۔جب اُس کے پاس قاصد یہ مال لے کر آیا تو اُس نے کہا کہ' مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ اتنا سا سامان ملا ہے''؟۔جب حضرت امام حسنؓ تک یہ بات پہنچی تو آپ کی آنکھوں میں آنسوں آ گئے اور آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں ہوں خواہ الگ پہر میں دیں یا بیک وقت ایک ساتھ تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اس سے رجوع کرتا''۔(اس حدیث کو دو سندوں سے امام طبرانی نے اور بیہقی نے سنن کبریٰ جلد 7 صفحہ 336 میں نقل کیا ہے۔اور مجمع زوائد میں، جلد 4 صفحہ 390 ، 340 میں علامہ الھاشمی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)۔

حدیث۲۶ :۔ قبروں پر اپنا چہرہ رگڑنا۔قبروں کو چومنا،ان کو بوسہ دینا۔

ترجمہ: حضرت ابوداؤد بن الصالحؒ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ’’ایک دن مروان روضہ رسول پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک شخص اپنا چہرہ قبرانور پر رکھے ہوئے ہے۔مروان نے اس سے کہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس شخص نے اپنا چہرہ اٹھایا تو وہ صحابی رسول حضرت سیدنا ابوایوب انصاریؓ تھے۔انہوں نے (سر اٹھا کر) کہا کہ ’ہاں میں جانتا ہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا‘‘۔حاکم اور امام دینؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالی کے پیاروں کی قبروں پر اپنا چہرہ رکھنا اور بوسہ دینا اور چومنا جائز ہے۔اگر یہ شرک یا بدعت ہوتا تو میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوایوبؓ جیسا عظیم صحابی کبھی یہ کام نہ کرتا۔اور یہ کام صرف انہوں نے نہیں کیا بلکہ جب حضرت بلالؓ ایک عرصے کے بعد روضۂ رسول خاتم النبیین ﷺ پر حاضر ہوئے تو انہوں نے بھی محبت میں ایسا ہی کیا تھا۔آپؓ مزار شریف کے پاس رو رہے تھے اور مزار اقدس پر چہرہ مل رہے تھے۔ثابت ہوا کہ ایسا کرنا بڑے بڑے عاشق رسول خاتم النبیین ﷺ صحابہ کرامؓ کی سنت ہے۔اس لیے جب امام احمد بن حنبلؒ سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی قبر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جب حجر اسود کو بوسہ دیا جا سکتا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ محدثین اور عارفین کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے۔(شعر 2 باری لابن حجر،صفحہ 115 تواصح الجلال الدین سیوطی)۔
فقہ کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اپنے ماں باپ کی قبروں کو چومنا اور بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں‘۔(فتاوی عالمگیری کی کتاب القرامت باب زیارت القبور) اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جن چیزوں کو اللہ کے پیاروں سے نسبت اور تعلق ہوجاتا ہے وہ چیزیں بھی متبرک ہوجاتی ہیں۔ان تبرکات کا ادب واحترام سے چومنا جائز ہے۔
اسی طرح حضرت عمرؓ کے متعلق آتا ہے کہ جس ممبر پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تھے انہوں نے اس ممبر پر اپنا ہاتھ پھیر کر اس کو چوم لیا اور اس سے برکت حاصل کی۔(شِفاء القاضی عیاض)۔
حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا تھا کہ میں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا بلکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس آیا ہوں۔یعنی جس طرح پتھر بے جان اور بے روح ہوتا ہے نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔اس طرح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات نہیں ہے۔بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ زندہ بھی ہیں۔سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں۔اور اپنے غلاموں کی تکلیفوں کو دور فرماتے ہیں ان کے غموں کا مداوا کرتے ہیں میں اس لئے یہاں آیا ہوں۔

حدیث نمبر ۲۷ :۔درود، جھاڑ پھونک اور تعویز گنڈے وغیرہ کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: پس وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنا واقعہ آپ خاتم النبیین ﷺ سے بیان کیا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے منتر پڑھنے والے سے پوچھا ’’تجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ منتر ہے؟‘‘ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’تم نے اچھا کیا ہے، یہ بکریاں بانٹ لو اور میرا بھی ایک حصہ اپنے ساتھ رکھو‘ اور آپ خاتم النبیین ﷺ مسکرا دیئے۔(صحیح بخاری کتاب الاجارہ باب ما یعطی فی الرقیہ جلد 2 صفحہ 304)
مندرجہ بالا پیراگراف بخاری شریف کی ایک تفصیلی اور طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔پوری حدیث اور پورا واقعہ یہ ہے کہ کچھ صحابہ کرامؓ ایک سفر پر روانہ ہوئے۔راستے میں ان کا گزر ایک عرب کے قبیلے پر سے ہوا۔مسافروں نے چاہا کہ یہ قبیلہ ہماری مہمانی کرے۔لیکن اس قبیلے نے ان صحابہ کرامؓ کی مہمانی نہیں کی۔اتفاق سے اس کے قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا۔انہوں نے بڑے علاج کیے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ان میں سے کسی نے کہا کہ یہ جو مسافر آئے ہیں ان سے پوچھتے ہیں شاید ان کے پاس اس کا کچھ علاج ہو۔انہوں نے صحابہ کرامؓ سے آکر پوچھا ان میں سے ایک صحابی نے کہا خدا کی قسم میں اس کا منتر جانتا ہوں لیکن کیونکہ تم نے ہماری مہمانی نہیں کی اس لیے میں اس وقت تک منتر نہیں پڑھوں گا اور جھاڑ پھونک نہیں کروں گا جب تک تم کوئی اجرت اور معاوضہ نہیں دو گے۔آخر چند بکریاں بطور اجرت دینے کا انہوں نے وعدہ کیا۔یہ صحابی اس قبیلے کے سردار کے پاس گئے اور اس پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس کو جھاڑا۔ان کے دم کرتے ہی وہ سردار فوراً ٹھیک ہوگیا۔اور اس طرح چلنے لگا جیسے اس کو پہلے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔چنانچہ جو بکریاں طے ہوئی تھیں وہ بکریاں انہوں نے صحابی کو دے دیں۔صحابہ کرامؓ کہنے لگے اس کو آپس میں بانٹ لیتے ہیں لیکن ان منتر پڑھنے والے اور جاننے والے صحابی نے کہا ’’جب تک ہم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے اس بارے میں نہیں پوچھ لیں گے اس وقت تک بکریوں کو تقسیم نہیں کریں گے‘‘۔جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا تو حضور پاک صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ’’تم نے بالکل صحیح کیا یہ بکریاں

آپس میں بانٹ لو بلکہ اس میں میرا بھی حصہ رکھو' اور یہ فرما کر آپ خاتم النبیین ﷺ مسکرا دیئے۔ (صحیح بخاری)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث یا اللہ کے اسماء کے ساتھ دم، درود، جھاڑ پھونک اور تعویز گنڈے وغیرہ کرنا نا شرک ہے نہ بدعت ہے بلکہ اس حدیث کی رو سے بالکل جائز ہے۔ بلکہ پھوڑے کا علاج تو خود حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو بتایا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس دعا کو پڑھ کر جھاڑا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو شفا ہوگئی (مسلم صفحہ 219)

یاد رکھیئے کہ جن احادیث میں جھاڑ پھونک اور منتر کی ممانعت آئی ہے ان سے مراد وہ جھاڑ پھونک اور منتر ہیں جو شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہوں یا زمانہ جاہلیت کے دم کی طرح ہوں۔ مطلقاً ہر قسم کے دم، تعویز کو حرام کہنا قرآن وحدیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۲۸ : ۔مدد طلب کرنا۔وسیلہ پکڑنا۔یا اور ندا کرنا۔

ترجمہ : حضرت عثمان بن حنیفؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک نابینا صحابی نبی کریم صلی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی بینائی کے لئے دعا کی درخواست کی۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا 'تم چاہو تو میں تمہاری آخرت کی بھلائی چاہوں اور یہ تیرے لیے بہتر ہے اگر تو چاہے تو بینائی کیلئے دعا کروں؟' عرض کیا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ میری بینائی کے لیے دعا کریں۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس سے فرمایا:

(امام ترمذی، ابن ماجہ اور تیمیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)۔اس حدیث سے بہت سی باتیں بالکل واضح ہوگئی ہیں۔

(1) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے خود اپنے صحابی کو سکھایا کہ مجھے ''یا محمدؐ'' کہہ کر پکارو اور صحابی نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس سے جانے کے بعد جہاں کہیں نماز پڑھی۔

وہاں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق 'یا محمدؐ' کہہ کر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو پکارا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دور سے یا قریب سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو یا کسی بھی ولی کو ''یا'' سے پکارنا شرک وبدعت نہیں ہے۔

(2) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے خود صحابہ کرامؓ کو تعلیم دی کہ میرا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگنا شرک نہیں ہے۔ بلکہ یہ قرب الٰہی کا موجب اور دینی اور دنیاوی آفات سے نجات اور مشکلات کے حل کا ذریعہ ہے کیونکہ جیسے ہی صحابی نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے سے دعا کی ان کی بینائی واپس آگئی۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور تقسیم کرنے والے آپ خاتم النبیین ﷺ۔ اس لئے غیر اللہ سے مدد طلب کرنا بھی جائز اور سنت ہے۔ حق اور باطل کو پہچاننے کا معیار نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے یہ متعین فرمایا کہ جو شخص یا جو گروہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر قائم ہے وہ طریقہ جس پر آپ خاتم النبیین ﷺ کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ کرامؓ عمل پیرا رہے وہ حق پر ہیں اور جو اس کے خلاف ہے وہ باطل پر ہیں۔ گویا ''معیار حق'' آنحضرت خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کا راستہ ہے۔ پھر اسی پر اہلسنت والجماعت قائم ہیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائیں کہ اختلافات کے ظہور کے وقت آپ خاتم النبیین ﷺ کے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ کے طریقے پر سختی سے قائم رہیں۔ اور ان کے طریقوں کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لیں۔

یاد رہے کہ گناہ اتنا بڑا خطرہ نہیں کہ جتنا بڑا خطرہ بدعقیدگی ہے۔ بدعقیدہ کون ہے؟

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میری امت کے 73 فرقے ہوں گے سارے ہی کلمہ پڑھیں گے نمازیں پڑھیں گے، روزے رکھیں گے، حج کریں گے، زکوٰۃ دیں گے۔ پھر بھی ان میں سے 72 جہنمی ہونگے۔ ایک ناجی (نجات یافتہ) ہوگا''۔

مندرجہ بالا احادیث کو ملحوظ رکھتے ہوئے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس فرقے کا عمل صحابہ کرامؓ جیسا ہے۔ دیکھئے عشرہ مبشرہ دس صحابہ کرامؓ ہیں جن کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی تھی۔ ان جنت والوں میں سب سے پہلے درجے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں، حضرت عائشہؓ جنتی ہیں۔ حضرت فاطمہؓ جنتی ہیں۔

اب ہم حضرت فاطمہؓ کے عمل کو دیکھتے ہیں اپنے مرض الموت میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو اپنے قریب بلایا اور ان کے کان میں کچھ کہا تو حضرت فاطمہؓ رونے لگیں۔ اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے دوبارہ کچھ فرمایا تو حضرت فاطمہؓ ہنسنے لگیں۔ بعد میں لوگوں کے پوچھنے پر حضرت فاطمہؓ نے بتایا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس بیماری میں میرا وصال ہوجائے گا تو میں رونے لگی۔ پھر دوبارہ فرمایا بیٹی تو سب سے پہلے مجھ سے ملے گی تو میں ہنسنے لگی۔

دیکھیے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اپنا بھی معلوم ہے کہ کب جانا ہے؟ اور بیٹی کا بھی معلوم ہے کہ اس نے کب جانا ہے؟ یہ کتنا بڑا غیب کا علم ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ یہ جانتے ہیں کہ کس کو کب موت آئے گی۔ یا کون کب مرے گا؟

اب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عقیدہ دیکھتے ہیں۔ایک دن حضور خاتم النبیین ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ بن خطابؓ اور حضرت عثمانؓ ایک پہاڑ پر جلوہ افروز تھے۔ پہاڑ پر وجد طاری ہوگیا۔ پہاڑ ہلنے لگا، کانپنے لگا اور زلزلہ سا آ گیا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے پہاڑ کو ایک ٹھوکر ماری اور کہا" اے پہاڑ رک جا تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید (کھڑے) ہیں۔ پہاڑ فوراً رک گیا۔اب غور کا مقام یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے وصال فرما جانے کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وصال فرمایا تو اس واقعے کو بارہ سال گزر چکے تھے۔حضرت عمرؓ اس واقعے کے 25 سال بعد شہید کیے گئے اور حضرت عثمانؓ اس واقعے کے 35 سال بعد شہید ہوئے۔ یہ کتنا بڑا غیب کا علم ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے غیب کے علم کو حضرت ابوبکرؓ بھی مان رہے ہیں۔حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی مان رہے ہیں۔ان میں سے تو کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ یارسول اللہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو کیا علم کہ ہم طبعی موت پائیں گے۔ یا شہید کیے جائیں گے؟ اس لیے کہ ان سب کا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ نبی خاتم النبیین ﷺ کی زبان سے نکلا ہے بس وہی ٹھیک ہے۔

بدر کی جنگ سے ایک دن پہلے عصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا اور فرمایا کل یہاں جنگ میں فلاں بندہ مرے گا۔ یہاں فلاں بندہ گرے گا۔غرض کہ کفار کے نام لے لے کر ان کے گرنے اور مرنے کی جگہ کی نشاندہی فرمائی۔

حضرت عمر فاروق اعظمؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ"حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے جہاں جہاں جس جس کافر کے گرنے کی جگہ بتائی تھی اسی جگہ پر وہ کافر دوسرے دن گرا پڑا تھا۔اب یہ تو وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون کہاں مرے گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ بھی جانتے ہیں۔

تمام صحابہ کرامؓ اس بات کو جانتے اور مانتے تھے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ حاضر و ناظر ہیں آپ خاتم النبیین ﷺ نے صرف پردہ فرمایا ہے۔اب بھی آپ خاتم النبیین ﷺ اپنے امتیوں کو سنتے اور ان کی مدد فرماتے ہیں۔ ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے۔اب دیکھیں کہ صحابہ کرامؓ کے طریقے پر کون ہیں؟ اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ کے خلاف کون ہے؟ خاص محور پر جو بات معیارحق میں دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کسی فرقے کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے محبت ہے یا نہیں؟

اگر صحابہ کرامؓ سے محبت ہے تو ٹھیک اور اگر عداوت ہے تو یقیناً وہ فرقہ باطل ہے۔اسی لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو مجھ سے محبت کرے گا تو اس محبت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی محبت اس کے دل میں آئے گی پر جو میرے ساتھ بغض رکھے گا تو صحابہ کرامؓ کے ساتھ بھی بغض پیدا ہوگا''۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے جس طبقہ کے تقدس کی تعریف کی ہے وہ صرف اصحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے۔انہیں کے لئے قرآن پاک میں سورۃ المائدہ آیت نمبر 119 میں فرمایا گیا ہے۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنھُم وَرَضُوا عَنہُ ترجمہ : ' اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں'۔

أُولٰئِكَ الَّذِینَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوبَھُمۡ لِلتَّقۡوٰی ترجمہ : 'اللہ نے پہلے ہی جانچ لیا تھا ان کے دلوں کو کہ تقویٰ شعار ہیں'۔

تو صحابہ کرامؓ کے تقویٰ باطن کی شہادت اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔یعنی اگر کوئی عمل غلط ہو جائے تو ان کے تقویٰ میں ذرا برابر فرق نہیں پائیں گے۔ہوسکتا ہے کہ صحابہؓ سے کوئی غلطی ہو جائے۔حتیٰ کہ خاص صحابی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے (مصیبت ہوسکتی ہے)۔مگر یہ تقویٰ کے منافی نہیں۔ایک متقی آدمی بھی گناہ کرسکتا ہے۔یاد رکھیے کہ وہ گناہ تقویٰ کے خلاف ہے جس کی جڑیں دل میں جمی ہوں۔اگر دل میں تقویٰ جما ہوا ہے اور باہر سے یا گرد و پیش کے حالات سے گناہ کر گزرا ہے اور توبہ کرلی، دل سے نادم ہوگیا تو یہ بات تقویٰ کے منافی نہیں ہے۔اہلسنت والجماعت بحیثیت مجموعی پیغمبر خاتم النبیین ﷺ کے قائم مقام ہے۔جو کام آپ خاتم النبیین ﷺ نے کیے ہیں، آپ خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ نے کیے ہیں۔وہ اب امت کے لیے نمونہ ہیں کیونکہ اعلیٰ ترین صورت تعلیم کی یہ ہوتی ہے کہ معلم اپنی صحبت میں رہ کر تعلیم دے اور شاگرد کو اپنے رنگ میں رنگ لے۔صحابی کو صحابی اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ صحبت یافتہ ہوتے ہیں۔مندرجہ بالا تمام حقائق کو واضح کرتے ہوئے ہمارے لئے صحابہ کرامؓ "معیارحق" ہیں۔اب ہر شخص غور کرے کہ اس کا طریقہ صحابہ کرامؓ کے طریقے کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو راہ مستقیم پر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے راہِ مستقیم کی دعا کرتے ہیں۔(آمین)۔

نجومِ ہدایت

طلوع آفتاب کے بعد جو چیز سب سے زیادہ اور سب سے پہلے آفتاب کے آثار سے متاثر ہوتی ہے وہ فضاء ہے۔فضاء کیونکہ اپنی ذات سے شفاف ہے اور دوسری طرف آفتاب کے سامنے بلاواسطہ حاضر ہے۔اس لئے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ آفتاب کے نور اور حرارت کا اثر لیتی ہے۔
اگر ہم فضاء میں نگاہ اٹھائیں تو فضاء کا جو حصہ بھی سامنے آئے گا اس میں آفتاب ہی دکھائی دے گا یعنی خود فضاء کی ہستی نظر نہیں آئے گی۔گو یا فضاء آفتاب کے نور میں اس قدر مستغرق اور فنا ہوجاتی ہے کہ اس کا اپنا نور کسی کی آنکھ میں نہیں آتا۔بلکہ آفتاب اس میں ایسا دکھائی دیتا ہے گو یا وہ بلا واسطہ دکھائی دے رہا ہے۔ٹھیک یہی صورتحال روحانی آفتاب (نبی کریم خاتم النبیین ﷺ) سے فائدہ اٹھانے کی ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کی عالمگیر حیثیت سے متاثر تو سب ہوتے ہیں مگر سب سے زیادہ متاثر وہ طبقہ ہوتا ہے جس نے بلاواسطہ ان سے قریب رہ کر نور حاصل کیا اور وہ طبقہ صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے۔
آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’سارے نبیوں کے صحابہ کرامؓ میں سے میرے صحابہ کرامؓ منتخب کر لئے گئے ہیں‘‘ یا جیسے عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ’’اُن کا دل شفاف تھا اور ان کا علم گہرا تھا ان میں تکلفات نہ تھے انہیں اقامت دین کے لئے پوری امت میں سے چن لیا گیا تھا‘‘۔
حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے عقیدے اور عمل کو اپنے عقیدے اور عمل کے ساتھ شامل کر کے انہیں ’’معیارِ حق‘‘ فرمایا تھا اور اعلان فرمایا تھا۔
’’سنن نبوت خاتم النبیین ﷺ اور سنن صحابہؓ ایک ہی ہیں‘‘
چنانچہ امت کے 72 فرقوں کے بارے میں جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے سوال کیا گیا کہ 72 فرقوں میں سے ناجی (نجات یافتہ) فرقہ کون سا ہے؟ تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’جس پر آج کے دن میں اور میرے صحابہ کرامؓ ہیں‘‘ گو یا اپنے عقیدے اور عمل کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے عقیدے اور عمل کو اس طرح ملا کر بتایا کے صحابہ کرامؓ کے عقیدے اور عمل اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے عقیدے پر عمل کی نوعیت ایک ہی ثابت ہوگئی۔
پھر جیسے فضا میں کوئی گندگی نہیں پہنچ سکتی اگر پہنچائی جائے گی تو وہ لوٹ کر پہنچانے والے پر گرے گی۔فضاء اس سے گندی نہیں ہوگی۔صحابہ کرامؓ کا طبقہ روحانی فضاء کی مانند ہے۔امت کی تنقید سے بالاتر۔ اگر ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے گا یا ان پر تنقید یا تحقیر کی گندگی اچھالے گا تو اس کی ناپاکی اس کی طرف لوٹ آئے گی۔
صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نور تیز بھی ہے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے اطوار سے مشابہ اور مقرب بھی۔
انبیاء کرامؑ کی یہی زندگی ہوتی ہے کہ بشر بھی ہیں اور ملک بھی۔نہ طبائع کو ترک کرتے ہیں اور نہ عقل وفراست کے تقاضوں سے ایک انچ ادھر ادھر ہوتے ہیں۔خالص طبعی جذبات کی پیروی حیوان کا کام ہے اور محض عقل کی پیروی فرشتوں کا کام ہے اور طبیعات کو بحال رکھتے ہوئے عقلی شعور کے (یعنی) عقل کی ماتحتی میں کسی کام کو انجام دینا اور حدود سے تجاوز نہ کرنا ان کا کام ہے۔
صحابہ کرامؓ آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت کا وہ طبقہ ہے جن سے نبوت اور کمالات نبوت پہچانے جاتے ہیں۔
اس لئے بحیثیت طبقہ صرف صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہی وہ طبقہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے ہاں پسندیدہ قرار دیا گیا ہے اور جس کی شہادت قرآن پاک نے دی ہے۔
قرآن پاک سورۃ المائدہ ایت نمبر 119 میں فرمان الٰہی ہے۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوا عَنۡہُ

ترجمہ : ’’وہ اللہ سے راضی اور اللہ اُن سے راضی ہے‘‘

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سورۃ الحجرات آیت نمبر 3

ترجمہ :’’یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالی نے تقوی کے لیے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے‘‘۔

ان کے قلوب کی پاکیزگی کی شہادت دی گئی ہے۔ان کی اخلاقی برتری ثابت کی گئی ہے۔اور ان کے (صحابہ کرامؓ کے) ہر ہر فرد کو امت کا مقتدی بنایا گیا ہے۔

مولانا مودودی (مرحوم) نے دفتر دارالعلوم میں ایک خط مولانا قاری طیب صاحب قاسمی کے نام بھیجا جس میں مودودی مکتب فکر اور خود اپنی مودودی ہونے کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ پھر اپنے آپ کو جماعت اسلامی کا امیر کہا اور جماعت اسلامی کے ایک دستور کی دفعہ نمبر 6 کو بیان کیا۔

دفعہ نمبر 6" رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے سوا کسی شخص کو 'معیارِ حق'' نہ بنائیں۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھیں، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہوں ''۔

اگر اس دفعہ کو اسکے ہمہ گیر عموم کے ساتھ اس کے عام الفاظ میں تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ

اگر خود رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ہی کسی کو 'معیارِ حق'' بنا دیں؟ یا صحابہ کرامؓ کے معیارِ حق ہونے کی شہادتیں دیں۔ یا معیارِ حق ہونے کا ضابطہ بتا دیں کہ اسکی رو سے معیارِ حق ہونے کا تعین کر لیا جائے۔ تو کیا وہ بھی معیار حق نہیں ہو سکتا؟ اور اگر وہ معیارِ حق بن سکتا ہے تو یہ اصول غلط نکلا کہ ''رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے سوا کسی کو بھی معیار حق نہیں بنایا جاسکتا''۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے کسی کو معیارِ حق بنایا بھی ہے یا نہیں؟

سو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ نے جن کا نام لے کر معیار حق قرار دیا ان پر جرح اور تنقید سے روکا اور ذہنوں کو جن کی غلطی کے لیے مستعد فرمایا وہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت ہی ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ایک مستقل حدیث بیان فرمائی ہے۔

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میری امت 73 فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ سوائے ایک کے سب جہنم میں ڈالے جائیں گے''۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ناجی (نجات یافتہ) فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا ''جو لوگ میرے اور میرے صحابہ کرامؓ کے طریقے پر ہوں گے''۔

تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اس حدیث میں اپنے طریقے کو اپنے اصحاب کا طریقہ بتایا۔ یہ ایسا ہے جسے حق تعالیٰ شانہ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں فرمایا ''جس نے رسول خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول خاتم النبیین ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی''۔

وہی صورتحال یہاں پر بھی ہے کے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی پیروی یا اطاعت کو اپنی پیروی اور اطاعت قرار دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت دیکھنی ہو تو صحابہ کرامؓ کی اطاعت دیکھ لی جائے کیونکہ صحابہ کرامؓ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے بعد امت کے مومنین اول اور امت کے حق میں دین کے مبلغین اول ہیں۔ دین کا کوئی حصہ کسی صحابہ سے پہنچا ہے اور کوئی کسی اور سے قرآنِ پاک کا کوئی ٹکڑا کسی اور سے ملا اور کوئی کسی اور سے اور جامعین قرآن نے ٹکڑوں کو جمع کیا۔ تو کسی بھی ایک صحابی کی پیروی سے انحراف یا کسی ایک صحابہ پر جرح اور نکتہ چینی درحقیقت دین کے اس ٹکڑے سے انحراف ہوگا جو اس صحابی سے روایت ہو کر امت تک پہنچا ہے۔

اگر معاذ اللہ یہ نکتہ چینی اور جراح اور عدم پیروی ان حضرات کے حق میں یوں ہی جائز رکھی جائے جس کا ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ:

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے سوا کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھو اور نہ کسی کی ذہنی غلامی کو قبول کرو تو دین کا کوئی حصہ غیر مجروح اور باقی نہیں رہ سکتا۔

اس لیے صحابہ کرامؓ پر تنقید کو جائز سمجھنے والے اپنے دین کی خبر لیں کہ ان کا دین باقی بھی رہے گا یا نہیں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کو خطا کار سمجھ کر اطاعت شعار بننا ممکن نہیں ہے۔ بقول حضرت حسن بصری کے:

ترجمہ: ''امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک کے اوپر کا غبار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے ہزار گنا افضل تھا۔ کیونکہ امیر معاویہؓ صحابی تھے اور عمر بن عبدالعزیزؒ تابعی''۔

روافض، خوارج، معتزلہ، اور دوسرے انہی کے ہم رنگ فرقہ باطل، باطل ہی اس لیے قرار پائے کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھا اور ان کی ذہنی غلامی پر راضی نہ ہوئے۔ اور ان پر طعنہ زنی اور نکتہ چینی سے باز نہ آئے۔ جس سے صاف لفظوں میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو''۔ اس میں نقطہ چینی، تبصرہ، جراح سب کچھ ہی زیر ممانعت آجاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نجوم ہدایت ہیں ان سے راہ پائی جائے گی۔ انہیں راہ دکھائی نہیں جائے گی۔ ان کی اقتداء کی جائے گی۔ اُن کی غلطیاں پکڑ پکڑ کر اُن کو اقتدا کرائی نہیں جائے گی۔ جو ایسا کرے گا وہ راہ حق میں پر نہیں ہوگا۔

صحابہ کرامؓ کی موافقت میں کوئی نیا فرقہ وجود میں نہیں آئے گا بلکہ یہی قدیم ناجی فرقہ برقرار رہے گا۔ جو صحابہ کرامؓ کے واسطے سے اپنا روحانی سلسلہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے ملائے ہوئے ہے۔ کیونکہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں ایک ہی فرقہ تھا جو ناجی تھا۔ وہ صحابہ کرامؓ کی جماعت تھی جو برحق تھے اور معیارِ حق بھی تھے۔ بعد میں جتنے فرقے بنے وہ ان کے مخالف راہ پر چل ہی کر بنے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے الفاظ سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف ایک یا دو صحابی ہی معیارِ حق نہیں بتا دیے گئے بلکہ ''اصحابی'' جمع کا صیغہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے تمام صحابہ کرامؓ معیارِ حق بن کر واجب الاطاعت ہیں۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''میرے صحابہ کرامؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے تو نجات پا جاؤ گے''۔ (مشکوۃ المصابیح)

اس لیے یہ کتاب وسنت کا فیصلہ ہے کے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے بعد قیامت تک معیاری شخصیتیں آتی رہیں گی جو درجہ بدرجہ حق و باطل کا معیار ثابت کرتی رہیں گی۔ اور جو بھی کتاب اور سنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ تو ایسی شخصیتیں اپنے دور کے مناسب حالات سے ان کی تاویلات کا پردہ چاک کر کے اصل حقیقت کا چہرہ دکھاتی رہیں گی۔ جیسا کہ ارشاد نبوی خاتم النبیین ﷺ ہے۔

ترجمہ: ''اس علم (دین) کو اعتدال پسند خلف (اپنے سلف سے لیتے رہیں گے) جو غلو پسندوں اور اعتدال سے گزر جانے والوں کی تحریف و باطل پرستوں کی دروغ بیانیوں اور جہلا کی (رکیک) تاویلوں کو رد کرتے رہیں گے''۔

دوسرے ''ذہنی غلامی'' کے لفظ سے غالباً تقلید کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حالانکہ غلامی کا حاصل کسی کے آگے جھکنا اور تقلید کے معنی کسی کی بات کو ماننا۔

ایک غلام اپنے آقا کے کمالات کے آگے نہیں جھکتا بلکہ اس کی ذات کے سامنے جھکتا ہے۔ جبکہ ایک مقلد اپنے امام مجتہد کے سامنے آتا ہے تو اس کے صرف اس منصب کی پیروی کرتا ہے۔ (تقلید کرتا ہے) جس کو عقل و نقل کا پیکر کامل سمجھتا ہے۔ وہ کسی امام یا مجتہد کی ذات کے آگے نہیں جھکتا۔ بلکہ وہ اس کے کمالات کا قائل ہوتا ہے۔ پس غلامی میں آقا کی ذات پیش نظر ہوتی ہے اس کا کمال پیش نظر نہیں ہوتا جبکہ تقلید میں مجتہد کا کمال پیش نظر ہوتا ہے۔ غلامی میں جبر کام کرتا ہے اور تقلید میں قلبی اعتقاد ہوتا ہے۔ غرض غلامی بے عقلی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور تقلید میں اتباع شعور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقلید کسی کے آگے جھکنے کا نام نہیں ہے اس کی بات ماننے کا نام ہے۔

پس کہاں غلامی اور عبدیت اور کہاں اتباع عقیدت، کہاں غرض مندی، خوف اور طمع، اور کہاں محبت وعنایت، کہاں بے زاری اور اندرونی انحراف، اور کہاں حسن ظن اور قلبی شفقت، کہاں عقل و خرد بالائے طاق، اور کہاں عقلی رہنمائی پیش پیش۔

چراغ مردہ کجا، نور آفتاب کجا

پس ہم تقلید کے قائل ہیں لیکن تقلید کے معنی ذہنی غلامی کے نہیں سمجھتے۔ تقلید میں اتباع بھی ہے اور شعور بھی۔

ارشاد ربانی ہے۔ (سورۃ یوسف، آیت نمبر 108)

عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیۡ

بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ کا طبقہ وہ ہے کہ جن کا نام لے کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اسے امت کے مختلف مکاتب خیال کے فرقوں کے لئے حق و باطل کا معیار قرار دے دیا ہے۔ انہیں تنقید سے بالاتر بتلایا ہے۔ اور ان کی اطاعت (ذہنی غلامی اور پیروی ضروری قرار دی ہے)۔

باقی ان حضرات کے بعد کسی طبقہ کو طبقہ کی حیثیت سے نام لے کر معیارِ حق نہیں فرمایا۔ البتہ معیاروں حق ہونے کا ایک کلی ضابطہ اور معیاری اوصاف کا تعین فرما دیا جنہیں سامنے رکھ کر معیاری افراد کو ہر زمانے میں فی جملہ متعین کیا جا سکتا ہے۔

پس جو لوگ بلا استثناء سارے صحابہ کرام رضی اللہ کی عظمت وعقیدت کے ساتھ پیروی کرتے ہیں اور ان پر زبانی تنقید کرنا جائز نہیں سمجھتے وہ وہ یقینا فرقہ نہیں اصل جماعت ہیں۔ جن کے عقیدہ عمل کا سرا سند کے ساتھ قرون اول کی پاکباز جماعت سے ملا ہوا ہے۔ اور وہی اس جماعت کی سنتوں پر عقیدت و محبت سے جمے ہوئے ہونے کے باعث صحیح معنوں میں اہلسنت والجماعت کہلانے کے مستحق ہیں۔

****

اہلِ سُنت والجماعت اور اہلِ حدیث کے چند اختلافات

عورت اور مرد کی نماز میں فرق

عورت اور مرد کی نماز ایک جیسی نہیں ہے بلکہ اس میں فرق ہے۔

(1) حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا":-اے وائل بن حجرؓ! جب تم نماز پڑھو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی کے برابر رکھے اور حکم شریف میں تو مردوں کے لیے صریح حکم ہے کہ کانوں تک ہاتھ اُٹھائے"۔(حکم شریف)

(2) حضرت یزید بن ابی حبیبؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لو کیونکہ عورت (کا حکم سجدہ کی حالت میں) مرد کی طرح نہیں"۔

(3) حضرت حارثؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ نے فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر کرے اور اپنی دونوں رانوں کو ملائے"۔

(4) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عورت کی نماز کے بارے میں سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا کہ وہ اکٹھی ہو کر اور خوب سمٹ کر نماز پڑھے۔(بیہقی)

(5) حضرت ابراہیم حنفیؒ فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں سے چپکائے اور اپنی سرین کو اوپر نہ اُٹھائے اور اعضاء کو ایسے دُور نہ رکھے جیسے مرد دُور رکھتے ہیں۔

(6) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عورتوں کے لیے سدل (بیٹھنے میں دونوں پاؤں کو دائیں جانب نکال دینا) زیادہ پسند ہے۔(مسند احمد)

(7) مرد دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھیں اور عورتیں سینے پر۔مرد کا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا احادیث سے اور عورتوں کا اجماع اُمت سے ثابت ہے۔

(8) مرد کی ننگے سر نماز ہو جائے گی اگرچہ مکروہ ہے۔لیکن عورت کی نماز ننگے سر ہرگز نہیں ہوگی۔

بغیر طہارت کے قرآن مجید کو چھونا

ارشاد ربّانی ہے:"نہیں چُھوتے قرآنِ مجید کو مگر پاک لوگ"(سورۃ واقعہ آیت 79)

(2) حکیم بن حزامؓ کو جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو کہا کہ تم قرآن مجید کو نہ چُھونا مگر اس حالت میں کہ تم پاک ہو"۔

(3) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا! "پاک لوگوں کے سوا کوئی قرآن نہ چھوئے"۔

(4) رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے عمرو بن حزمؓ کو خط لکھا کہ پاک آدمی کے سوا کوئی قرآن کو نہ چھوئے۔

(5) بخاری شریف جلد اوّل میں ہے کہ ابو وائلؒ اپنی خادمہ کو حالت حیض میں ابو زرینؒ کے پاس بھیجتے تو وہ قرآن کو ڈوری سے پکڑ کر ابو زرینؒ کے پاس لاتی تھیں۔

(6) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو جنابت کے علاوہ کوئی چیز قرآن پڑھنے سے نہیں روکتی تھی (ترمذی)

نوٹ: جس طرح جُنبی اور حائضہ قرآن کو چُھو نہیں سکتے، اسی طرح پڑھ بھی نہیں سکتے۔

ضعیف احادیث کی حقیقت یا اہل سنت والجماعت اور عمل بالحدیث

1- **متواتر حدیث**:-اگر حدیث کے ہر لیول پر بہت سے راوی موجود ہوں-یعنی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے سنا ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما سے کئی تابعین نے سنا-- پھر ہر تابعین سے کئی تبع تابعین نے سنا ہو-اور ہر درجے پر کئی راوی موجود ہوں تو ایسی حدیث کو **متواتر حدیث** کہتے ہیں-یہ حدیث کا بہت اونچا درجہ ہے-

2- **مشہور حدیث**:-اگر حدیث میں راویوں کی تعداد ہر سطح پر کم از کم تین ہو-(تین سے زیادہ ہیں تو تب وہ متواتر حدیث ہوگی) تو وہ **مشہور حدیث** ہوگی-

3- **غریب حدیث**:-اگر حدیث میں کوئی ایک راوی ہے تو اس کو **غریب حدیث** کہیں گے یا **خبر واحد** کہیں گے-

4- **مرفوع حدیث**:-**لغوی اعتبار سے مرفوع** رفع کا اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں بلند ہونا۔حدیث کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی نسبت اس ہستی

کی طرف ہے جن کا درجہ بہت بلند ہے یعنی حضرت **محمد مصطفی** خاتم النبیین ﷺ سے۔

اصطلاحی مفہوم میں ایسی حدیث کو مرفوع کہا جاتا ہے جس کی نسبت رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے کی گئی ہو۔ اس حدیث میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد، عمل، کوئی صفت، تقریر یا خاموشی کے ذریعے کسی کام کی اجازت دی گئی ہو۔ یہ حقیقت کسی صحابی نے بیان کی ہو یا کسی اور نے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حدیث کی سند خواہ مرسل، منقطع، متصل یا موصول ہو، وہ مرفوع ہی کہلائے گی۔ اس تعریف کے اعتبار سے مرفوع میں مرسل، متصل یا موصول، منقطع ہر قسم کی روایات شامل ہوجاتی ہیں۔ المختصر وہ حدیث جس کی سند نبی کریم خاتم النبیین ﷺ تک پہنچی ہوئی ہو **مرفوع حدیث** کہلاتی ہے۔

☆ **مرسل حدیث:**-علم حدیث میں مرسل سے مراد وہ حدیث ہے جس میں سلسلہ سند کسی صحابی پر ٹوٹتا ہو یعنی تابعی براہ راست آنحضرت سے روایت کرے۔

☆ **متصل حدیث:**-علم حدیث میں اس سے مراد وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی ایک دوسرے سے متصل یا ملے ہوئے ہوں۔ حدیث کی اس قسم کو موصول کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

☆ **منقطع حدیث:**-علم حدیث میں منقطع سے مراد وہ حدیث ہے جس میں سلسلہ سند کسی صحابی پر نہیں بلکہ کسی اور درجہ میں تابعی یا تبع تابعی پر ٹوٹتا ہو۔

5- موضوع حدیث:-سب سے نیچے جو درجہ آتا ہے وہ ہے **موضوع حدیث**-جس کے بارے میں محدثین نے تحقیق کر کے چھان بین کر کے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ گھڑی ہوئی حدیث ہے یا جھوٹی حدیث ہے-اس کی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے- محدثین نے ان موضوع احادیث کو جمع کر کے ایک کتاب کی شکل دے دی ہے-جس کا نام ہے "**کتاب الموضوعات**"-

6- ضعیف حدیث:-اس کے بعد آتی ہے **ضعیف حدیث** (کمزور حدیث)

ضعیف حدیث اسے کہتے ہیں جس میں کسی ایک راوی کے بارے میں شک ہوگیا کہ یا تو اس کا کردار معیاری نہیں تھا یا اس کی سیرت اس کے معاملات درست نہیں تھے- اس روایت کے اندر گویا ایک کڑی کمزور ہے یا یہ کہ کسی ایک راوری کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کا حافظہ کمزور ہے تو اس میں بھی شک پڑ جائے گا-اگر ان دو میں سے کوئی ایک نقص پایا جائے تو وہ حدیث **ضعیف حدیث** کہلاتی ہے-

اگر کسی حدیث کے ساتھ لکھ دیا جائے **ضعیف حدیث**-تو کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کو چھوڑ دو--- یہ حدیث نہیں ہے- جبکہ ضعیف حدیث کے اندر بہت سی اعلی احادیث موجود ہوتی ہیں-جس میں علم اور حکمت کے موتی موجود ہوتے ہیں-اس کی وجہ یہ ہے کہ:

ایک ہے سچ کا سچ ہونا-ایک ہے سچ کا سچ ثابت ہوجانا--- کتنے سچ ہوتے ہیں جو اپنی جگہ سچ ہیں لیکن ہم ثابت نہیں کر سکتے-اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو سچ ثابت نہ ہو سکے وہ جھوٹ ہے-- سچ ثابت نہیں ہو سکا یہ اپنی جگہ بات ہوئی---لیکن پھر کیا ہم اس کو کہیں گے کہ وہ جھوٹ ہے؟ یہ نہیں مانا جاتا--تو حدیث ضعیف جو ہے وہ کمزور تو ہے لیکن حدیث موضوع نہیں ہے---وہ مکروہ نہیں ہے---وہ چھوڑی نہیں جائے گی---ہاں! اس میں سے کوئی حکم شریعت نہیں نکلے گا-ضعیف حدیث سے شریعت کا کوئی حکم نافذ نہیں ہوگا-

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ضعیف احادیث فضائل کے ضمن میں قابل قبول ہیں جس میں کسی عمل کی فضیلت بیان کی گئی ہو ان کو اختیار کیا جا سکتا ہے- ہمارے بڑے بڑے مصنفین آئمہ نے ضعیف احادیث کو اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے-- حالانکہ سند کے اعتبار سے وہ ثابت تو نہیں ہوسکیں-لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جھوٹی ہیں یا گھڑی ہوئی ہیں-

صحیح احادیث صرف بخاری اور مسلم میں ہی نہیں ہیں-اس لئے کہ احادیث کی صحت کا دار و مدار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کی اسناد و اصول احادیث کی شرائط پر پوری اترتی ہیں یا نہیں؟-------چنانچہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے علاوہ سینکڑوں آئمہ احادیث نے احادیث کے مجموعے مرتب فرمائے ہیں، ان میں جو احادیث بھی مذکورہ شرائط پر پوری اترتی ہیں وہ درست ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ ان کتابوں کی کچھ احادیث سنداً صحیحین سے بھی اعلیٰ اور معیاری ہوں۔

مثلاً ابن ماجہ صحاح ستہ میں چھٹے نمبر پر ہے-صحاحِ ستہ سے مراد حدیث پاک کی چھ مشہور و معروف کتابیں ہیں:

(۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن نسائی (۴) سنن ابی داؤد (۵) جامع ترمذی (۶) سنن ابن ماجہ۔ ان چھ کتابوں کو "اصولِ ستہ، صحاحِ ستہ، کتبِ ستہ اور امہاتِ ست" بھی کہتے ہیں) ابن ماجہ میں بعض احادیث اتنی اعلیٰ سند کے ساتھ ہیں کہ صحیحین میں اتنی اعلیٰ سند کے ساتھ نہیں ہیں۔

آئمہ محدثین کے درمیان سینکڑوں فقہی مسائل میں اختلاف واقع ہوا ہے، ان کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہر مجتہد کا طرزِ عمل، استدلال اور طریقہ استنباط (اخذ کرنا- معلوم باتوں سے نامعلوم بات دریافت کرنے کا عمل) میں فرق ہے- مثلاً 1- بعض آئمہ اکرام کا طرزِ عمل یہ ہے کہ اگر ایک مسئلے میں احادیث بظاہر متعارض ہیں تو وہ اس حدیث کو لے لیتے ہیں جس کی سند سب سے زیادہ صحیح ہو۔ خواہ دوسری احادیث بھی سنداً درست ہوں۔

2- بعض آئمہ کرام کا طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ ان روایات کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جائیں اور ان میں تعارض باقی نہ رہے- اس لئے انہیں خواہ کم درجے کی صحیح اور حسن حدیث کو اصل قرار دے کر صحیح حدیث کے خلاف ظاہر توجیہ کرنی پڑے۔

3- بعض آئمہ اکرام کا طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ اس حدیث کو اختیار کر لیتے ہیں جس پر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا عمل رہا ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کی تصحیح ایک اجتہادی معاملہ ہے- اس لیے علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف رہتا ہے- یعنی ایک حدیث ایک امام کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے جبکہ دوسرا اسے ضعیف قرار دیتا ہے-

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث امام ابوحنیفہ کو صحیح سند سے پہنچی جس پر انہوں نے عمل کیا اس لیے کہ وہ خیر القرون (بہترین زمانہ) کے آدمی ہیں (تابعی ہیں) لیکن ان کے بعد کے راویوں میں سے کوئی راوی ضعیف آ گیا اس لیے بعد کے آئمہ نے اسے چھوڑ دیا لیکن امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ نے جو حدیث روایت کی وہ بالکل درست تھی۔

4- بعض اوقات کوئی حدیث ضعیف ہوتی ہے اور حدیث کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ بات آپ خاتم النبیین ﷺ نے کہی ہی نہیں ہے- بلکہ حدیث کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند میں کوئی راوی ضعیف آ گیا ہے اور راوی کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ خدانخواستہ وہ راوی پاگل ہے بلکہ راوی کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس راوی کا حافظہ قوی نہیں ہے یا وہ راوی کبھی کبھی بھولتا ہے- لیکن یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ضعیف راوی ہمیشہ ہی بھولے گا یا ہمیشہ ہی غلط روایت کرے گا- اس لئے اگر "قوی قرائن" (حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں اس پر عمل ہوا ہے یا پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں اس پر عمل ہوا ہے)۔ اس کی صحت پر دلالت کرتے ہوں تو اسے قبول کر لیا جاتا ہے-

جیسے کہ کوئی حدیث ضعیف تھی مگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور تابعین رحمتہ اللہ نے اس پر عمل کیا تو یہ اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ یہاں ضعیف راوی نے صحیح حدیث نقل کی ہے۔ اس کو "تلقی بلقبول" کہا جاتا ہے۔

ایسی احادیث کو مسلمان فقہا اور محدثین نے صحیح کہا ہے اور نہ صرف صحیح کہا ہے بلکہ اس کو صحیح سمجھ کر اس کی بنیاد پر قانون سازی کی ہے۔

5. بعض اوقات ایک حدیث سنداً ضعیف ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ متعدد طریق اور سندوں سے نقل کی گئی ہوتی ہے اور اسے مختلف راوی روایت کرتے ہیں اس لئے اسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ اور محدثین اسے "حسن لغیرہ" کہتے ہیں۔

مثلاً شب برات میں جاگنے کی فضیلت ایک نہیں متعدد احادیث میں ہے جو کہ کم از کم بیس صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں- یعنی روایت کی گئیں ہیں- تو باوجود اس کے ضعف کے اس حدیث کے تحت صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، محدثینؒ عظام، علماء کرامؒ اور امت محمدیہ میں اس رات کو جاگ کر عبادت کرنے کا اہتمام ثابت ہے-

ایک مجلس میں تین طلاقیں

اگر ایک شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو وہ تین ہی واقع ہوتی ہیں لیکن غیر مُقلدّین اور شیعوں کے ہاں ایک واقع ہوتی ہے۔ (امام بخاری) بخاری شریف میں ہے کہ تین تین ہی واقع ہوتی ہیں اور امام بخاریؒ نے احادیث سے ثابت کیا ہے کہ تین سے مُراد تین ہیں۔ اِمام مالکؒ، اِمام شافعیؒ، اِمام ابوحنیفہؒ اور اِمام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہ مسلک ہے کہ تین سے مُراد تین ہے۔

چُھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا

(1) حضرت اَنس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو شخص نماز پڑھنا بھول گیا یا سو تا رہ جائے تو اس کا کفارہ صرف یہ ہے کہ جب یاد آئے تو پڑھ لے"- (صحیح مسلم، جلد دوئم، حدیث نمبر ۱۵۶۸)

(2) حضرت اَنس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی سو تا رہ جائے یا غفلت کی وجہ سے نماز رہ جائے تو

اُسے چاہیے کہ جب یاد آئے پڑھ لے کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ نماز قائم کرو میری یاد کے لیے"۔(بخاری شریف، حدیث نمبر ۵۹۷۔صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۵۶۶)

(3) حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے غزوہ خندق کے موقع پر جس دن خندق کھودی جا رہی تھی سورج غروب ہونے کے بعد آئے اور کفارِ قریش کو بُرا بھلا کہنے لگے۔عرض کرنے لگے یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں نے عصر نہیں پڑھی۔ہم مقام بطحان میں پہنچ کر ٹھہرے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے وضو فرمایا، ہم نے بھی اس نماز کے لیے وضو کیا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے عصر کی نماز سورج غروب ہونے کے بعد پڑھی، پھر مغرب اس کے بعد ادا فرمائی۔(صحیح مسلم، جلد دوئم، حدیث نمبر ۱۴۳۰)

(4) حضرت ابوعبیدہ ؓ اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ"غزوۂ خندق کے دن مشرکین نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو چار نمازیں پڑھنے سے روکے رکھا یہاں تک کہ رات کا اتنا حصہ چلا گیا جتنا اللہ نے چاہا۔پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا تو اُنہوں نے اذان دی پھر اقامت کہی لیکن ظہر پڑھی، پھر اقامت کہی اور عصر پڑھی، پھر اقامت کہی تو مغرب پڑھی، پھر اقامت کہی اور عشاء پڑھی۔(جامع ترمذی، جلد اوّل، حدیث نمبر ۱۷۹)

نماز ہر حال میں لازمی پڑھی جائے گی چاہے وہ وقت پر پڑھے یا قضا پڑھے۔اگر نہیں پڑھی تو قضا پڑھے کیونکہ نماز نہ پڑھنے کی صورت میں بندے پر اللہ تعالیٰ کا ایک قرض باقی رہے گا اور ظاہر ہے کہ قرضہ ادائیگی کے بغیر ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا فرمان ہے کہ: "اللہ کا قرض ادا کرو وہ ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے"۔(نسائی)

مزید ارشاد فرماتے ہیں "اللہ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے"۔(بخاری شریف)

فوت شدہ نمازوں کی قضا کے ضروری ہونے پر اجماع اُمت بھی ہے۔فقہا نے فوت شدہ نمازوں کی قضا کے واجب ہونے پر اتفاق کیا ہے۔لیکن ان تمام احادیث اور اجماع اُمت کے خلاف اہلِ حدیث یعنی غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ جو نمازیں جان بوجھ کر نہ پڑھیں ہوں ان کی قضا نہیں صرف توبہ استغفار کافی ہے۔

تعین دن کا ثبوت؟

ہم اہلِ سُنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ شرعی امور کے لیے دن مقرر کرنا، ازروئے شرع جائز ہے اور اسکا جواز کتب علماء کرام میں موجود ہے۔کسی اَمر شرعی دینوی کو بوجہ مصلحت معین کر کے عمل میں لایا جائے تو کوئی شرعی قباحت نہیں بلکہ ہر مذہب میں یہ معمول رہا ہے، مثلاً نماز کے اوقات، سحری کے اوقات، سکول کے اوقات کار، کسی جلسہ کے لیے اوقات کار، نظامِ تعلیم میں سالانہ یا ہفتہ وار چھٹیاں (مثلاً نصف شعبان یا نصف شوال اور جمعہ وغیرہ) یا شادی اور دیگر تقریبات کے دن مقرر کرنا۔

ہم میلاد، عرس، گیارہویں شریف کے لیے تاریخ نہ فرض سمجھتے ہیں نہ واجب بلکہ مصلحت کے لیے وقت مقرر کر لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو بتایا جائے اور لوگوں کو آنے کے لیے اطلاع ہو کہ فلاں وقت میں یہ کام کرنا ہے۔اگر کوئی ایسی تعین کو فرض یا واجب سمجھتا ہے تو اس کا عقیدہ غلط ہے۔نہ کہ اس سے نفس فعل حرام ہو گیا۔یہ تو ایسے ہو گیا کہ کوئی نماز، روزہ، حج وغیرہ میں غلطی کرتا ہے تو غلطی دُور کروانی چاہیے، نہ کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو بند کروایا جائے گا۔

تعین بوجہ مصلحت

(1) ابوداوٗد میں اُم المومنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے بارش نہ ہونے کا شکوہ کیا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے عیدگاہ میں منبر رکھنے کا حکم فرمایا یعنی ایک دن مقرر فرمایا کہ اس دن سب لوگ عیدگاہ کو چلیں۔ چنانچہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اُس دن آفتاب کے طلوع کے وقت عیدگاہ میں تشریف لے گئے اور بارانِ رحمت کی دُعا فرمائی۔(مشکواۃ باب الاستقا)

(2) صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا میں کبھی پیدل اور کبھی سوار تشریف لا کر اس میں 2 رکعت تحیۃ المسجد نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

(3) بخاری شریف کتاب العلم میں حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ہمارے پریشان ہونے کے خیال سے وعظ و نصیحت فرمانے کے لیے چند دن مقرر فرمائے ہوئے تھے۔(سوموار اور جمعرات)

(4) بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے عورتوں کی درخواست پر ایک دن مقرر کر کے اُنھیں وعظ و نصیحت فرماتے۔اِس سے معلوم ہوا کہ کارِ خیر کے لیے دن مقرر کرنا جائز ہے۔

(5) ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "بارگاہِ الٰہی میں پیر اور جمعرات کے دن عمل پیش کیے جاتے ہیں اس لیے میں اس روز روزہ رکھنا محبوب مانتا ہوں"۔ (مشکوٰۃ)

(6) دارمی شریف میں حضرت کعبؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے سورۃ ہود جمعہ کے دن پڑھنے کا حکم دیا۔ (مشکوٰۃ)

(7) حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ جو آدمی جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھے دو جمعوں تک اس کے دل میں نور ایمان وہدایت روشن رہتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

(8) حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہمارے بہتر دنوں میں سے جمعہ کا دن ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن وفات پائی، اسی دن قیامت برپا ہوگی، اسی دن دوبارہ مُردے زندہ کئے جائیں گے، اسی دن مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجا کرو کہ نماز اور درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (مشکواۃ، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی)

(9) بخاری شریف میں ہے کہ حضرت کعبؓ سے روایت ہے کہ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے جمعرات کے سوا کسی اور دن سفر فرمایا ہو۔ اِس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ جمعرات کا دن مقرر کرنے میں کوئی خاص راز اور برکات مخفی تھیں جو جناب رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(10) صحیح بخاری شریف میں حضرت سہیلؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت ہمیں ہر جمعہ کے دن چقندر اور جو کے آٹے سے تیار کیے ہوئے کھانے کی ضیافت کھلایا کرتی تھی اور پھر فرماتے ہیں ہم اس ضیافت کے کھانے کے لیے جمعہ مبارک کے دن کا انتظار کیا کرتے تھے۔

حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ کارِ خیر کا معین کرنا اگر مبنی بر ارادہ نیک ہو تو جائز ہے۔ یہی ہم اہلِ سُنت والجماعت کہتے ہیں کہ ہمارے معاملات (گیارہویں شریف، عُرس مبارک، میلاد شریف، معراج شریف، جمعراتیں، سوئم، چہلم وغیرہ وغیرہ) کی تعین ضروری اور فرض نہیں ہیں اور نہ یہ کسی عوام یا خاص کا عقیدہ ہے۔ بلکہ یہ تو کسی خاص وقت پر کسی کام کو انجام دینے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

امام کے پیچھے قرات نہیں کرنی ہے

جہری نمازوں اور خفی نمازوں میں اِمام کے پیچھے مقتدیوں نے خاموشی سے سُننا ہے۔ اِمام کے پیچھے قرات نہیں کرنی ہے۔

10 صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ امام کے پیچھے تلاوت نہیں کرنی ہے۔

(1) حضرت علیؓ نے فرمایا: "جو اِمام کے پیچھے تلاوت کرے وہ فطرت پر نہیں" (طحاوی)

(2) حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: "جو اِمام کے پیچھے تلاوت کرے اُس کی نماز نہیں ہوتی"

(3) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: "جو اِمام کے پیچھے تلاوت کرے، کاش اُس کے منہ میں پتھر ہو" (موطا)

(4) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں: "جو اِمام کے پیچھے تلاوت کرے اُس کے منہ میں انگارے" (موطا محمد)

(5) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: "اِمام کی قرات کافی ہے"

اعتراض:۔

سوال: جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے جیسے تکبیر تحریمہ، قیام، رکوع، سجود، قعدہ، تو تلاوت بھی ایک رکن ہے، وہ کیوں چھوڑا جائے؟ یہ کیا کہ سب رکن ادا کردیے ایک چھوڑ دیا؟

جواب: جماعت کی نماز میں مسلمان ایک وفد بن کر دربارِ خُداوندی میں حاضر ہوتے ہیں جس کا نمائندہ امام ہوتا ہے۔ وفد اپنے نمائندے سے راضی ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، ہم بھی اس پر راضی ہیں۔ یعنی ہم بھی وہی کہہ رہے ہیں۔

آدابِ شاہی کا تقاضہ ہے کہ قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ، تشہد، سب کریں گے مگر عرض ومعروض (تلاوت) صرف اُن کا نمائندہ ہی کرے گا اور وہ سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اس لیے تلاوت منع ہے کہ اُن پر ادب سے خاموش رہنا بحکم قرآن فرض ہے۔ (سورہ الاعراف آیت 204

اِمام ابوحنیفہؒ (مناظرہ) ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کے پاس اس بات پر مناظرے کے لیے آئے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کی قرات لازمی ہے۔ جب وفد کے تمام ارکان حاضر ہوگئے تو اِمام ابوحنیفہؒ آئے اور وفد کو مخاطب کر کے کہا کہ "آپ سب لوگ بات کریں گے یا آپ لوگوں کی طرف سے کوئی ایک بات

کرے گا"؟۔لوگوں نے کہا کہ "ایک فرد ہمارا نمائندہ ہوگا"۔ اِمام صاحبؒ نے کہا کہ "جو شخص آپ کا نمائندہ ہوگا کیا پورا وفد اس نمائندے سے متفق ہوگا"؟۔ اُنہوں نے کہا "ہاں" "ہم سب اس نمائندے کو متفق طور پر کھڑا کریں گے"۔ اِمام صاحبؒ نے کہا! "مناظرہ ختم"۔ میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ "اِمام مقتدیوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک نمائندہ ہوتا ہے جو پوری جماعت کی اللہ کے حضور میں نمائندگی کرتا ہے"۔

آمین آہستہ کہنی چاہیے

آمین قرآنی آیت یا کلمہ نہیں ہے، نہ جبریل علیہ السلام اس کو لائے اور نہ قرآن پاک میں لکھی گئی۔ یہ دُعا کے بعد ایک التجاء ہے کہ! یا الٰہی یہ دُعا قبول کر لینا، اس کو بس دُعا کہہ سکتے ہیں۔اِس کو ذکر اللہ بھی کہہ سکتے ہیں۔اِس لیے جیسے ثنا، التحیات، دُرود ابراہیمی اور دُعائیں آہستہ پڑھی جاتی ہیں اسی طرح آمین بھی آہستہ پڑھنی چاہیے۔

احناف (فقہ حنفی کے پیروکار) کے نزدیک

فِقہ حنفی کا پیروکار یا مقلد ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا نماز جہری ہو یا سِری آمین آہستہ کہے گا مگر وہابی یا غیر مقلد بلند آواز سے بلکہ چیخ کر آمین کہتے ہیں۔آہستہ آمین کہنا حکم خداوندی اور حکم رسول خاتم النبیین ﷺ کے موافق ہے۔

قرآن پاک میں رب تعالیٰ سورۃ الاعراف، آیت نمبر 55 میں فرماتا ہے:" -اپنے رب سے مانگو عاجزی سے اور آہستہ آہستہ"-

آمین بھی ایک دُعا ہے، اس لیے اِس کو آہستہ کہنا چاہیے۔

سورۃ بقرہ، آیت نمبر 186، میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"-اے میرے محبوب جب لوگ آپ خاتم النبیین ﷺ سے میرے متعلق پوچھیں تو (بتائیں) کہ میں بہت نزدیک ہوں اور دُعا مانگنے والے کی دُعا قبول کرتا ہوں"-اب ربّ تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔

(1) حدیث : بخاری، مسلم، احمد، مالک، ابوداوٗد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" جب اِمام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اُس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے" (صحیح بخاری جلد 1، ابوداوٗ جلد اول)

اب دیکھیں فرشتے آمین کہتے ہیں، ہم اُن کی آمین کو سُن نہیں سکتے، یعنی وہ آہستہ آمین کہتے ہیں۔لہذا ہمیں بھی آمین آہستہ ہی کہنی ہے تاکہ فرشتوں کی موافقت ہو جائے۔

(2) حدیث: حضرت وائل ابن حجرؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے وَلَا الضَّالِّین کہا تو پھر آمین کہی اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔(دارقطنی، باہم مسند احمد، ابوداوٗد، ابویعلی)

حضرت وائل ابن حجرؓ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ نہ تو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اُونچی آواز سے پڑھتے تھے اور نہ ہی آمین اونچی آواز سے کہتے تھے۔
(مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 16)

کفنی یا الفی لکھنے کا بیان

قبر میں شجرہ یا عہد نامہ یا دیگر تبرکات کا رکھنا اور مردے کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ یا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھنا، قبر میں بزرگانِ دین کا تبرک یا تبرکات اور غلاف کعبہ یا اُس کا کوئی ٹکڑا رکھنا، مردے کی بخشش کا وسیلہ ہو سکتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: (1) سورۃ مائدہ، آیت نمبر 35 میں ارشاد ہوتا ہے "اور اُس کی طرف وسیلہ پکڑو"۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا "میری قمیص لے جاؤ اور والد کے منہ پر ڈال دو، اُن کی آنکھوں میں بینائی آجائے گی"-(سورۃ یوسف، آیت نمبر 93)

(2) **مشکوٰۃ، باب غسل میت "** میں اُمِ عطیہؓ سے روایت ہے کہ:" جب ہم زینبؓ بنت رسول خاتم النبیین ﷺ کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو خبر دی۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں اپنا ایک تہبند شریف دیا اور فرمایا اِس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل کر دو"۔

یہ حدیث شریف صالحین کی چیزوں اور اُن کے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے لباس اور اُن کے تبرکات سے موت کے بعد قبر میں برکت لینا مستحب ہے۔

(3) **مشکوٰۃ باب غسلِ میت میں:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ، حضرت عبداللہ بن ابی کعبؓ کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھے جا چکے تھے۔اُن کو نکلوایا اُن پر اپنا لعاب دہن ڈالا اور اپنی قمیص مبارک اُن کو پہنوائی"۔

(4) **امیر معاویہؓ:** نے بوقت انتقال وصیت فرمائی تھی کہ "مجھ کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا، وہ میں نے اس دن کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ اِس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو میرے منہ، میری آنکھ اور میرے اعضاء سجدہ پر رکھ دینا"۔

مندرجہ بالا تمام واقعات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے یا سینے پر یا کفنی پر بِسۡمِ اللہ لکھنا جائز ہے۔اسی طرح کفن کے اندر سینے پر عہد نامہ رکھنا یا کفن پر لکھنا جائز ہے۔اس لیے کہ جب قبر کے اوپر والی گھاس میت کو فائدہ پہنچا سکتی ہے تو قبر کے اندر سینے پر رکھی ہوئی یا لکھی ہوئی آیات فائدہ کیوں نہ دیں گی؟ دوسرے یہ کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام اُس میت کے کانوں تک پہنچ جائے، تاکہ اندر اُس کو امتحان میں کامیابی ہو۔ تو وہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو منکر نکیر کے جوابات یاد آنے کی امید ہے۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے۔جلی ہوئی آگ بجھ جاتی ہے، گھبرایا ہوا دل قرار پکڑ لیتا ہے۔

رَبِّ تعالیٰ قرآن میں سورہ الرعد آیت نمبر ۲۸ فرماتا ہے کہ "آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر ہی سے قلوب سکون پکڑتے ہیں"۔

سورۃ کہف آیت نمبر ۲۲ مَا یَعۡلَمُھُمۡ اِلَّا قَلِیۡل--- تفسیر سادی شریف میں اس آیت کے تحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جگہ کام آتے ہیں مثلاً گمی ہوئی چیز تلاش کرنا، جنگ میں، آگ بجھانے کے لیے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دیں۔ بچے کے روئے تو میں لکھ کر تکیئے کے نیچے رکھ دو اور کھیتی زیادہ ہونے کے لیے لکڑی میں کاغذ لگا کر لکڑی درمیان میں کھڑی کر دو۔ بخار کے لیے، سردرد کے لیے، حاکم کے پاس جاتے ہوئے سیدھی ران میں باندھ کر جائے، مال کی حفاظت کے لیے، دریا میں سوار ہوتے وقت، قتل سے بچنے کے لیے۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اصحابِ کہف سات ہیں۔

(1) یَمۡلِیۡخَا (2) مَکۡشَیۡلِیۡنَا (3) مَشۡلِیۡنَا (4) مرنوش

(5) وبرنوش (6) شاذنوش (7) مرطوش

اگر یہ نام کسی دیوانے پر بھی پڑھے جائیں تو اُسکو آرام آتا ہے، اصحابِ بدر کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں تو بعد از موت بیکار کیسے ہوسکتے ہیں؟ اس لیے قبر کے اندر تبرکات کا رکھنا اور کفنی پر یا میت کے ماتھے پر انگلی سے یا کسی مٹی وغیرہ یا کسی اور چیز سے **بِسۡمِ اللہ شریف یا عہد نامہ** وغیرہ لکھنا جائز ہے (جاء الحق)۔

الاستمداد (مدد طلب کرنا)

انسان اپنی پیدائش سے لے کر قبر تک دوسرے انسان کا محتاج و ضرورت مند ہے۔ پیدائش کے وقت دائی کا، پرورش کے وقت والدین کا، تعلیم کے میدان میں اساتذہ کا، ملازمت وحصولِ رزق کے لیے آفیسرز، زر اور دیگر وسائل کا، بڑھاپے کے وقت لاٹھی کا (یہ لاٹھی اولاد بھی ہوسکتی ہے)۔ قبر و دفن کے وقت عزیز واقارب کا، یہاں تک کہ حشر کے میدان میں حصول جنت اور نجاتِ دوزخ کے لیے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت اور نیک اعمال کا محتاج۔

انسان کا غیر اللہ سے مدد طلب کرنا مجازی طور پر ہے اور باعطائے الٰہی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ حقیقی کارساز اور فاعل حقیقی ہے۔ حضرت علامہ مفتی وقار الدینؒ فرماتے ہیں کہ فعل کی نسبتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ کبھی فاعل حقیقی کی طرف اور کبھی فاعل مجازی کی طرف۔ یہ استعمال ہر زبان میں ہوتا ہے۔ اُردو میں، عربی میں، اور قرآن وحدیث میں بھی اس کے پہچاننے کے لیے متکلم کے اعتقاد (بولنے والے کے) پر دار و مدار ہوتا ہے۔

مسلمان عقیدہ رکھتا ہے کہ **"فاعلِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے"** اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کہنے والے کا مومن ہونا ہی مجازی معنی مراد ہو لینے کے لیے کافی ہے اور مومنوں کے کلام کو زبردستی "اسنادِ حقیقی" بنا کر کُفر کے معنی پیدا نہیں کیے جاسکتے۔ اُردو زبان میں اکثر یہ الفاظ بولے جاتے ہیں کہ فلاں دوائی سے فوراً آرام آگیا۔ فلاں ڈاکٹر نے مریض کو فوراً اچھا کر دیا، بارش نے زمین کو سرسبز کر دیا، بادلوں نے پانی برسایا وغیرہ۔

اِن مثالوں سے کسی کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ الفاظ تو کُفر ہیں اور ایسا کہنے والا کافر ہے۔ اس لیے کہ بولنے والا مسلمان ہے اور مسلمان کا مسلمان

ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب اسباب ہیں اور یہ سب نسبتیں مجازی ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہ السلام سے کہا:

لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا (سورۃ مریم 19:19)　　ترجمہ: "مَیں تمہیں پاک بیٹا دوں گا"

اور مسلمان یقین رکھتا ہے کہ اولاد دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی طرف سے لڑکا دینے کی نسبت مجازاً کی ہے۔

اِسی طرح ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے (سورۃ محمد، آیت نمبر 27)　　**ترجمہ** "فرشتے انہیں موت دیتے ہیں"۔

یہ بھی **"اسنادِ مجازی"** ہے اس لیے کہ موت دینا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسلمان جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے پر جب مشکل کُشا کا لفظ استعمال کرے گا تو اس سے "اسنادِ مجازی" ہی مراد ہوگی اس لیے کہ مسلمان یقین رکھتا ہے کہ حقیقی **"مشکل کُشا"** صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ **یعنی مشکلیں حل کرنے کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں** اور فاعل (کہنے والا) کا مسلمان ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ اسنادِ مجازی ہے۔ جو لوگ مسلمانوں کو کافر بنانے پر تُلے ہوئے ہیں وہ بھی اکثر ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً چندہ مانگتے وقت کہتے ہیں کہ "مدد کیجیے آپ کی مدد سے ہماری مشکل حل ہوجائے گی"، "آپ ہماری مشکل دُور کر سکتے ہیں" وغیرہ وغیرہ

مدد طلب کرنے کا قرآن پاک سے ثبوت

1۔ سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 52 میں ارشاد ہوتا ہے: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولے کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف سے، حواریوں نے کہا ہم دینِ خُدا کے مددگار ہیں"۔ (اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے مدد طلب کر رہے ہیں۔)

2۔ سورۃ مائدہ، آیت نمبر 2 میں ارشاد ہوتا ہے: "اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو"۔

اس آیت میں خود اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم فرما رہے ہیں۔

3۔ سورۃ محمد، آیت نمبر 7 میں ارشاد ہوتا ہے: "اے ایمان والو اگر تم دینِ خُدا کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔

اَب دیکھیے اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے وہ اپنے بندوں سے دین کی مدد کرنے کا ارشاد فرما رہے ہیں۔

4۔ سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 81 میں ارشاد ہوتا ہے: "تو تم ضرور اُس پر ایمان لانا اور تم ضرور اُس کی مدد کرنا"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام سے اپنے محبوب خاتم النبیین ﷺ کی مدد کرنے کی تاکید کر رہے ہیں۔

5۔ سورۃ بقرہ، آیت نمبر 153 میں ارشاد ہوتا ہے: "اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

6۔ سورۃ کہف، آیت نمبر 95 میں ارشاد ہوتا ہے: "تم میری مدد طاقت سے کرو"۔ اس آیت میں حضرت ذوالقرنین اپنی قوم سے مدد طلب کر رہے ہیں۔

7۔ سورۃ انفال، آیت نمبر 62 میں ارشاد ہوتا ہے: "جس نے تمہیں زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا"۔

8۔ سورۃ تحریم، آیت نمبر 4 میں ارشاد ہوتا ہے: "تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور جبرائیل علیہ السلام اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں"۔

9۔ سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 30-29 میں ارشاد ہوتا ہے: "خُدایا میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر کردے، میری پُشت کو ان کی مدد سے مضبوط کردے"۔

قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا ہے کہ رب تعالیٰ نے مدد طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور انبیاء کرام نے بھی مدد طلب کی ہے۔

مدد طلب کرنے کا حدیث پاک سے ثبوت

1۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ لکھنے والے فرشتوں کے سوا، اللہ تعالیٰ نے ایسے ملائکہ مقرر فرمائے ہیں جو درختوں کے ان پتوں کو لکھ لیتے ہیں جو گر پڑتے ہیں۔ پس جب دورانِ سفر تم میں سے کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس طرح ندا کرے "اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اللہ تم پر رحم فرمائے گا" (امام ابنِ ابی شیبہؒ)

2۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:" جب تم میں سے کسی کی سواری ویران زمین میں بھاگ جائے تو اُس کو چاہیے کہ وہ اس طرح نِدا کرے "اے اللہ کے بندوُ اسے روکو، اے اللہ کے بندوُ اسے روکو" کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے زمین میں ہوتے ہیں جو اُسے روک لیتے ہیں (تفسیر کبیر، عمل الیوم والیلۃ)

مدد طلب کرنے کے بارے میں بزرگانِ دین کے نظریات

1۔ **اِمامِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ**: اِمامِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں "اے موجودات سے زیادہ تعظیم والے، اے ورَاُلوَرٰی کے خزانے، مجھے بھی اپنے خزانے سے عطا فرمایئے، اللہ تعالیٰ نے جیسے آپ خاتم النبیین ﷺ کو راضی کیا ہے مجھے بھی راضی کیجیے، مَیں آپ خاتم النبیین ﷺ کی جُود و سخاوت کا طلب گار ہوں، مخلوق میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے سوا ابوحنیفہؒ کا کوئی نہیں" (قصیدہ نعمان)

2۔ **اِمام شافعیؒ کا نظریہ**: اِمام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کی قبرِ اطہر دُعا کی قبولیت کے لیے آزمودہ تریاق ہے (غم مٹانے اور دُعا پوری ہونے کی جگہ)۔ (حاشیہ مشکوٰۃ، صفحہ 154، باب زیارت القبور)

3۔ **ملا علی قاریؒ کا نظریہ**: حدیث میں وارد ہونے والے الفاظ **"یا عباداللہ"** (اے اللہ کے بندو) کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے مُراد ملائکہ یا مسلمان جن یا رجال الغیب یا ابدال مُراد ہیں یعنی اولیاء کرام۔

4۔ **حضرت غوثِ اعظمؒ کا نظریہ**: ترجمہ:" جو شخص تکلیف کے وقت مجھ سے مدد طلب کرے تو اس کی تکلیف دُور ہو جائے گی اور جو شدید تکلیف کے وقت میرے نام کے ساتھ مجھے نِدا دے تو وہ مصیبت دُور ہو جائے گی اور حاجت کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرا وسیلہ پیش کرے تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی"۔

5۔ **اِمام بوصیریؒ کا نظریہ** (قصیدہ بُردہ شریف) ترجمہ:"اے مخلوقات میں سب سے عظمت والے، میرا آپ خاتم النبیین ﷺ کے بغیر کوئی نہیں جس کی میں مصیبت کے وقت پناہ لے سکوں"

6۔ **عبدالحق محدث دہلویؒ کا نظریہ** (اشعۃ اللمعات باب زیارت القبور): ترجمہ: امام غزالیؒ نے فرمایا" جس سے اُس کی زندگی میں مدد لینا جائز ہے اس سے بعد وفات بھی مدد طلب کرنا جائز ہے"۔ مشائخ عظام میں سے ایک نے فرمایا کہ مَیں نے چار مشائخ کو دیکھا کہ وہ اپنی قُبور میں اس طرح تصرف کرتے ہیں جس طرح اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے یا اس سے بھی بڑھ کر"۔

7۔ **شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نظریہ**: ترجمہ: روضہ انور پر حاضری کے دوران شاہ ولی اللہؒ سرکارِ دو عالم خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہوئے کہتے ہیں" مَیں نے عرض کی یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ مجھے بھی اس میں سے عطا فرمایئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو عطا فرمایا ہے، مَیں نے خیال کیا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی عطا کی چادر نے مجھے لپیٹ لیا اور مجھے ڈھانپ لیا اور چھپا لیا اور مجھ پر رُموز واسرار ظاہر فرما دیئے- اور مجھے ارشاد فرمایا کہ مَیں کس طرح آپ خاتم النبیین ﷺ سے مدد طلب کروں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کس طرح جواب دیتے ہیں۔ جس وقت آپ خاتم النبیین ﷺ پر کوئی دُرود پڑھے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کتنے خوش ہوتے ہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی کوئی مدح کرے یا آپ خاتم النبیین ﷺ سے گریہ زاری کرے۔

مزارات، تبرکات اور ان کی تعظیم

قرآن پاک سورۃ بقرہ آیت نمبر 248 میں ارشاد الٰہی ہے:"اور اُن سے اُن کے نبی (حضرت شموئیل علیہ سلام نے) فرمایا کہ اُن کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمھارے پاس وہ صندوق آئے گا۔ جس میں تمھارے رب کی طرف سے تمھارے دلوں کا چین ہے۔ اور آل موسیٰؑ اور آل ہارونؑ کی کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جو انہوں نے چھوڑی ہیں۔ اُٹھائے ہوئے ہوں گے اسے فرشتے۔ بے شک اس میں تمھارے لئے نشانی ہے اگر تم مومن ہو"۔

اس آیت مبارکہ میں جس صندوق کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ شمشاد کی لکڑی کا بنا ہوا صندوق تھا جس میں انبیاء کرامؑ کے کچھ تبرکات تھے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ سلام کا عصا اور اُن کی جوتیاں۔ حضرت ہارون علیہ سلام کا عمامہ مبارک۔ حضرت سلیمان علیہ سلام کی انگوٹھی۔ توریت کی تختیوں کے چند ٹکڑے اور کچھ من وسلویٰ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب کافروں سے جہاد کے لئے جاتے تو اس صندوق کو اپنے آگے رکھ لیا کرتے تھے۔ جس سے ان کے دلوں میں سکون اور طمانیت پیدا ہو جاتی تھی اور اس کے

صدقے میں اللہ تعالیٰ کافروں پر ان کو فتح ونصرت عطا فرما دیتا تھا۔اور اگر بنی اسرائیل اس صندوق کے وسیلے سے دعا کرتے تھے تو ان کی مشکلیں آسان ہوجاتی تھیں۔ بلائیں دور ہوجاتیں تھیں۔ان کی مرادیں پوری ہوجاتی تھیں۔مگر جب بنی اسرائیل کے گناہ اور سرکشی بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قوم عمالقہ مسلط کردی جس نے بنی اسرائیل کا قتل عام کیا۔ان کو تباہ وبرباد کردیا اور ان کا یہ صندوق بھی اٹھا کر لے گئے۔اور عمالقہ کے ان کافروں نے اس صندوق کو ایک کوڑے کے ڈھیر پر لے جا کر ڈال دیا۔اس صندوق کی بے ادبی سے اس قوم عمالقہ پر طرح طرح کی مصیبتیں اور بیماریاں نازل ہوئیں۔جس سے وہ تباہ و برباد ہوگئے۔پھر انہیں یہ یقین ہوگیا کہ اس صندوق کی بے ادبی کی وجہ سے ہم پر یہ مصیبتیں نازل ہورہی ہیں۔چنانچہ انہوں نے اس صندوق کو ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بنی اسرائیل کی طرف ہانک دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے چار فرشتوں کو بھیجا جو بڑی تعظیم کے ساتھ اس صندوق کو بنی اسرائیل کے نبی حضرت شموئل علیہ سلام کے پاس لے کر آئے۔جس کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہی کو تسلیم کرلیا۔کیونکہ طالوت کی بادشاہی کو ماننے کے لئے یہی شرط رکھی گئی تھی کہ وہ متبرک صندوق ہمارے پاس دوبارہ آجائے۔اس قرآنی واقعہ سے ہم پر بہت سے حقائق روشن ہوتے ہیں۔

(1)　ایک یہ کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے پیاروں سے نسبت ہوجائے وہ تبرکات بڑے برکت والے اور بڑے عزت اور عظمت والے ہوجاتے ہیں۔دیکھئے اب وہ صندوق جس میں انبیاء علیہ سلام کے تبرکات تھے ان کا کتنا بڑا مرتبہ ہوگیا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو اٹھانے کے لئے فرشتے مقرر کئے گئے جنہوں نے اس صندوق کو اپنے نورانی کندھوں پر اٹھا کر حضرت شموئل علیہ سلام تک پہنچایا۔معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے تبرکات بڑے لائق تعظیم اور تکریم ہوتے ہیں۔

لہٰذا جو لوگ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں اپنے نبی سے تعلق رکھنے والے ستونوں، درودیواروں، پہاڑ کے پتھروں، درخت کے پتوں اور خاک کے ذروں کو چومتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں وہ درحقیقت اس آیت پر عمل کررہے ہوتے ہیں۔کیونکہ اس آیت میں یہی سبق دیا گیا ہے کہ ان تبرکات کا احترام اور تعظیم کرنا شرک نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ان کنتم مومنین۔کہ یہ تمھارے ایمان کی نشانی ہے یعنی اگر تم مومن ہو تو ان چیزوں کی عظمت کو سمجھ کر ان کی تعظیم کروگے۔

ایک مقام پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(سورۃ بقرہ آیت نمبر 158)

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ　ترجمہ:۔　''بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں''۔

صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی ایک ولیہ حضرت حاجرہؓ حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے پانی کی تلاش میں دوڑتی رہیں تھیں۔ان کے قدم ان پہاڑیوں پر لگ گئے تو یہ پہاڑیاں متبرک ہوگئیں۔اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کو اپنی نشانی فرمادیا اور دوسری آیت میں اپنی نشانیوں کی تعظیم کی اہمیت اور افادیت بیان کردی اور فرمایا:(سورۃ حج آیت نمبر 32)

وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۚ　ترجمہ:۔　''اور ہماری نشانیوں کی تعظیم کرنا دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے''۔

اسی لئے صحابہ کرامؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے تبرکات کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے ان آیات سے ہمیں سبق ملا جب کسی جگہ پر اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے قدم لگ جاتے ہیں تو وہ جگہ شعائر اللہ بن کر لائق تعظیم ہوجاتی ہے۔تو پھر جن قبروں میں اللہ تعالیٰ کے ولی خود آرام فرما ہوں ان کا پورا جسم انور۔قیامت تک کے لئے موجود ہو وہ قبریں اور مزارات کیوں نہ شعائر اللہ ہوں گے؟ اور ان کی تعظیم کیوں نہ ضروری ہوگی؟ اس لئے تفسیر روح البیان میں۔وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔کے تحت لکھا ہے کہ انبیاء اور اولیاءؒ کی قبریں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور یہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔لہٰذا ان کی تعظیم اور احترام ضروری ہے۔اب تعظیم مختلف انداز میں کی جاتی ہے۔اس مزار پر چادر ڈالنا یہ بھی اس کی تعظیم ہے اس پر پھول ڈالنا، وہاں آنے جانے والوں کے لئے بجلی پانی کا اہتمام کرنا وہاں زائرین کی سہولت کے لئے۔کوئی عمارت یا گنبد وغیرہ بنا دینا۔یہ سب کچھ تعظیم میں شامل ہیں۔اور چونکہ شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم قرآن دے رہا ہے۔لہٰذا ان شعائر اللہ یعنی قبروں کی تعظیم کی خاطر ان پر گنبد وغیرہ بنانا۔ان مزارات پر پھول اور چادریں وغیرہ ڈال کر ان کی عظمت اور احترام کو آشکارا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہوگا اور قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق دلوں کے تقویٰ کی علامت ہوگا۔

بعض لوگ کہتے کہ مزارات پر گنبد وغیرہ یا کوئی عمارت بنانا یا مزار کو پکا بنانا ناجائز ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا مزار مبارک پکا بنا ہوا ہے۔اور اس پر سبز گنبد اور پوری عمارت شروع سے آج تک موجود ہے اس کے علاوہ مختلف ملکوں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ آئمہ مجتہدین اور صالحین کے مزارات پر گنبد وغیرہ بنے ہوئے ہیں اور ان پر چادریں پڑی ہوئی ہیں۔اگر یہ حرام اور ناجائز ہوتا تو ان کو کب کا ختم کردیا ہوتا لیکن ہر دور میں ان کا اسی طرح موجود رہنا دلیل ہے کہ یہ جائز ہے۔حضرت امام حسنؓ کا انتقال ہوا تو ان کی زوجہ محترمہ نے ایک سال تک ان کی قبر پر قبہ بنائے رکھا اس وقت موجود تمام صحابہ کرامؓ اور

تابعین نے دیکھا لیکن کسی نے بھی منع نہ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ مزار پر قبہ یا گنبد وغیرہ بنانا حرام نہیں۔ (بخاری کتاب الجنائز۔ مشکوۃ۔ باب البکاء علی المیت)

اسی لئے احناف کے بڑے بڑے آئمہ مثلاً علامہ ملاعلی قاریؒ: صاحب طحاویؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے مزارات اولیاءؒ پر ان کی عظمت کے اظہار کے لئے قبے اور گنبد وغیرہ بنانے کو جائز لکھا ہے۔ (روح البیان، مرقاۃ، اشعہ اللمعات طحاوی صفحہ 335)

جن احادیث میں قبر کو پکا کرنے اور اس پر عمارت اور گنبد وغیرہ بنانے کی ممانعت آئی ہے ان سے مراد یا تو عام مسلمانوں کی قبریں ہیں یا قبر کے بالکل اوپر دیوار وغیرہ بنانے کی ممانعت ہوگی نہ کہ قبر کے اردگرد عمارت کی ممانعت ہوگی۔ کیونکہ عام مسلمانوں کی قبریں شعائر اللہ میں سے نہیں لہٰذا ان کی تعظیم میں ان پر گنبد وغیرہ بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر قبر کے اردگرد عمارت کی ممانعت ہوتی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اس قول کے خلاف قبے اور گنبد بناتے جب کہ حضرت عمرؓ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت علیؓ کے پوتے حضرت محمد بن حنفیہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی قبر پر قبہ بنایا۔ (منتقا شرح موطا، بدائع الصنائع جلد اول صفحہ 320 / عینی شرح بخاری)

اسی طرح غلاف اور چادر ڈالنا کیونکہ اس سے اس ولی کے مزار کی تعظیم کا اظہار مقصود ہے۔ لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔ جیسے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ اسی طرح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے روضہ انورؐ پر سبز غلاف ہمیشہ سے چڑھایا جاتا رہا ہے۔ اور آج تک ایسا ہوتا ہے۔ شام وعراق وغیرہ میں صحابہؓ اور اولیاء اللہؒ کے مزارات پر غلاف اور چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ اس لئے فقہ حنفی کے معتبر کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ اولیاء کرامؒ کی تعظیم کی نیت سے ایسا کرنا جائز ہے۔ (شامی جلد 5 کتاب الکرایت باب اللباس) جن احادیث میں مٹی اور پتھروں کو کپڑے پہنانے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد عام گھروں میں بغیر کسی ضرورت کے پردے لٹکانا مراد ہے۔ حضرت عائشہؓ نے دیوار پر پردہ ڈالا تھا تو اس کے متعلق آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''رب نے ہمیں حکم نہیں دیا کہ ہم مٹی اور پتھروں کو کپڑے پہنائیں'' اس بات کا قبروں کے غلاف اور چادروں سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح جن احادیث میں قبروں پر چراغ جلانے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد بھی بے فائدہ اور بلاضرورت چراغ جلانا ہے کہ یہ مال کا ضائع کرنا اور اسراف ہے اس لئے ناجائز ہے۔ لیکن اگر کسی ضرورت کے لئے ہو یعنی اولیاء اللہؒ کی عظمت کو آشکارا کرنے کے لئے ہو تو پھر چراغ اور بلب وغیرہ جلانا جائز ہے۔

صحابہ کرامؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے تبرکات کا بڑا ادب واحترام کیا کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ بال کٹواتے تو صحابہ کرامؓ آپ خاتم النبیین ﷺ کے گرد جمع ہوجاتے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا کوئی بال زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے بلکہ فوراً ہی ان بالوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا کرتے تھے (مسند احمد 3 / 127، مسلم شریف 252/2) اور ان کو خوشبوؤں میں بسا کر بڑے ہی ادب سے اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ (بخاری صفحہ 502) حضرت بلالؓ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے لئے وضو کرنے کا پانی لاتے تو لوگ اس تبرک کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ جس کو یہ پانی مل جاتا وہ اپنے ہاتھ سے اس پانی کو اپنے چہرے پر مل لیا کرتا اور جس کو نہ ملتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ سے ہاتھ رگڑ کر برکت حاصل کرلیا کرتا تھا (بخاری 503)۔ حضرت عائشہؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا وہ کمبل جس میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا وصال ہوا تھا بڑی احتیاط سے سنبھال رکھا تھا (بخاری صفحہ 438)۔ حضرت انسؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے نعلین مبارک کو بڑے ادب سے رکھا ہوا تھا اور وہ ان کی زیارت کرواتے تھے (بخاری صفحہ 438/871)۔ حضرت کبشہؓ کے ہاں ایک روز حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ان کے مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی نوش فرمالیا تو انہوں نے مشکیزہ کا وہ حصہ جہاں آپ خاتم النبیین ﷺ کے لب مبارک لگے تھے وہ بطور تبرک کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا (ترمذی 2۔ صفحہ 11)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ممبر شریف پر ہاتھ پھیر کر اپنے چہرے پر مل لیا کرتے تھے۔ (شفاء لقاضی عیاض 42/2) حضرت امیر معاویہؓ نے وصیت کی تھی کہ ''میرے پاس حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے کچھ ناخن مبارک اور بال مبارک اور ایک کرتا مبارک موجود ہے۔ جب میرا انتقال ہوجائے تو اس کرتہ کو میرے کفن کے اندر اس طرح رکھنا کہ وہ میرے جسم سے مس ہوجائے اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بالوں اور ناخنوں کو میرے منہ، آنکھوں اور سجدے کی جگہ پر رکھ دینا۔ پھر کہا کہ اگر اس وقت کوئی چیز میرے کام آئے گی تو یہی چیزیں ہوں گی'' (الاستیعاب لابن عبدالبر علی ہامش الاصابر جلد 3 صفحہ 399)

ان آیات اور احادیث سے ثابت ہوا کہ تبرکات کی تعظیم کرنا، ان کا احترام کرنا، ان سے برکتیں حاصل کرنا، ان کو ادب سے بحفاظت رکھنا، اور ان کو اپنی قبر میں رکھنے کی وصیت کرنا یہ تمام امور شرک اور بدعت نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی سنت ہیں اور رب کی رحمت اور مغفرت کے نزول کا باعث ہیں۔

ایک اہم بات جو مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ انبیاءؑ اور اولیاءِ کرامؒ کے تبرکات نافع بھی ہیں دافع بلا بھی ہیں اور مشکل کشا بھی ہیں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 248 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔فی سکینتہ۔کہ اس صندوق میں دلوں کا چین ہے۔یعنی اس تبرکات والے صندوق سے دلوں کو طمانیت اور سکون ملتا ہے اور بنی اسرائیل اس سے نہ صرف جہاد میں طمانیت اور سکون حاصل کرتے تھے بلکہ اس کے صدقے سے بڑی بڑی مشکلات حل کرلیا کرتے تھے۔اسی لئے قرآن پاک میں آتا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کا کرتا مبارک حضرت یعقوب علیہ سلام کی آنکھوں پر ڈالا گیا تو ان کی بینائی واپس آ گئی۔(سورۃ یوسف آیت نمبر 96)

حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا جبہ مبارک حضرت عائشہؓ سے میں نے حاصل کرلیا تھا اور ہم اسے دھوکر بیماروں کو پلاتے تھے تو اس سے شِفا ملتی تھی (مسلم 190 صفحہ نمبر 19۔مشکوٰۃ صفحہ 374)۔حضرت ام سلمہؓ کے پاس چاندی کی ایک ڈبیہ تھی۔جس میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے چند موئے مبارک تھے۔جب کسی کو نظر لگ جاتی تھی یا کوئی بیمار ہوجاتا تھا تو وہ پانی کا برتن آپ کے پاس بھیج دیا کرتا تھا اور آپؓ اس پانی میں وہ ڈبیہ ڈبو دیا کرتی تھیں اور اس پانی کو جب بیمار پیتا تھا تو اس کو شِفا مل جاتی تھی (بخاری جلد 2 صفحہ 875)۔حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی ٹوپی میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بال مبارک سیئے ہوئے تھے جن کی برکت سے ان کو ہر جنگ میں فتح اور نصرت ملتی تھی (عمدۃ القاری شرح بخاری 37/3)۔ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے تبرکات میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ ان سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں مرادیں پوری ہوتی ہیں بیماریاں اور بلائیں رد ہوتی ہیں۔اور یہ بھی کہ جب اللہ کے پیاروں کے جسم سے لگنے والے تبرکات میں یہ برکتیں اور تاثیر ہیں تو پھر جس قبر میں خود اللہ تعالیٰ کے پیارے کا جسم موجود ہوگا۔وہاں پر کیوں نہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی اور اس قبر کے صدقے میں کیوں نہ مشکلیں آسان ہوں گی اور کیوں نہ مرادیں پوری ہونگیں۔حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر حاضر ہوکر 2 رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں اسی وقت میری مشکل آسان ہوجاتی ہے۔ (فتاویٰ شامی 41/1)۔ حضرت امام بخاریؒ کو جب قبر میں رکھا گیا تو ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آنے لگی لوگ بطور تبرک آپؒ کے مزار کی مٹی کو لے جانے لگے یہاں تک کہ آپ کی قبر کے اردگرد ایک لکڑی کا جال بنادیا گیا تاکہ لوگوں سے قبر محفوظ رہے۔پھر جب سمرقند میں قحط پڑا تو قاضی شہر لوگوں کو لے کر آپؒ کی قبر پر گیا اور آپ کی قبر کے وسیلے سے دعا کی تو اس زور کی بارش آئی کہ سات روز تک مسلسل ہوتی رہی۔(تیسیر الباری شرح بخاری 22/1)

بہرحال ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے مزارات پر حاضری دینا ان کے مزارات کے وسیلہ سے دعائیں کرنا۔قبولیت دعا اور رحمت خداوندی کا موجب ہوتا ہے۔

یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ کے پیاروں کی تبرکات کی بے ادبی اور توہین کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔قوم عمالقہ نے جب اس تبرکات والے صندوق کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینکا تو وہ تباہ و برباد ہوگئے۔ لہٰذا بزرگوں کے تبرکات اور ان کی قبروں کی بے ادبی اور گستاخی سے بچنا چاہیے کہیں اس گستاخی اور بے ادبی کے سبب اللہ تعالیٰ کے قہر اور اس کے عذاب سے دوچار نہ ہوجائیں۔

نذرونیاز اور دُعائے مغفرت

قرآن پاک سورۃ ابراہیم آیت نمبر 41 میں ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝

ترجمہ:۔ ''اے ہمارے پروردگار مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش دے اور دیگر مومنوں کو بھی جس دن حساب ہونے لگے''۔

حضرت ابراہیم علیہ سلام نے اس دعا میں اپنے مرحوم والدین کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا فرمائی ہے۔مسلمانوں میں زندہ اور فوت شدہ دونوں مسلمان آ گئے جبکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دعا عبادت ہے'' (ابوداؤد)۔تو معلوم ہوا کہ اس عبادت کا مُردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ورنہ اس عبادت کا اگر فائدہ نہ پہنچتا تو حضرت ابراہیم علیہ سلام کیوں دعا فرماتے؟ اور اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل کو نقل فرما کر ہمیں اس کی ترغیب کیوں دیتے؟

احادیث سے ثابت ہے کہ دعا جیسی عبادت کا مُردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔چنانچہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جس میت پر چالیس ایسے آدمی نماز پڑھیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت اور سفارش میت کے حق میں ضرور قبول فرمالیتا ہے''۔(مسلم جلد اول صفحہ 309) یعنی ان کی دعائے مغفرت سے میت کی بخشش فرمادیتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہماری نماز جنازہ اور اس میں کی گئی دعا کا ہمارے مُردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔اس طرح صرف اس نماز اور دعا کا ہی مُردوں کو فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ہماری دوسری دعائیں اور عبادات کا ثواب بھی مُردوں کو پہنچتا ہے۔

حدیث:۔ قبیلہ جہنہ کی ایک عورت نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ بغیر حج کئے ہوئے مرگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''ہاں تو اس کی طرف سے حج کرلے''۔ (بخاری)

حدیث:۔حضرت علیؓ سے روایت ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' جو آدمی قبرستان کے پاس سے گذرے اور گیارہ مرتبہ قُلْ ھُوَاللہُ احد (سورۃ اخلاص) پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو پہنچادے تو اللہ تعالیٰ مُردوں کی تعداد کے برابر پڑھنے والے کو بھی اجر وثواب عطا فرماتا ہے''۔ (دار قطنی، درمختار باب الدفن، شرح الصدور للسیوطی صفحہ 130)۔

یہ حدیث علامہ سیوطیؒ نے لکھی ہے۔جن کے متعلق مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطیؒ کو بائیس مرتبہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے پوچھ کر اور تصیح کر کے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی احادیث لکھیں۔(فیض الباری شرح بخاری جلد اول صفحہ 204)

اسی طرح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو دفن کرنے کے بعد ان کی قبر پر کئی مرتبہ''سبحان اللہ''۔''اللہ اکبر'' پڑھا۔اور فرمایا کہ ''اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی۔لیکن میرے یہ پڑھنے سے اس کی قبر کشادہ ہوگئی''۔(مشکوٰۃ صفحہ 26)

اس طرح تیجہ، چالیسواں، عرس مبارک، گیارھویں شریف پر جو کچھ بھی پڑھا جاتا ہے اس کا ثواب مُردوں کو پہنچ جاتا ہے۔

کیونکہ اس میں بھی یہی ہوتا ہے کہ قرآن پاک پڑھ کر، کلمہ شریف، درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب ان مُردوں کو پہنچایا جاتا ہے۔اس سے مُردوں کو نفع ہوتا ہے اور ان کی قبر کی مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں تو ان کے درجات بلند ہوجاتے ہیں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ فاتحہ یا ایصال ثواب کے موقعہ پر پھل فروٹ وغیرہ اور کھانا وغیرہ بھی رکھا جاتا ہے۔آیا اس کا ثواب بھی مُردوں کو پہنچتا ہے؟

اس کو بھی حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت سعد بن عبادہؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے ان کی طرف سے کون سا صدقہ افضل ہے! آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''پانی''۔حضرت سعدؓ نے کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ کنواں اور اس کا پانی سعد کی ماں کے لئے ہے۔(ابوداؤد کتاب زکوۃ جلد 1 صفحہ 236)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی کھانے پر مردے کا نام لے لیا جائے تو وہ کھانا مردے کے نام کی وجہ سے زندہ لوگوں پر حرام نہیں ہوجاتا جیسا کہ حضرت سعدؓ نے اس کنویں پر اپنی ماں کا ذکر کر کے کہا کہ یہ میری ماں کے لئے ہے اور وہ پانی حرام نہیں ہوا بلکہ سارے مدینے کے لوگوں نے اس سے پانی پیا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس کھانے پر جب اللہ تعالیٰ کے پیارے نبیوں، ولیوں کا نام لیا جاتا ہے اور ان کا ذکر کردیا جاتا ہے۔تو وہ کھانا اور بھی رحمتوں والا اور برکتوں والا ہوجاتا ہے۔کیونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:۔عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنَزَّلُ الرَّحْمَۃُ

ترجمہ:۔ صالحین کے ذکر کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔(صفۃ الصفوۃ یہ ابن جوزی)

لہٰذا جس ولی کی فاتحہ ہے اس کا جب نام لیا جائے گا مثلاً یہ کہا جائے گا کہ اس کا ثواب حضرت غوث پاکؒ کو پہنچے۔خواجہ نقشبندؒ کو پہنچے، حضرت خواجہ معین الدینؒ کو پہنچے یا حضرت امام حسینؓ کو پہنچے وغیرہ وغیرہ تو ان کے ناموں کی برکت سے رحمتوں کا نزول ہوگا اور وہ کھانا بھی رحمتوں والا اور برکت والا ہوجائے گا۔

یہی حال فاتحہ دینے میں ہے کہ اس کا ثواب آپ خاتم النبیین ﷺ کو اور تمام پیغمبروں کو تمام صحابہ کرامؓ کو تمام تابعینؒ کو تمام تبع تابعین کو تمام آئمہ کرامؒ کو تمام اولیاء کرامؒ کو پہنچے تو مندرجہ بالا تمام ہستیوں کی برکت سے وہ کھانا برکت والا اور رحمت والا ہوجائے گا۔

حدیث:۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم اپنے مُردوں کے لئے جو دعائیں کرتے ہیں۔ان کی طرف سے جو صدقات وخیرات اور حج وغیرہ کرتے ہیں تو کیا یہ چیزیں ان کو پہنچتی ہیں؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ''بے شک یہ چیزیں مُردوں کو پہنچتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں جیسے تم ایک دوسرے کے ہدیہ اور تحفوں سے خوش ہوتے ہو''۔(مسند احمد)۔

جناب محمد قاسم نانا توی (بانی مدرسہ دیوبند) نے''تحذیر الناس''میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید پریشان بیٹھا ہوا تھا اور غم سے اس کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔حضرت جنیدؒ نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی اس نے کہا کہ میں نے کشف سے دیکھا ہے کہ میری ماں دوزخ میں ہے۔حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھا تو اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔میں نے اتنی مرتبہ کلمہ پڑھا ہوا ہے۔

چنانچہ یہ سوچ کر میں نے اس کا ثواب اس کی والدہ کو اسی وقت پہنچا دیا۔تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس میرے مرید کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا آپؒ نے اس پوچھا تو اس نے کہا کہ ''اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں''۔حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے مجھے یقین ہوگیا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں جو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے وہ بھی بالکل درست اور برحق ہے۔(تحذیر الناس)

اس سے معلوم ہوا کہ مردے کو ایک لاکھ پانچ ہزار کلمہ کا ثواب بخش دیا جائے تو اس کی بخشش ہوجاتی ہے۔اس لئے تیجہ کے موقع پر مسلمانوں میں چنوں پر کلمہ پڑھنا رائج ہے تا کہ اس سے مردے کی بخشش کا سامان ہوجائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غوث پاکؒ کی نیاز اور امام حسینؓ کی سبیل وغیرہ پر چونکہ غیر اللہ کا نام آ گیا۔اس لئے یہ کھانا حرام ہوگیا۔

کیونکہ قرآن میں سورۃ البقرہ آیت 173 میں ہے۔　　　　مَا اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ اور ''وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے''

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں جو یہ آیت مبارکہ آئی ہے وَ مَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ یہ مشرکین مکہ کے لئے آئی تھی۔مشرکین مکہ اپنا جانور ذبح کرتے وقت (یعنی چُھری پھیرتے وقت) اپنے بتوں کا نام پکارا کرتے تھے۔یعنی چھری پھیرتے وقت وہ زور سے پکارتے ''لات'' یعنی یہ قربانی لات کے نام پر (بت کا نام) کی گئی ہے۔ یا عزیٰ۔یا نائلہ وغیرہ۔مسلمان تو کسی بھی جانور کے ذبح پر چھری پھیرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اللہ اکبر کہہ کر جانور کو ذبح کرتے ہیں۔اور ہر قربانی اللہ تعالیٰ کے نام کی ہی ہوتی ہے ہاں اس کا ثواب بزرگانِ دین یا اپنے آباؤ اجداد کو پہنچایا جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اللہ اکبر کی بجائے کسی اور کا نام پکارا (لیا) جائے وہ حرام ہے۔

قرآن پاک سورۃ حشر آیت نمبر 10 میں فرمان الٰہی ہے:　ترجمہ:- ''جو لوگ مہاجرین و انصار کے بعد آئیں۔ یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم سے سابق تھے ان کو بھی بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی عداوت نہ رکھ۔اے ہمارے پروردگار یقیناً تو نرمی فرمانے والا مہربان ہے''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تعریف فرما رہا ہے جو اپنے فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ فوت شدہ بھائیوں کے لئے دعائے مغفرت کرنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور اچھا فعل ہے اور اس سے مردے کو فائدہ ہوتا ہے۔ورنہ ہماری دعائے مغفرت سے اگر مردے کو کوئی فائدہ نہ ہوتا تو ایسے بے کار اور عبث کام کی اللہ تعالیٰ تعریف فرما کر ہمیں اس کی رغبت کیوں دلاتا؟

ہم بھی سوئم، چالیسواں، دسواں، بیسواں، عرس، شب برات وغیرہ میں اپنے مردوں کی بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ ہماری دعاؤں سے مردوں کو کتنا فائدہ ہوتا ہے اس کا اندازہ اس حدیث مبارک سے ہوتا ہے کہ:

حدیث:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''مردے کی حالت قبر میں ایک ڈوبتے ہوئے فریاد کرنے والے کی سی ہوتی ہے۔ جو انتظار کرتا ہے کہ اس کے ماں باپ، بہنیں بھائی اور دوستوں کی طرف سے کوئی دعا پہنچے اور جب کوئی دعا پہنچتی ہے تو وہ مردے کو دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ محبوب اور پیاری ہوتی ہے۔اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی دعا سے اہل قبور کو پہاڑوں کے برابر اجر و ثواب اور رحمت عطا فرماتا ہے اور بے شک زندوں کا تحفہ مردوں کے لئے یہی ہے کہ ان کے لئے بخشش کی دعا کی جائے''۔(مشکوٰۃ صفحہ 206)

ایک اور حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک شخص کو جنت میں ایک اعلیٰ مرتبہ عطا فرمائے گا تو وہ کہے گا ''اے میرے رب یہ میرا درجہ اتنا بلند کیسے ہوگیا؟ حالانکہ اتنی نیکیاں میں نے دنیا میں نہیں کیں تھیں؟''۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرا بیٹا دنیا میں تیرے لئے دعائے بخشش کرتا تھا۔اس کی وجہ سے تیرا درجہ اتنا بلند ہوگیا ہے۔(مشکوٰۃ صفحہ 256)

اسی لئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے کہ زندوں کے عمل سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔　　(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

حنفیوں کی بڑی معتبر عقائد کی کتاب ''شرح عقائد حنفی'' میں لکھا ہے کہ زندوں کا مردوں کے لئے دعا کرنا، صدقہ و خیرات کرنا۔مردوں کے لئے نفع کا باعث ہوتا ہے۔لہٰذا فاتحہ وغیرہ کے موقع پر دعائے بخشش کے ساتھ ساتھ جو کھانے کا ثواب ان کو پہنچایا جاتا ہے وہ بھی ان کو پہنچتا ہے اور ان کو یہ نفع ان کی قبر و حشر میں مشکلات سے نجات کا ذریعہ بنتا ہے۔

دم، تعویذ اور دھاگے کا شریعت سے ثبوت

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے ''تم اپنے اوپر دو شفا دینے والی چیزوں کو لازم پکڑو۔ ایک شہد اور دوسرا قرآن''۔ سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے طب جسمانی اور طب روحانی کو دنیا میں پھیلایا۔ ان کی طرف نفع بخش ادویات کی وحی ہوتی تھی۔ اور وہ خط کھینچا کرتے تھے یعنی تعویذ لکھا کرتے تھے۔ جیسا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ''طب روحانی سے علاج کرتے تھے۔ طب روحانی طب جسمانی سے زیادہ قوی ہے''۔

بعض احادیث میں صرف پڑھنے کو رُقیہ (دم) کہا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو دم کیا تھا۔ بعض جگہ دم (رُقیہ) میں بعض چیزوں کا استعمال بھی ثابت ہے جیسا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے لعاب مبارک لے کر انگلی کو مٹی پر لگایا اور پھر دعا فرمائی۔

حضرت شِفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے رُقیہ (دم) کی اجازت دی تھی۔ وہ رُقیہ میں (دم کرنے میں) مشہور و معروف تھیں۔ انہوں نے ایک لکڑی رکھی ہوئی تھی اس لکڑی پر سات مرتبہ دم کے مخصوص کلمات پڑھتیں پھر وہ لکڑی متاثر حصہ پر لگا دیتیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچوں کو نظر سے بچانے کے لئے ٹھوڑی پر نشان لگا کر دم کیا کرتے تھے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے رُقیہ سے متعلق ایک جامع قاعدہ ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے جو کوئی اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ ضرور اسے نفع پہنچائے''۔ (صحیح مسلم)

حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ سے جب یونس بن حبان رحمۃ اللہ نے پوچھا اگر میں تعویز لٹکاؤ؟ (پہنوں)؟ فرمایا'' اگر وہ تعویذ اللہ کی کتاب سے ہو یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے کلام سے ہو تو لٹکا لو اور اس سے شِفاء حاصل کر لو''۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے بھی ''دعوات'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو عورت ولادت کی تنگی میں مبتلا ہو اس کو قرآن پاک کی آیات کاغذ پر لکھ کر پلائیں جائیں۔

حضرت امام حسن بصریؒ، حضرت امام مجاہدؒ اور حضرت امام اوزاعیؒ سب یہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو شِفا کیلئے لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام زہری رحمۃ اللہ اپنے بچوں کو حافظے میں تقویت کے لیے قرآن پاک کی چار سورتیں لکھ کر پلایا کرتے تھے (درالنظم فی خواص القرآن العظیم)۔

علامہ کمال الدین رحمۃ اللہ دمیری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں تلی والے مریض کو سورہ ممتحنہ لکھ کر پلانے سے صحتیابی ہوتی ہے۔ (حیات الحیوان)

تمام حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی تعویذ لکھنے کے قائل ہیں حنفیوں کے تمام فتاوی اس پر شاہد ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تو خود بہت بڑے عالم تھے اور انکے تمام احباب تعویز کے قائل تھے۔ (طبقات شافعیہ)

ابن حجر رحمۃ اللہ فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں کہ آدمی اور جانوروں پر صحیح تعویذ لٹکانا جائز ہے۔

علامہ محدث مناوی رحمہ اللہ نے ''فیض القدیر'' میں تعویذ پہننے کو جائز قرار دیا ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ، امام سیوطی رحمۃ اللہ، ایمام نودی رحمۃ اللہ امام بیہقی رحمہ اللہ اور علامہ کمالدین رحمۃ اللہ وغیرہ تمام محدثین تعویز کے قائل ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ خود تعویز کرتے تھے۔ شیخ صالح فرماتے ہیں کہ ''میں جب بیمار ہوتا تو میرے والد امام احمد بن حنبلؒ پانی کا پیالہ لے کر کچھ پڑھتے اور پھر فرماتے کہ اس میں سے کچھ پی لو اور باقی اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لو''۔ امام احمد بن حنبلؒ کے بیٹے عبداللہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو دیکھا کہ ولادت میں تنگی والیوں کے لیے وہ تعویذ لکھا کرتے تھے۔ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ سے مروی ہے (طب نبوی صفحہ 277)

امام مروزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ''مجھے بخار ہو گیا تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے میرے لئے ایک تعویز لکھا''۔ (طب نبوی خاتم النبیین ﷺ)

امام داؤد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے چھوٹے بیٹے کے گلے میں چمڑے کا بنا ہوا تسمیہ دیکھا۔ (بحوالہ مسائل الامام احمد صفحہ)

غزنوی علماء، لکھنوی علما اور روپڑی کے تمام علماء تعویذ لکھا کرتے تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تعویز لکھنے اور قرآن پاک کی آیات شِفاء کو دھو کر پلانے کے قائل تھے۔

امام بیہقیؒ کی ''دلائل نبوت'' جلد 7 صفحہ 119 پر ہے کہ حضرت ابو دجانہؓ کو جنات نے تنگ کیا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت علیؓ سے تعویذ لکھوایا۔ ''جو تہیدی نامہ'' مبارک کے اسم سے معروف ہے۔ جب حضرت ابو دجانہؓ نے اس کو اپنے پاس رکھا تو جنات نے ان سے معافی مانگی اور پھر وہاں سے بھاگ گئے۔

سورۃ قلم کے متعلق امام ابن عسا کر رحمۃ اللہ امام باقر رحمۃ اللہ سے مرفاعاً روایت ہے کہ ''اپنی جانوں اپنی عورتوں اور اپنی اولادوں کو نظر بد سے بچانے کے لیے یہ تعویز کیا کرو''۔ کنز العمال جلد 4 صفحہ 19 ''مسند احمد'' میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ کا فرمان ہے''قرآنی تعویذ کو لٹکانے میں کوئی حرج نہیں (ابو نعیم)''۔

ابو داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ سے روایت ہے کہ گھبراہٹ کے لیے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ان کلمات کا حکم فرماتے تھے۔

اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ و عقابہ و شر عبادہ و من ھمزات الشیطان و ان یحفرون.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ چھوٹے بچوں کے گلے میں یہ کلمات لکھ کر لٹکاتے تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کلام اللہ کا تعویذ باندھتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ ہر مصیبت کو دفع کرنے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں تو اس کے لئے تعویذ باندھنا جائز ہے۔ اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ کا فرمان ہے جس شخص کو قرآن سے شفاء نہ ملی تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی شفا نہیں ہوتی۔

دم کرنے سے پانی میں شفا کیسے آتی ہے: (سائنسی تحقیق) ایک جاپانی سائنس دان Dr Masaru Emoto نے پانی پر مختلف تجربے کیے جس کا احوال ان کی کتاب The Hidden Message In Water میں بیان کیا گیا ہے، جس کا اردو ترجمہ محمد علی سید نے اپنی کتاب ''پانی کے عجائبات'' میں بڑے دلچسپ انداز میں کیا ہے، جسے پڑھ کر ہمیں شکر اور ناشکری کے الفاظ کے حیران کن اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس جاپانی سائنس دان نے پانی کو اپنی لیبارٹری میں برف کے ذرات یعنی کرسٹلز کی شکل میں جمانے کا کام شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ڈسٹلڈ واٹر، نلکے کے پانی اور دریا اور جھیل کے پانیوں کے نمونے لیے اور انھیں برف کے ذرات یعنی Crystals کی شکل میں جمایا۔

اس تجربے سے اسے معلوم ہوا کہ پانی، اگر بالکل خالص ہو تو اس کے کرسٹل بہت خوبصورت بنتے ہیں لیکن اگر خالص نہ ہو تو کرسٹل سرے سے بنتے ہی نہیں یا بہت بدشکل بنتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ڈسٹلڈ واٹر سے (جو انجکشن میں استعمال ہوتا ہے) خوبصورت کرسٹل بنے، صاف پانی والی جھیل کے پانی سے بھی کرسٹل بنے لیکن نلکے کے پانی سے کرسٹل بالکل ہی نہیں بنے کیوں کہ اس میں کلورین اور دوسرے جراثیم کش اجزا شامل تھے۔

اس کے بعد اس نے ایک اور تجربہ کیا جس کے نتائج حیران کر دینے والے تھے۔ اس نے شیشے کی سفید بوتلوں میں مختلف اقسام کے پانیوں کے نمونے جمع کیے۔

ڈسٹلڈ واٹر (Distilled Water) والی بوتل پر اس نے لکھا You Fool اور نلکے کے پانی والی بوتل پر لکھا Thank You یعنی خالص پانی کو حقارت آمیز جملے سے مخاطب کیا اور نلکے کے پانی کو شکر گزاری کے الفاظ سے اور ان دو بوتلوں کو لیبارٹری میں مختلف مقامات پر رکھ دیا۔ لیبارٹری کے تمام ملازمین سے کہا گیا جب اس بوتل کے پاس سے گزرو تو You Fool والی بوتل کے پانی کو دیکھ کر کہو You Fool اور Thank You والی بوتل کے پاس ٹھہر کر سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک جاؤ اور بڑی شکر گزاری کے ساتھ اس سے کہو Thank You۔ یہ عمل 25 دن جاری رہا۔ 25 ویں دن دونوں بوتلوں کے پانیوں کو برف بنانے کے عمل سے گزارا گیا۔ نتائج حیران کن تھے۔ ڈسٹلڈ واٹر سے (جو خالص پانی تھا اور اس سے پہلے اسی پانی سے بہت خوبصورت کرسٹل بنے تھے) کرسٹل تو بن گئے لیکن انتہائی بدشکل۔

نلکے والا پانی جس سے پہلے کرسٹل نہیں بنے تھے، اس مرتبہ اس پر ''تھینک یو'' لکھا ہوا تھا اور کئی لوگ 25 دن تک اس پانی کو دیکھ کر ''تھینک یو'' کہتے رہے تھے، اس پانی سے بہترین اور خوب صورت کرسٹل بن گئے تھے۔

اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ پانی باتوں کا بھی اثر لیتا ہے اور ویسی ہی ماہیت اپنا لیتا ہے۔ اچھی باتوں سے اچھی ماہیت اور بری باتوں سے بری۔

Thank you اور you fool والا تجربہ کھانے کی چیزوں کے ساتھ بھی کیا گیا۔ ایک کیک کے دو پیس کاٹے گئے اور ایک کو Thank you کہا گیا اور دوسرے کو You fool۔ ایک بار پھر نتیجہ یہ نکلا کہ برے الفاظ والا کیک پیس اپنے نارمل وقت سے بھی بہت پہلے خراب ہو گیا جبکہ اچھے الفاظ والا کیک پیس اپنے نارمل وقت سے کافی زیادہ وقت تک تازہ اور ذائقہ دار رہا۔ مطلب کھانے پینے کی ہر چیز الفاظ اور سوچ کا اثر لیتی ہے۔ ان تجربات سے ہمیں یہ بات سمجھ آئی کہ جب ہم پانی پر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھتے ہیں تو اس میں کس طرح برکت پیدا ہوتی ہے کھانے پینے کی چیزوں پر سورت فاتحہ یا کوئی بھی کلام پاک پڑھتے ہیں تو پانی کی ماہیت کس طرح تبدیل ہو کر پینے والے کو شفا دیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہم روٹی کے ہر لقمے پر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر کھاتے ہیں تو وہ کس طرح ہمارے اندر نور پیدا کرتا ہے۔

جب دم ان تمام چیزوں سے ہو سکتا ہے تو کاغذ یعنی تعویذ اور دھاگے سے بھی ہو سکتا ہے۔

سبحان اللہ! ہمارا دین، ہمارا رب اور ہمارے مہربان نبی رحمۃ للعالمین خاتم النبیین ﷺ نے چودہ سو سال پہلے ہی ہمیں کیسی عظیم نعمتوں سے نواز دیا تھا۔

مسائل

فاتحہ کیا ہے؟

دین میں فاتحہ کا ثبوت نہیں ملے گا۔لیکن مجتہدین کا اس بات پر اجماع ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا اِرشاد ہے کہ اگر آپ کسی دوسرے زندہ یا مردہ شخص کو قرآن پاک کا ثواب بخش دیں تو اس کو یہ ثواب پہنچے گا اور آپ کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی یعنی آپ کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔اگر ایک سے زیادہ افراد کو بخش دیں تو بغیر کمی واقع ہوئے سب کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا ایک شخص کو ملتا ہے۔

بزرگانِ دین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے مومن مرد اور عورتوں کو ثواب پہنچا دیا جائے تو سب کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا ایک شخص کو ملتا ہے اور جو شخص یہ ثواب بخشے گا اس کو ان سب کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جب پہلی قربانی دی تو فرمایا" یا اللہ یہ قربانی میری طرف سے اور میرے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اور میری اُمّت کی طرف سے ہے "۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایصال ثواب قرآن پاک کی تلاوت کے علاوہ ہر نیک عمل کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جسکی مثال "حج ِبدل" بھی ہے۔

چنانچہ بزرگانِ دین نے اپنے مرُدوں کی ارواح کے ایصال ثواب کا طریقہ رائج کیا۔سورۃ فاتحہ چونکہ قرآن پاک کی پہلی سورت ہے اور اسکی بہت زیادہ فضیلت ہے اور بے حد ثواب ہے اس لیے ایصالِ ثواب کا نام فاتحہ مشہور ہو گیا ہے۔اس کے لیے کھانا سامنے رکھ کر مخصوص سورتوں کی تلاوت ضروری نہیں ہے۔اس لیے کہ کھانے کا ثواب الگ ہے اور تلاوت کا الگ۔اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں اور اخلاص کو دیکھنے والا ہے۔کھانا چاہے پہلے کھلا دیں اور بعد میں بخش دیں یا کھلانے سے پہلے بخش دیں۔دل کا اِرادہ اور نیت دیکھی جائے گی۔کھانے کا سامنے رکھنا بھی ضروری نہیں ہے۔ہم اپنی تمام عبادات کا ثواب بخش سکتے ہیں۔وقت،جگہ،تاریخ،کسی مخصوص جگہ یا چیز کی ضرورت نہیں۔بس یہ کھانا اور تلاوت اللہ کی رضا کے لیے ہو۔

کھانا سامنے رکھ کر مخصوص سورتوں کی تلاوت کا طریقہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے وقت اور ضرورت کے تحت ہندوستان میں نومسلم لوگوں کو ترغیب و تعلیم دینے کے لیے رائج کیا تھا۔آپؒ ہندوؤں کو مسلمان کر کے ایک جگہ جمع کر لیا کرتے تھے ان کے سامنے کھانا رکھتے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے تا کہ غریب لوگ کھانے کے شوق میں جمع ہو جائیں اور کم از کم اتنا قرآن پاک انہیں یاد ہو جائے جس کو وہ نماز میں پڑھ سکیں۔اسکے بعد آپؒ سب کی ہدایت کے لیے دُعا کرتے۔

چنانچہ ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً 99 لاکھ غیر مسلموں کو مسلمان بنایا اور خواجہ صاحبؒ کی تقلید ہی میں اِن کے پیرو کاروں نے بعد میں اِن کے طریقے کو اپنایا جو آج تک رائج ہے۔

سوئم یا قل شریف کیا ہے؟

بزگانِ دین کا تجربہ ہے کہ:

اگر ستر ہزار مرتبہ "لا الہ الا اللہ" پڑھ کے مرنے والے کی روح کو بخش دیا جائے تو اس کو قبر کا عذاب نہیں ہوتا۔اور اگر عذاب ہو رہا ہو تو ختم ہو جاتا ہے۔اگر کوئی شخص خود اپنے لیے بھی پڑھ لے تو اسے بھی یہی فائدہ ہوگا۔

بزرگانِ دین نے مرنے والے کو قبر کے عذاب سے بچانے کے لیے ایک طریقہ رائج کیا تھا۔مردے کو دفن کرنے کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ اگلے دن 70000 ہزار مرتبہ "لا الہ الا اللہ" پڑھوا کر اس کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور اسکی حرمت اور برکت سے مغفرت کی دُعا کرتے ہیں۔

بہت سے بزرگوں نے بذریعہ کشف القبور قبر کے عذاب سے نجات کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔

مثلاً ایک بزرگ نے 70،70 ہزار کے بہت سے نصاب پڑھ کر (کلمے کے) رکھ لیے تھے۔اِس بزرگ کو یہ معلوم ہوا کہ ایک لڑکے کو کشف ہوتا ہے لیکن انہیں یقین نہ تھا کہ نوجوان کو کشف ہوتا ہے۔بزرگ نے ایک دن نوجوان کو اپنے گھر میں دعوت دی۔نوجوان گھر آیا تو کھانے کے دوران اچانک نوجوان پریشان ہو گیا۔اور کہا

کہ "میری ماں کو قبر کا عذاب ہو رہا ہے" بزرگ نے نوجوان کو یہ کہتے سُنا اور نوجوان کو پریشان دیکھا تو اپنے پڑھے ہوئے 70000 کے نصاب میں سے ایک نصاب نوجوان کی ماں کو بخش دیا۔تھوڑی دیر کے بعد ہی نوجوان نے کہا کہ "میری ماں سے عذاب قبر اُٹھا لیا گیا ہے" ورد اس طرح کریں کہ تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کہیں اور چوتھی مرتبہ پورا کلمہ کہیں یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

بزرگ کہتے ہیں کہ اس واقعے سے دو باتوں کا مجھے یقین ہو گیا

(1) ایک یہ کہ نوجوان صاحبِ کشف ہے۔

(2) دوسرا یہ کہ 70000 ہزار کا نصاب عذاب سے بچانے کے لیے ہے۔

اس کلمے کے علاوہ آپ جو بھی عمل اور قرآن پاک کی تلاوت وغیرہ کریں گے اسکا ثواب بھی مرنے والے کو یقیناً پہنچے گا۔بہتر تو یہ ہے کہ میت کو دفن کرنے سے پہلے ہی جو افراد جنازے میں شرکت کرنے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اِدھر اُدھر کی گفتگو کرنے کی بجائے مرنے والے کی رُوح کے ثواب کے لیے "لا الہ الا اللہ" کا ورد کرتے رہیں۔چاہے کتنے ہی تھوڑے افراد کیوں نہ ہوں، ہمیں یقین ہے کہ اگر سب لوگ پڑھنا شروع کر دیں گے تو میت کے دفن سے پہلے ہی قبر کے عذاب سے بچنے کا انتظام ہو جائے گا۔

گیارہویں شریف کیا ہے؟

بزرگوں کی تحقیق کے مطابق ایک مرتبہ 11 ربیع الاوّل کو دن گزرنے کے بعد رات کو یعنی 12 ربیع الاوّل کی شب کو جناب غوث پاکؒ نے کھانا کھلوایا اور اس کا ثواب آپ خاتم النبیین ﷺ کو پہنچایا۔رات کو جب غوث پاکؒ سوئے تو حضور خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کی۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے غوث پاکؒ سے فرمایا: "اے عبدالقادر! مجھے تیرا یہ عمل پسند آیا"۔

صبح کو جب غوث پاکؒ بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ میرے سلسلے کے لوگ 11 تاریخ کی شام کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں یہ ہدیہ پیش کیا کریں۔اور اگر کوئی شخص میرے وصال کے بعد میری فاتحہ بھی دلوانا چاہے تو اس تاریخ کو دلوائے اور اس کا ثواب پہلے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو پہنچائے اور جو شخص پابندی سے یہ عمل کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اُس کے رزق میں اضافہ کرتا رہے گا۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض حضرات دوسروں سے زبردستی چندہ جمع کر کے یہ ختم دلواتے ہیں۔یہ بالکل غلط ہے اور بعض اس کو فرض یا واجب یا سُنت سمجھتے ہیں یہ بھی غلط ہے۔گیارہوں شریف نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سُنت ہے بلکہ مستحب ہے اور کارِ خیر ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ گیارھویں شریف کو قرآن وسُنت اور حدیث سے ثابت کرو تو اُن کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ قرآن پاک میں اگر کوئی چیز ہو تو وہ فرض ہو جاتی ہے۔اگر حدیث سے ثابت ہو تو سُنت ہوتی ہے۔ہم نے کب کہا ہے کہ یہ فرض یا سُنت یا واجب ہے۔یہ تو کارِ خیر ہے اور مستحب ہے۔ہم ثواب کی نیّت سے گیارھویں شریف کی نیاز دلواتے ہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حلال وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کہا اور حرام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس چیز پر خاموشی اختیار فرمائی ہے وہ جائز ہے"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید میں جن چیزوں کے لیے خاموشی اختیار کی گئی وہ شریعت میں جائز ہیں اور اسی اصول کے تحت گیارھویں شریف بھی جائز ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ چلو اگر قرآن سے اس کا جائز ہونا ثابت نہیں ہے تو آپ اس کو قرآن پاک سے ناجائز ثابت کر دیں تو کبھی ثابت نہ کر سکیں گے۔

****

بدعت

بدعت کیا ہے؟ بِدعَت کے معنی نئ بات، نئ چیز، نیا قانون بنانا ہے۔ یعنی جس چیز کا وجود پہلے نہی ہے اسے وجود میں لانا۔

شریعت میں بدعت کا مفہوم: دین میں ہر وہ کمی یا زیادتی جس کا ثبوت شریعت میں نہ ہو نہ قولاً، نہ فعلاً، نہ صراحتہً، نہ اشارۃً، نہ کنایتہً، وہ بدعت ہے۔ اگر کسی عقیدے پر شرعی دلیل موجود ہے تو وہ ہرگز بدعت قرار نہیں دی جائے گی۔

بدعت کی اقسام: بدعت کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ بدعتِ اعتقادی ۲۔ بدعتِ عملی

۱۔ بدعتِ اعتقادی: وہ عقایدِ باطلہ جو حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے بعد ایجاد ہوئے۔ جیسے وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ کو تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں تھا۔ یا نماز میں رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ کا خیال آنا بیل یا گدھے وغیرہ کے خیال سے بدتر ہے۔ (نعوذُبِاللہِ من ذالِک)

۲۔ بدعتِ عملی: اِس کی بھی دو اقسام ہیں۔

۱۔ بدعتِ حسنہ ۲۔ بدعتِ سیئہ

۱۔ بدعتِ حسنہ: ہر وہ نیا کام جو شریعت کے اُصولوں کے تحت ہو یعنی اس کام کی اصل قرآن وسنّت سے ثابت ہو۔ یا اگر فرض کیا وہ قرآن وسنّت سے ثابت نہی بھی ہے لیکن اس سے قرآن وسنّت کی مخالفت نہی ہو رہی بدعتِ حسنہ ہے۔

بدعتِ حسنہ کی بھی تین اقسام ہیں۔

۱۔ بدعتِ مُباح ۲۔ بدعتِ مُستحب ۳۔ بدعتِ واجب

۱۔ بدعتِ مُباح (جائز): وہ نیا کام جو خلافِ شرح نہ ہو اور بغیر نیّتِ خیر کے کیا جائے۔ مثلاً یومِ آزادی منانا، اقبال ڈے منانا، شادی بیاہ پر چراغاں کرنا، نماز کے بعد مُصافحہ کرنا، عید کی نماز کے بعد گلے مِلنا، عمدہ گھر بنانا، عمدہ کپڑے پہننا وغیرہ۔

۲۔ بدعتِ مُستحب: وہ نیا کام جو خلافِ شرح نہ ہو اور نیّتِ خیر کے ساتھ کیا جائے اور عوام النّاس اِس کو ثواب سمجھ کر کریں۔ مثلاً قرآن خوانی کروانا، میلاد شریف منانا، دینی اجتماعات کا اِنعقاد کرنا، مساجد کا مُزیّن کرنا، خطبہ جمعہ اور عیدین میں صحابہ کرامؓ کا ذکر کرنا، نیاز دلوانا، گیارہویں شریف کروانا، سویم اور چہلم وغیرہ کا کرنا۔

۳۔ بدعتِ واجب: وہ نیا کام جو خلافِ شرح نہ ہو اور ترک کرنے کی صورت میں مسلمان حرج (نقصان، اِختلافِ رائے) میں مُبتلا ہو جائیں یعنی ایسا کام جس کے کرنے کی اِسلام اور شریعت کو ضرورت تھی مثلاً قرآن پاک کو کتابی صورت دینا، قرآن پاک پر اعراب لگوانا، قرآن پاک کے سپارے بنوانا، حدیث کو کتابی شکل میں لانا، حدیث کی قسمیں اور اصولِ حدیث، فِقہ، علم کلام، علم احکام وغیرہ کو الگ الگ شکل دینا، دینی مدارِس کا قیام، درسِ نظامی کی تمام تر تعلیمات کا انتظام کرنا کیوں کہ موجودہ طریقے پر تعلیم نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی اسے تو بعد میں مُجتہد حضرات نے دین کی بقا کے لیئے اِختیار کیا۔

۲۔ بدعتِ سیئہ: ایسا کام جِس کے کرنے کی اجازت شریعت میں نہیں ہے یا ہر وہ نیا کام جو خلافِ سنّت ہو۔

بدعت سیئہ کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ بدعتِ مکروہ ۲۔ بدعتِ حرام

ا۔ بدعتِ مکروہ: (ناپسندیدہ لیکن جائز) مثلاً ناخن بڑھانا، مَردوں کا ننگے سر نماز پڑھنا، کھڑے ہو کر کھانا کھانا، پاؤں پھیلا کر کھانا کھانا، پاؤں لٹکا کر کھانا کھانا

۲۔ بدعتِ حرام: وہ نیا کام جو خلافِ شرح ہو۔ مثلاً مَردوں اور عورتوں کی اِجتماعی تقریبات، بے پردگی، فحاشی، کسی غیر محرم آدمی کو دیکھنا جیسے کہ عام طور پر اموات میں عورتیں کرتی ہیں یا دُلہا کو دیکھنا، مزارات پر سجدے کرنا، ناچ گانا وغیرہ دیکھنا، کرنا یا کروانا وغیرہ۔

****

حیات النبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرات اہلِ سُنت کا یہ عقیدہ حق اور صحیح ہے کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بعد وصال یہ اعزاز پانا کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم قبر میں ہر ایک کی آواز سماعت فرماتے، حالات کا معائنہ کرتے اور زندگی کی طرح ہر قسم کا ادراک وشعور رکھتے ہیں، بعید از قیاس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انتہائے کرم کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔

قرآن کریم اور حیات بعداز موت

(1) سورۃ بقرہ آیت نمبر 154 میں ارشادالہی ہے، ترجمہ:"جوخدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم جانتے نہیں ہو"

(2) سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 169، میں ارشادالہی ہے، ترجمہ:"اور نہ گمان کرنا ان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مرا ہوا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس۔ وہ روزی دیئے جاتے ہیں اور بڑے خوش ہیں اس پر جو اُن کو اللہ نے دیا ہے اپنے فضل سے"(یعنی مگن ہیں وہ اپنی زندگی میں)

مندرجہ بالا دونوں آیات مبارکہ میں شہدا کی یہ شان فرمائی گئی ہے کہ وہ مردہ نہیں زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں۔ آپ دیکھیے کہ شہدا کا درجہ کسی حال میں نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نہیں ہوسکتا، شہدا نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم اور غلام ہیں۔ یہ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو قبول فرما کر درجہ شہادت پر فائز ہوتے ہیں۔ تو جب انہیں خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ سے حیات بعداز موت کی عزت حاصل ہے تو حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس مقامِ عالی پر پہنچنے میں کیا قباحت ہوسکتی ہے۔

عام انسان اور حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شریعت کی رو سے 27 درجے کا فرق ہے۔ باطنی درجات کے بارے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اِس تفصیل سے اولیاء اللہ کے درجات نیچے سے اوپر ملاحظہ فرمائیے، یعنی نمبر 1 سب سے کم درجے والا ہے۔

(درجہ شریعت) (1) بشر (2) اُس کے اوپر مومن (3) ابرار (4) اخیار (5) مخلصیں (6) صالحین (7) شہدا (8) متقین

(درجہ طریقت) (9) مقربین (10) اولیا (11) اوتاد (12) ابدال (13) نجبا (14) نقبا (15) قطب (16) غوث (17) غوثِ اعظم

(درجہ معرفت) (18) تبعہ تابعین (19) تابعین (20) صحابی (21) اصحابِ بدر (22) خلفائے راشدین (23) صدیق اکبر

(درجہ حقیقت) (24) نبی (25) رسول (26) اولوالعزم (27) اصطفٰی (برگزیدہ) (28) رحمۃ للعالمین

اب دیکھیے ولایت کا اعلیٰ درجہ غوث ہے۔ جب کوئی غوث تبع تابعین کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا تو نبوت کا مقام تو بہت بلند ہے۔

مسئلہ حیات النبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احادیث:- (1) حضرت ثابت ؓ نے حضرت انس ؓ سے روایت کی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں"۔ (راوی بن عدی فی، کاملہ و بیہقی "وَفا الوفا" جلد 2، ص 405)

(2) اوس ؓ بن اوس نے مرفوعاً روایت کی، حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"تحقیق تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اِسی دن فوت ہوئے اور اِسی دن قیامت ہوگی، اِس دن مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجا کرو۔ تمہارے دُرود مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کس طرح ہمارے دُرود آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش ہوں گے؟ حالانکہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کو تو مدت ہوچکی ہوگی۔ فرمایا تحقیق زمین پر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے جسد کو کھانا حرام کردیا ہے"("وَفا الوفا" جلد 2 ص 404)

(3) حضرت انس ؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے مجھ پر جمعہ کے دن یا شب جمعہ (جمعرات کی رات) میں سو بار درود شریف پڑھا، اللہ تعالیٰ اُس درود شریف پڑھنے والے کی 70 حاجات آخرت کی اور 30 حاجات دنیا کی پوری فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے درود پہنچانے کے لیے ایک فرشتہ مقرر کردیا ہے جو میری قبر میں اس درود پاک کو لے کر اس طرح داخل ہوتا ہے۔ جس طرح تمہارے پاس ہدیہ پہنچایا جاتا ہے۔ بے شک میرا علم بعد وفات بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھا۔ (اخرج البیہقی فی حیات الانبیا)

(4) حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:" جس نے میری زیارت کی میرے وصال کے بعد پس گویا اُس نے زیارت کی میری حیات میں اور جو میری زیارت کرے گا قیامت کے دن مَیں اُس کا شفیع اور گواہ ہوں گا"(وفاء الوفا جلد دوم، صفحہ 400)

حضرات صحابہ کرام کے مشاہدات ومعمولات:- (1) حضرت سعید بن مسیب ؓ سے مروی ہے کہ "میں اَیّام حرہ میں یعنی (یزید کے کعبہ پر حملے کے زمانے میں) حضور

پاک خاتم النبیین ﷺ کی قبر سے برابر اذان اور تکبیر کی آواز سُنتا تھا جب تک کہ لوگ مسجد میں آنے لگتے۔ جب ظہر کا وقت آیا تو میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی قبر اطہر سے آذان کی آواز سُنی۔ میں نے دو رکعت پڑھی، پھر تکبیر کی آواز سُنی، میں نے ظہر پڑھی۔ اسی طرح مَیں ہر نماز کے لیے آذان و اقامت سُنتا تھا۔ یہاں تک کہ ایّام حرّہ کی تین راتیں گزر گئیں"۔ (وفا الوفا)

(2) حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب ؓ سے روایت ہے کہ "ایک اعرابی ہمارے پاس آیا جبکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو دفن کئے ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔ اُس کو جب معلوم ہوا تو اُس نے اپنے آپ کو قبر پاک پر ڈال دیا۔ اور قبر پاک کی مٹی اپنے سر پر ملتا تھا اور کہتا تھا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ جو چیز آپ خاتم النبیین ﷺ پر اُتاری گئی اُس میں ہے کہ 'اے محبوب! (حضور پاک خاتم النبیین ﷺ) جب کوئی اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے اور پھر تیرے پاس آجائے اور تُو اس کے لیے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا پائیں گا"۔ (سورہ النساء، آیت نمبر ۶۴) "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں حاضر ہو گیا ہوں تا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ میری مغفرت اللہ تعالیٰ سے کروائیں۔ قبرِ مبارک سے آواز آئی "بیشک تجھے بخش دیا گیا ہے"۔ (قرطبی)

(3) علامہ قاضی عیاض ؒ شفا میں خلیفہ ابوجعفر کا واقعہ نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ "امام مالک ؒ نے (خلیفہ ابوجعفر سے کہا) اے امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو ادب سکھایا ہے اور ایک قوم کی مدح فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس جا کر پست رکھتے ہیں اُنہیں موجب تقویٰ قرار دیا اور ایک قوم کی برائی بیان کی اور ارشاد فرمایا کہ "بے شک وہ لوگ جو آپ خاتم النبیین ﷺ کو حجروں کے باہر سے سے پکارتے ہیں اکثر جاہل ہیں" پھر امام مالک ؒ نے فرمایا" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی حرمت و عزت جس طرح آپ خاتم النبیین ﷺ کی زندگی میں تھی ویسی ہی بعد میں بھی ہے" ابوجعفر نے قبول کیا اور اپنا سر خم کر دیا اور پھر پوچھا" اے ابوعبداللہ" میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دُعا مانگوں یا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی طرف منہ کرکے؟ اُنہوں نے جواب دیا" تُو اپنے منہ کو اُس ذات سے جو تیرے لیے اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کے لیے قیامت میں وسیلہ ہے کیوں پھیرتا ہے؟ بلکہ تو اُن کی طرف متوجہ ہو اور انہیں کو شفیع بنا۔ پس وہ اللہ سے تیری شفاعت کریں گے۔"

(4) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ دین و دنیا کے کارساز ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کو مصیبت کے وقت پکارنا، یا رسول اللہ، یا رسول اللہ کہہ کر عرض حال کرنا، ہر طرح صحیح ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ہر پکارنے والے کی صدا سُن کر اُس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔

چنانچہ حضرت سیدنا جعفر طیار ؓ کی شہادت کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ اُن کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ نے فرمایا کہ ہماری والدہ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے ہماری یتیمی کی شکایت کی آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" کیا ان پر محتاجی کی شکایت کرتی ہو؟ حالانکہ میں ان کا دنیا و آخرت میں ولی و کارساز اور مددگار رہوں"۔

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اب زندہ نہیں ہیں بلکہ (خدانخواستہ) مر کر مٹی میں مل گئے ہیں۔ جیسا کہ وھابیوں، دیوبندیوں اور پیشواء مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویت الایمان کے صفحہ نمبر 42 پر لکھا ہے مگر یہ عقیدہ مذہب حق اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے اور باطل ہے۔

احادیث مبارکہ: 1۔ اشعۃ اللمعات جلد اول ص 576 پر اس حدیث شریف کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری ؒ تحریر فرماتے ہیں "یعنی اللہ تعالیٰ کے نبی دنیاوی زندگی کی حقیقت کے ساتھ زندہ ہیں"۔

2۔ رقاۃ جلد دوم ص 212 میں رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری ؒ اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں" انبیاء کرامؑ کی قبل وصال اور بعد وصال کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ محبوبان خدا مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک دار سے دوسرے دار یعنی ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں"۔

3- حدیث کی اس مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف میں صفحہ 120 پر ابوداوٗد، نسائی، بیہقی، اور ابن ماجہ یعنی حدیث کی پانچ مستند کتابوں سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کے جسموں کو زمین پر (کھانا) حرام فرما دیا ہے اور انبیاء کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں-"

یہ بات بھی ہمیں ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ انبیاء کرامؑ کی زندگی جسمانی حقیقی اور دنیاوی ہے۔ شہیدوں کی طرح صرف معنوی اور روحانی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرامؑ کا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی بیویاں کسی سے نکاح کر سکتی ہیں اور شہیدوں کا ترکہ تقسیم ہو جاتا ہے- اور ان کی بیویاں عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں۔

نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نور ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لاکھوں صفات سے نوازا ہے۔ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خصوصیت بھی عطا کی کہ انہیں اپنے نور سے پیدا فرمایا اور سارے عالم کو ان سے ظاہر فرمایا۔یعنی انہی کے سر پر اولیت کا تاج اور ان ہی کی پیشانی پر آخرت کا سہرا باندھا گیا۔سب سے اول ظاہر کیا سب سے آخری نبی بنا کر بھیجا اور انہی کو معراج کی رات پہلے تمام پیغمبروں کا امام بنایا۔

نور: نور کے لغوی معنی روشنی، چمک، دمک، اجالا مگر کبھی اس چیز کو بھی نور کہہ دیا جاتا ہے جس سے روشنی اور اجالا ظاہر ہو، لالٹین کو بھی نور یا روشنی کہہ دیتے ہیں۔نور دو طرح کا ہوتا ہے۔　　ا۔نور حسی　　۲۔نور عقلی

نور حسی: وہ جو آنکھوں سے دیکھنے میں آئے جیسے دھوپ، چراغ بجلی وغیرہ کی روشنی۔

نور عقلی: وہ جسے آنکھ تو محسوس نہ کر سکے مگر عقل کہے کہ یہ نور ہے۔روشنی ہے۔اسی معنی میں اسلام کو، قرآن کو، ہدایت کو، ایمان کو اور ایمان والے بندے کو نور کہا جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔　　اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (سورہ بقرہ ۔ آیت نمبر 257)

ترجمہ: اللہ مددگار ہے مومنوں کا انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے کر جاتا ہے (نکالتا ہے)۔

اس آیت میں گمراہی کو اندھیرا اور ہدایت کو روشنی اور نور فرمایا گیا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (سورہ النسا ۔ آیت نمبر 174)　　ترجمہ: اور ہم نے تمہاری طرف کھلی روشنی اتاری''۔
اس آیت میں قرآن پاک کو نور فرمایا گیا ہے۔ایک اور جگہ فرمایا:
اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط (سورہ زمر۔ آیت نمبر 22)

ترجمہ: ''تو کیا وہ شخص جس کا سینہ ہم نے اسلام کے لیے کھول دیا پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے''
رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ج (سورہ تحریم۔ آیت نمبر 8)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب ہمارا نور پورا فرما اور ہماری مغفرت فرما''۔
اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ ج (سورہ المائدہ ۔ آیت نمبر 44)

ترجمہ: ''ہم نے توریت اتاری جس میں ہدایت اور نور ہے''۔

نور کی تعریف: نور وہ ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے۔یعنی ظاہر بالذات ''مظھر للغیر'' یہ ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا بھی دو طرح کا ہے۔

نور حسی اور عقلی: چاند، سورج، بجلی، گیس وغیرہ حسی طور پر ظاہر ہیں اور مظہر ہیں۔اسلام، علم، ہدایت، قرآن پاک، عقلی طور پر خود ظاہر ہیں اور دوسروں کو ظاہر کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ حقیقتاً ازلی، ابدی، ذاتی نور ہے اور جسے وہ ظاہر فرمادے وہ ظاہر ہوگا۔نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن پاک، اسلام، فرشتے عطائی طور پر رب کے بنانے سے نور ہیں۔کہ اس نے انہیں نور بنایا اور یہ نور بن گئے۔جیسے رب تعالیٰ حقیقی طور پر ازلاً، ابداً، سمیع، بصیر، علیم، خبیر اور دوسری مخلوق اس کے بنانے سے عطائی طور پر سمیع بھی ہے اور بصیر بھی۔علیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے۔اپنے لیے فرمایا رب تعالیٰ نے (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت نمبر 1)
اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ　　ترجمہ: ''بے شک وہ رب سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو سننے والا اور دیکھنے والا فرماتا ہے۔دوسری آیت میں فرمایا: (سورہ الدھر۔ آیت نمبر 2)
اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ صلے نَّبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا م بَصِیْرًا (ترجمہ: ''ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا فرمایا، پھر اسے سمیع اور بصیر بنایا''۔

تمام صفات کا یہ حال ہے کہ رب تعالیٰ بذات خود بغیر کسی کی عطا کے ان صفات سے موصوف ہے۔مخلوق عطائی طور پر رب تعالیٰ کے عطا کرنے سے ان صفات سے عارضی طور پر موصوف ہے۔لفظ مشترک، مگر معنی میں بڑا فرق۔حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب کے نور ہونے کے نہ تو یہ معنی ہیں کہ حضور پاک خاتم

النبیین ﷺ اللہ کے نور کا ٹکڑا ہیں اور نہ ہی یہ معنی ہیں کہ رب تعالیٰ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ میں سرایت کر گیا ہے۔اس طرح سمجھنا اور کہنا شرک اور کفر ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ بلاواسطہ رب سے فیض حاصل کرنے والے ہیں۔اور تمام مخلوق حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے واسطے سے رب کا فیض لینے والی جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلا کر پھر دوسرے چراغ سے ہزاروں چراغ جلا لو۔ یا جیسے ایک شیشہ سورج کے سامنے رکھا وہ چمک گیا یعنی سورج کی روشنی اس پر پڑی تو پھر اس شیشے کو ان شیشوں کی طرح کر دو جو تاریک کوٹھری میں ہیں۔تو اس کے عکس سے تمام شیشے جگمگا جائیں گے۔ظاہر ہے کہ پہلے شیشے میں نہ تو سورج اتر کر آیا اور نہ سورج کا کوئی ٹکڑا کٹ کر شیشے میں سما گیا بلکہ یہ ہوا کہ شیشے نے بلاواسطہ سورج سے روشنی حاصل کر لی اور باقی تمام شیشوں نے اس شیشے سے روشنی لے لی لیکن اگر پہلا شیشہ درمیان میں نہ ہو تو سارے کوٹھری والے شیشے تاریک اور اندھیرے رہ جائیں۔ رب تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے بارے میں فرمایا:(سورہ الحجر۔ آیت نمبر 29)

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ

ترجمہ:''اور جب میں انہیں درست کر دوں اور ان میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب ان کے لیے سجدے میں گر جانا،،۔

حضرت عیسیٰؑ کے لیے فرمایا:(سورہ المائدہ ۔ آیت نمبر 110)   ترجمہ:''وہ عیسیٰؑ کے رب کی روح ہیں''

اسی لیے حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ کہا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ یا حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی روح کا ٹکڑا یا جز ہیں۔یا اللہ ان میں سرایت کر گیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بلاواسطہ ماں باپ کے رب نے انہیں روح بخشی۔اسی طرح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے نور اللہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بلاواسطہ مخلوق رب سے فیض پانے والے۔

اس بات کو اس طرح سمجھیے کہ ایک ہے تشخص محمدی خاتم النبیین ﷺ ، دوسرا ہے حقیقت محمدی خاتم النبیین ﷺ۔

تشخص محمدی خاتم النبیین ﷺ: تشخص محمدی خاتم النبیین ﷺ اس جسم اطہر کا نام ہے جو حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے حضرت بی بی آمنہ سے ہیں۔اور تمام نبیوں کے بعد اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے۔حضرت عائشہؓ کے سرتاج۔حضرت فاطمہؓ ،حضرت ابراہیمؓ ،حضرت قاسمؓ ،حضرت رقیہؓ ،حضرت کلثومؓ ،حضرت طیب وطاہر کے والد نامدار۔یہ تمام رشتے تشخص محمدی خاتم النبیین ﷺ کی صفات ہیں۔

حقیقت محمدی خاتم النبیین ﷺ: نہ اولاد آدمؑ نہ بشر، نہ کسی کی اولاد بلکہ سارے عالم کی اصل۔ظاہر ہے کہ بشریت کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوئی اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اس وقت سے نبی ہیں جب حضرت آدمؑ کا خمیر بھی تیار نہیں ہوا تھا۔اگر اس وقت حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو بشر کہا جائے تو حضرت آدمؑ بشر نہیں رہتے۔اب جب ہم نبی کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ: نبی وہ انسان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرعی احکام کی تبلیغ کے لیے بھیجا۔تو یہ تشخص نبی کی تعریف ہے۔حقیقت نبی کی نہیں ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تو نبوت سے اس وقت موصوف کیے گئے جب انسانیت کا نشان بھی نہ تھا کیونکہ ابھی پہلے انسان اور تمام انسانوں کے باپ حضرت آدمؑ پیدا نہ ہوئے تھے۔اور انسان کی ضرورت کی چیزیں غذا اور جگہ وغیرہ بھی نہ بنائے گئے تھے تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی نبوت مکان ومکیں سے پہلے کی ہے۔بادام کا پوست بھی بادام کے نام سے پکارا جاتا ہے اور مغز بھی۔مگر پوست اور ہوتا ہے اور مغز اور۔پھر مغز کو پوست میں رکھا گیا۔

اسی طرح حقیقت محمدی خاتم النبیین ﷺ تشخص محمدی خاتم النبیین ﷺ میں جلوہ گر ہے۔نور ہونا، برہان ہونا، رب کی دلیل ہونا اور جسم کا سایہ نہ ہونا حقیقت محمدی خاتم النبیین ﷺ اور اس کی صفات ہیں۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ معراج کی رات آگ کے کرہ میں سے گزرے اور پھر خلا میں سے گزرے جہاں ہوا نہ تھی۔اب دیکھیے کہ بشری جسم آگ سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور بشری جسم ہوا کا محتاج ہوتا ہے۔معلوم ہو کہ اس رات نورانیت کا غلبہ تھا۔

اسی طرح اگر انسانی جسم کو چیرا جائے یا چوٹ آجائے تو خون نکلنے لگتا ہے اور دل پر تو زرا برابر چوٹ آجائے تو ٹھیس لگنے سے ہی صدمہ پہنچتا ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے قلب اطہر کو فرشتوں نے ۴ مرتبہ سینہ مبارک سے نکالا اور اسے چیر کر خون سے بھر امگر نہ خون نکلا اور نہ زندگی کو نقصان ہوا۔معلوم ہو کہ اس وقت نورانیت کا غلبہ تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی۔یعنی نوری بشر ہیں۔ حقیقت آپ خاتم النبیین ﷺ کی نور ہے اور لباس بشری۔جیسے تار اندر ہوتی ہے اور اوپر سے کپڑا چڑھا دیا جاتا ہے۔تاکہ کرنٹ نہ لگے۔سورۃ مریم آیت نمبر 17 میں حضرت جبرائیلؑ کے لیے فرمایا گیا۔

ترجمہ: ''پس بھیجا اس کی طرف ہم نے روح کو۔وہ ان کے پاس ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا'' ۔

حضرت جبرائیلؑ فرشتہ ہیں،نور ہیں اور حضرت مریمؑ کے پاس بشری شکل میں ظاہر ہوئے۔اب اس بشری شکل کی وجہ سے وہ اس وقت اپنی نورانیت سے الگ نہیں ہو گئے

تھے۔تو آپ خاتم النبیین ﷺ نوری بشر ہیں۔

آپ خاتم النبیین ﷺ کو نور ثابت کرنے کے لیے آیات:

مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو نور کہا ہے۔

۱۔ سورۃ مائدہ آیت نمبر 15 میں فرمان الٰہی ہے:"بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب"

تفسیر ابن عباس تنویر المقیاس کے تحت اس آیت میں نور سے مراد نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں۔

۲۔ اسی طرح سورۃ الاحزاب۔آیت نمبر 46-45 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:"اے نبی (خاتم النبیین ﷺ) بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اسکے حکم سے بلانے والا اور چمکانے والا سورج یعنی سراج منیر"۔

اب سورج کو بھی قرآن پاک میں دوسری جگہ سراج منیر کہا گیا ہے کیونکہ سورج چمکتا بھی ہے اور چمکاتا بھی ہے اور چاند تاروں کو بھی نور بتایا ہے کہ یہ سب سورج کی روشنی لے کر چمکتے ہیں۔اسی طرح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو بھی سراج منیر فرمایا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ چمکتے ہیں اور تمام صحابہ کرامؓ اور اولیا کرامؒ کو چمکانے والے بھی ہیں یعنی ان حضرات کو نور بنانے والے بھی ہیں کہ یہ حضرات حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے روشنی لے کر جگمگا رہے ہیں اور دوسروں کو روشنی دے رہے ہیں۔

۳۔ سورۃ نور۔آیت نمبر 35 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:"رب کے نور(محمد خاتم النبیین ﷺ) کی مثال، مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور وہ چراغ ایک فانوس میں ہو اور وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے درخت زیتون سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔(یہ) نور ہی نور ہے۔پہنچا دیتا ہے اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے اور بیان فرماتا ہے اللہ طرح طرح کی مثالیں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

تفسیر خازن نے اوپر بیان کی گئی آیت کے ماتحت "مثل نورہ" کی تفسیر میں فرمایا "کہا گیا ہے کہ اس آیت میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے نور کی مثال دی گئی ہے"۔عبداللہ ابن عباس نے کعب الاحبار سے اس آیت "مثل نورہ" کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں سے فرمایا کہ اللہ نے یہ مثال اپنے نبی کی دی ہے۔پس

طاق:تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا سینہ ہے۔ فانوس:حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا دل مبارک ہے۔

چراغ:نبوت ہے اور شجرہ مبارک:نبوت کا درخت ہے

یعنی قریب ہے کہ نور محمدی چمک جائے اگرچہ آپ خاتم النبیین ﷺ کلام بھی نہ کریں۔

۴۔ تفسیر روح البیان میں: لَقَدْ جَآئَکُمْ رَسُوْلٌ" مِّنْ اَنْفُسِکُمْ (سورۃ توبہ، آیت نمبر 128) کی تفسیر میں ہے کہ ایک بار حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ تمھاری عمر کتنی ہے؟ عرض کیا' یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ تو مجھے خبر نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک تارا ستر ہزار برس کے بعد چمکتا ہے۔اور میں اس کو 72 ہزار دفعہ چمکتے ہوئے دیکھ چکا ہوں'۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اے جبرائیل قسم اپنے رب کی" وہ تارہ ہم ہی تو ہیں' اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نور محمد حضرت جبرائیلؑ سے پہلے پیدا ہو چکا تھا۔جبکہ اس وقت آسمان، زمین، سورج، چاند ستارے، غرض کچھ بھی تو نہ تھا۔

آپ خاتم النبیین ﷺ کو نور ثابت کرنے کے لیے احادیث:

۱۔ حضرت امام عبدالرزاقؒ نے اپنے سند میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرے ماں باپ آپ خاتم النبیین ﷺ پر قربان، خبر دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ نے کیا پیدا کیا ہے؟۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اے جابرؓ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا پھر وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا۔اس وقت نہ لوح تھی، نہ قلم، نہ جنت، نہ دوزخ، نہ فرشتے تھے، نہ آسمان نہ زمین، نہ چاند، نہ سورج، نہ جن، نہ انسان۔پھر اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو۔اس نور کے چار حصے کئے۔ایک حصہ سے قلم، دوسرے سے لوح محفوظ، تیسرے سے فرش اور چوتھے سے مخلوق خدا کو پیدا فرمایا۔ (نشر الطیب:۵)

۲۔ احمد اور بیہقی اور حاکم نے صحیح اسناد سے۔حضرت عرباض ابن ساریہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا میں رب تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا، حالانکہ ابھی آدمؑ اپنے خمیر میں جلوہ گر تھے۔

۳۔　احکام ابن القطان میں حضرت امام زین العابدینؓ سے انہوں نے اپنے والد امام حسینؓ سے انہوں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں آدمؑ کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے رب کے حضور میں ایک نور تھا۔'' (مشکوٰۃ)

۴۔　ابو سہل قطانؒ نے اپنی کتاب امامی میں سہل ابن صالح ہمدانیؒ سے روایت کیا کہ میں نے ابو جعفرؒ محمد ابن علی، یعنی امام باقرؒ سے پوچھا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تو آخر میں معبوث ہوئے ان کا سب نبیوں پر مقدم ہونا کیسے ثابت ہے؟ حضرت باقرؒ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو میثاق کے دن نکالا تو سب سے پہلے بلٰی (بیشک تو ہمارا رب ہے) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے نور ہونے کے متعلق عقلی دلائل

نور وہ چیز جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کردے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ خود تو ایسے ظاہر کہ انہیں بحر و بر، خشک، تر، شجر و حجر، آسمان کا ہر تازہ، زمین کا ہر ذرہ پہچانتا ہے۔ انسان انہیں جانیں، جانور انہیں پہچانیں، کنکران کا کلمہ پڑھیں، پتھر ان کو گواہی دیں غرضیکہ خود ایسے چمکے کہ کسی سے نہ چھپ سکے اور دوسروں کو ایسا چمکا یا کہ جس کو ان سے نسبت ہوگئی وہ چمک گیا۔ مدینہ منورہ کی گلیاں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے چمکیں مکہ معظّمہ کے کوچہ و بازار اور کعبہ معظّمہ کے درو دیوار و نقش و نگار ان سے جگمگائے۔ حضرت دائی حلیمہ کی گلیاں آپ خاتم النبیین ﷺ کے پائے مبارک سے منور ہوئیں۔ بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جن کو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ظاہر کیا وہ تو ظاہر ہوگئے باقی تمام چھپ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات کو ہم نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی نظر سے پہچانا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے پہچان کروانے کے بعد ہم نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو جانا، ورنہ ہماری ذاتی عقلوں کی رسائی اس باری تعالیٰ کی ذات تک ممکن ہی نہ تھی۔ انسان کا جسم خاکی ہے اور روح نوری۔ رب تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: (سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 85)　　قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ

ترجمہ: ''فرمادو کہ روح امر رب ہے، روح رب کے امر سے ہے۔''

یعنی روح عالم امر کی ایک مخلوق ہے اور عالم امر نور ہے۔ مقبولوں کی روح کی نورانیت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ جسم نور بن جاتا ہے۔ اس لیے بعض اولیاء اللہ کے جسم پر بعض اوقات تلوار نے اثر نہ کیا اور آر پار ہوگئی۔ بعض اولیائے کرام نے کئی کئی ماہ کھانا نہ کھایا۔ پانی نہ پیا اور زندہ رہے۔ فتاوہ حدیثیہ باب التصوف میں علامہ ابن حجر حضرت محی الدین ابن عربی، سرہ العزیزؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ تین ماہ تک ایک ہی وضو پر رہے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہمارے پیشوا ہیں، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا نور روحانی جسمانیت پر ایسا غالب ہے کہ جسم اطہر بھی نوری ہو چکا ہے۔

اگر انسانی جسم کو چیرا لگ جائے تو خون نکلتا ہے اور دل پر ذرا برابر ٹھیس آئے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے قلب اطہر کو فرشتوں نے سینہ انور سے نکالا اور اسے چیر کر نور سے بھر امگر نہ خون کا نشان، نہ زندگی کو نقصان، معلوم ہوا کہ اس وقت نورانیت کا غلبہ تھا۔ اس مسئلہ پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔

اب اس مسئلے پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

اعتراض 1:　قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ ''مِّثْلُكُمْ'' ترجمہ: ''فرمادو میں تم جیسا بشر ہوں''۔ (سورہ کہف۔ آیت نمبر 110) تو نور اور بشریت اور نورانیت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نور نہیں؟

جواب: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی، یعنی نورانی بشر ہیں۔ حقیقت میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی روح نور ہے اور لباس بشری، اسی طرح تو رب تعالیٰ نے سورہ مریمؑ۔ آیت نمبر 17 میں حضرت جبرائیلؑ کے لیے فرمایا:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا　　ترجمہ: ''پس بھیجا اس کی طرف ہم نے روح کو وہ اس کے پاس ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا،،۔

حضرت جبرائیل فرشتہ ہیں نور ہیں اور حضرت مریمؑ کے پاس بشری شکل میں ظاہر ہوئے۔ اب اس وقت وہ اس بشری شکل کی وجہ سے اپنی نورانیت سے الگ نہیں ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی حضرت جبرائیل کو بشری شکل میں دیکھا۔ سیاہ زلفیں، سفید لباس، آنکھ، ناک، کان وغیرہ سب موجود ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ نور تھے اور نور ہی رہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوطؑ، حضرت داؤدؑ کی خدمت میں فرشتے بشری شکل میں حاضر ہوئے۔ رب تعالیٰ کا فرمان قرآن پاک میں ہے:

اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ ''قَوْمٌ'' ''مُّنْكَرُوْنَ''　　(سورہ الذّٰرِیٰتِ۔ آیت نمبر 25)

ترجمہ: '' جب وہ مہمان ان کے پاس گئے اور کہا سلام آپؑ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا یہ تو اجنبی لوگ ہیں''۔

ترجمہ: ''اور کیا تمہیں اس دعوے والوں کی خبر آئی جب وہ دیوار کو پھلانگ کر آئے (ہیکل) داؤد میں داخل ہوئے تو وہ گھبرا گئے۔ انہوں نے عرض کیا ڈریئے نہیں ہم دو فریق ہیں ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے''۔

رب تعالیٰ کا فرمان قرآن پاک میں ہے:　　　(سورہ الْعَنْكَبُوْتِ۔ آیت نمبر 33)

وَ لَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ قف اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ

ترجمہ: ''اور جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس آئے ان کا آنا اسے ناگوار ہوا، اور ان کے سبب دل تنگ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ نہ ڈریئے اور نہ غم کیجئے۔ بے شک ہم آپؑ اور آپؑ کے گھر والوں کو نجات دلائیں گے مگر آپؑ کی بیوی رہ جانے والوں میں سے ہے،،۔ ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ فرشتے انبیاء کرام کی خدمت میں انسانی شکل میں حاضر ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود نور بھی ہوتے ہیں۔ غرضیکہ نورانیت اور بشریف ایک دوسرے کی ضد نہیں۔

اعتراض 2: اگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نور ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو چاہیے کہ کسی جگہ اندھیرا نہ ہو، ہر جگہ روشنی ہو اسی لیے یا تو حضور خاتم النبیین ﷺ نور نہیں یا ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں؟

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں:　　(۱) اِلزامی　(۲) تحقیقی

اِلزامی جواب: رب تعالیٰ نور ہے اور ہر وقت ہمارے ساتھ ہے لیکن ہر جگہ روشنی نہیں ہوتی۔

سورہ نور۔ آیت نمبر 35　　　ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے''۔

سورہ واقعہ۔ آیت نمبر ۸۵　　　ترجمہ: ''ہم بمقابلہ تمہارے اس سے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں''۔

نیز قرآن پاک نور ہے اور ہر گھر میں رہتا ہے مگر ہر جگہ روشنی نہیں۔ فرشتے نور ہیں اور ہمارے ساتھ رہتے ہیں مگر ان کی روشنی ظاہر نہیں۔

سورہ النساء، آیت نمبر ۱۷۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے　　ترجمہ: ''اور ہم نے تمہاری طرف نور اتارا''

اب دیکھیں رب ہمارے ساتھ ہے یا نہیں، یا وہ نور نہیں ہے، اسی طرح یا تو فرشتے اور قرآن پاک ہمارے پاس نہیں ہوتے۔ یا وہ نور نہیں۔

تحقیقی جواب: یہ ہے کہ نور دو قسم کا ہے:　　۱۔ نور حسی　　۲۔ نور معنوی

دیکھنے کے لیے قوت قدسیہ والی آنکھیں چاہئیں۔ اگر اندھا آفتاب کو نہیں دیکھ پاتا تو وہ دیکھنے والوں سے سن کر اسے جان جاتا ہے اور اسے نور مان لیتا ہے۔

اعتراض نمبر 3: اگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نور ہیں تو کھاتے پیتے کیسے ہیں؟۔ ان کی اولاد کیوں ہوتی ہے؟۔ پھر تو چاہیے کہ سارے سیّد نور ہوں؟ کیونکہ انسان کا بچہ، انسان ہوتا ہے؟ گھوڑے کا بچہ گھوڑا، شیر کا بچہ شیر ہے؟

جواب: کسی آیت یا حدیث میں نہیں کہ نور کی اولاد نہیں ہوتی اگر ہے تو پیش کریں۔ فرشتوں کی اولاد نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ فرشتوں میں رب تعالیٰ نے شہوت نہیں رکھی۔ انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ اشرف الخلوقات، ہم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو نور مانتے ہیں۔ فرشتہ نہیں مانتے، یہ تمام سوالات اس صورت میں ہو سکتے تھے کہ اگر ہم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بشریت کا انکار کرتے، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ کبھی نورانیت غالب اور کبھی بشریت غالب۔ حضرت عیسیٰؑ ہزاروں برس سے آسمان پر ہیں، کھانے، پینے، سونے اور اولاد سے پاک کیونکہ وہاں نورانیت کی جلوہ گری ہے۔ جب دنیا میں آئیں گے تو پھر کھانا، پینا، نکاح وغیرہ سب کچھ کریں گے۔ تب بشریت کی جلوہ گری ہوگی۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے معراج میں ہزاروں سال کا سفر کیا۔ اس وقت نورانیت کی جلوہ گری تھی کھانے پینے کی حاجت نہ ہوئی۔

ہاروت ماروت فرشتے ہیں، نور ہیں، مگر جب انہیں یہ لباس بشری پہنایا گیا تو وہ دنیا میں رہ سکے، وہ کھاتے پیتے تھے۔ بلکہ صحبت بھی کر سکتے تھے، اسی کھانے پینے اور صحبت کی قوت کی بنا پر ان پر عتاب والا واقعہ پیش آیا۔

اعتراض نمبر 4: حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّ عَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّ عَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّ تَحْتِیْ نُوْرًا وَّ اَمَامِیْ نُوْرًا وَّ خَلْفِیْ

نُوْرًا وَ اجْعَلْ لِیْ نُوْرًا وَ فِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَ عَصَبِیْ نُوْرًا وَ لَحْمِیْ نُوْرًا وَ دَمِیْ نُوْرًا وَ شَعْرِیْ نُوْرًا وَ بَشَرِیْ نُوْرًا وَ اجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ: "اے اللہ! ڈال دے میرے دل میں نور، میری آنکھوں میں نور، میرے کانوں میں نور، میرے دائیں نور، میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے نور اور بنادے میرے لئے نور، میری زبان میں نور اور بنادے میرے پٹھے نورانی، میرا گوشت نورانی، میرا خون نورانی، میرے بال نورانی، میری جلد نورانی اور ڈال دے میرے نفس میں نور اور بڑھادے میرے لئے نور، اے اللہ! مجھے نور عطا فرما"۔

اگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پہلے سے نور تھے تو پھر اس دعا کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں۔ ا۔ الزامی (۲) تحقیقی

الزامی جواب: ہم یہ دعا ہمیشہ مانگتے ہیں: اھدنا الصراط المستقیم ''اے اللہ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے''۔ (سورہ الفاتحہ، آیت نمبر ۵)

ہمارے لیے تو یہ دعا ٹھیک ہے لیکن آپ خاتم النبیین ﷺ بھی یہ دعا ہمیشہ مانگا کرتے تھے۔ تو کیا آپ خاتم النبیین ﷺ (خدانخواستہ) گمراہ تھے کہ ہدایت کی دعا مانگ رہے ہیں؟۔ پھر قرآن پاک میں رب فرماتا ہے

ھدی للمتقین ترجمہ: ''یہ قرآن پرہیزگاروں کو ہدایت دینے والا ہے''۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲)

یاایھاالذین امنو امنو باللہ ترجمہ: ''اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ پر''۔ (سورہ النسا۔ آیت نمبر ۱۳۶)

اب بتائیں جو پہلی ہی پرہیزگار بن گئے انہیں ہدایت لینے کی کیا ضرورت رہ گئی؟۔ جو پہلے ہی ایمان لے آئے ہیں ان کے ایمان لانے کے کیا معنیٰ؟۔

تحقیقی جواب: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی یہ دعا کرنا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے ہیں کہ میرے آنکھ، کان، وغیرہ میں نور کر دے۔ یہ نورانیت پر قائم رہنے کی دعا ہے۔

اعتراض 5: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو نور کہنا، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بے ادبی ہے کیونکہ خاک نور سے افضل ہے۔ اس لیے کہ فرشتے نور ہیں اور آدم خاکی بشر اور فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا۔ نور ساجد ہے اور خاک مسجود؟

جواب: اس سوال کے جواب بھی دو ہیں۔ ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب: پھر تو اللہ تعالیٰ کو نور کہنا، اللہ تعالیٰ اور قرآن پاک کی بے ادبی ہے۔ تعجب ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو نور کہنے میں تو ہمیں بے ادبی معلوم ہو اور خدا تعالیٰ کو نور کہنے میں یہ ساری بے ادبی کافور ہو جائے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ سجدہ آدمؑ کے صرف خاکی جسم شریف کو نہ تھا بلکہ اس روحانی روح کو تھا جو اللہ تعالیٰ نے اس جسم شریف کو پھونکی۔ رب فرماتا ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (سورہ الحجر، آیت نمبر ۲۹)

ترجمہ: ''پھر جب میں ان کو درست کر دوں اور ان میں اپنی روح پھونک دوں تب تم ان کے لیے سجدے میں گر جانا۔''

معلوم ہوا کہ سجدہ روح آدم کو ہے لیکن چونکہ جسم مبارک روح کی تجلی گاہ بن چکا تھا اس لیے سجدہ اسے بھی ہوا اور آدمؑ کی روح نور مصطفی خاتم النبیین ﷺ کی ایک تجلی تھی۔ ورنہ آدمؑ کا جسم مبارک تو روح پھونکنے سے 40 سال پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ اگر صرف جسم ہوتا تو اب تک توقف نہ کیا جاتا۔ اس سے پہلے سجدہ ہو چکا ہوتا۔ ابلیس کو خاک پر خاک میں خاک کی طرف سجدہ کرنے میں کبھی عذر نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے خاک کے ہر ذرے پر سجدہ کر چکا تھا۔ آج یہ ایک سجدہ اور کر لیتا۔ اب جو سجدے سے انکار کر رہا ہے در حقیقت اس نورانیت کا منکر ہے جو سجدے کا باعث ہے۔ نیز اگر فقط خاکی ہی کو سجدہ کرانا تھا تو خاک کے ڈھیر ہزارہا موجود تھے ان میں سے کسی کی طرف بھی سجدہ کروا دیا جاتا۔ معلوم ہوا کہ خاک مسجود نہ تھی بلکہ وہ نور مسجود تھا جو حضرت آدم علیہ السلام میں ودیعت کیا گیا۔

اعتراض 6: قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اپنی نبوت سے ایمان و قرآن کی خبر بھی نہ تھی اور وحی سے پہلے آپ خاتم النبیین ﷺ کو اپنے نبی بننے کی امید بھی نہ تھی۔ پھر یہ کیسے درست ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ عالم ارواح میں نبی تھے؟ اور سارے پیغمبر آپ خاتم النبیین ﷺ سے فیض لیتے تھے سورہ قصص پارہ 20 میں رب تعالیٰ فرماتا ہے:: ''تم کو امید بھی نہ تھی کہ تم پر کتاب بھیجی جائے گی مگر آپ کے رب کی رحمت سے''

سورہ شوریٰ آیت نمبر ۵۲　ترجمہ: ''اور آپ جانتے نہ تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے؟'' جب حضور خاتم النبیین ﷺ کو ایمان کی خبر بھی نہ تھی تو پیدائش سے پہلے نبوت کے کیا معنی؟

اس اعتراض کے جواب بھی دو ہیں۔ ایک الزامی اعتراض کا جواب اور دوسرا تحقیقی جواب۔

الزامی جواب: پھر تو حضرت عیسیٰؑ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوئے کہ آپ نے ماں کی گود میں پیدائش سے چند گھنٹہ بعد قوم سے خطاب فرمایا:

سورہ مریم آیت نمبر ۳۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ترجمہ: ''فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔''

اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے بڑھ جائیں گے کیونکہ ان کے متعلق رب نے فرمایا (سورہ مریم، آیت نمبر ۱۲

ترجمہ: ''ہم نے انہیں بچپن میں علم یا نبوت بخشی''۔

بلکہ لازم آئے گا کہ کفار اور یہود ونصاریٰ بھی حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم میں بڑھ جائیں کیونکہ وہ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن سے جانتے تھے کہ حضور نبی ہیں۔ بحیرہ راہب نے حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن میں حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی گواہی دی۔ کیونکہ اس نے شجر و حجر کو کلمہ پڑھتے ہوئے سنا۔　سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۴۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یہ لوگ تجھے ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو''۔

ترجمہ: ''اہل کتاب حضور کی طفیل کفار پر جنگ میں فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے''۔　(سورہ بقرہ، آیت نمبر ۸۹)

نیز بخاری شریف میں ہے کہ پہلی وحی کے وقت حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں عبادت اور اعتکاف میں مصروف تھے۔ اگر حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایمان کی خبر نہ تھی تو عبادت واعتکاف کیسے کر رہے تھے؟۔ نیز معراج کی رات نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی؟ وہ کونسی نماز تھی کیونکہ ابھی تو نماز فرض ہی نہ ہوئی تھی؟

جواب تحقیقی: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بظاہر یہ خطاب نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، مراد نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ آپ کو ظاہری اسباب کے لحاظ سے یہ امید بھی نہ تھی کہ بغیر رب کی رحمت الٰہی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت رب کی رحمت اور فضل وکرم سے عطا ہوئی۔ نہ کسی کی دعا سے ملی اور نہ کسی کی وراثت سے حاصل ہوئی۔ جیسے حضرت ہارون کی نبوت موسیٰ کی دعا سے تھی۔ اور حضرت یحیٰؑ کی نبوت حضرت ذکریاؑ کی وراثت سے تھی اور حضرت سلیمانؑ کی نبوت حضرت داؤدؑ کی میراث سے تھی۔ مگر حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں کسی دعا یا وراثت کا واسطہ نہیں اور نبی پر کسی کا احسان نہیں ہے۔

<u>اعتراض نمبر 7:</u> اگر نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں؟ تو نبی میں خدائی آ گئی۔ اللہ کا نور جدا ہو گیا۔ یہ عقیدہ تو عیسائیوں کے عقیدے کے مشابہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ میں بھی الوہیت حلول مان لی؟

جواب: نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بلاواسطہ فیض لینے والے ہیں اور تمام خلقت نے حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے فیض ربانی حاصل کیا ہے۔ جیسے آئینہ سورج کے سامنے رکھیں تو سورج کا عکس آئینہ کو چمکا دیتا ہے۔ پھر یہ آئینہ دوسرے آئینوں کے مقابل کر دیں تو اس کی چمک سے دوسرے آئینے بھی منور ہو جاتے ہیں۔ تو پہلا آئینہ نہ سورج کا ٹکڑا ہے نہ عین سورج ہے بلکہ بلاواسطہ اسی سے تجلی حاصل کر رہا ہے۔ اور دوسرے آئینے پہلے سے آئینے سے تجلی حاصل کر رہے ہیں۔ یہ نسبت ایسی ہے جیسے قرآن کریم نے حضرت صالحؑ کی اونٹنی کو ''ناقۃ اللہ'' کہا یعنی ''اللہ کی اونٹنی'' اور حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ کہا''۔　(رسائل نعیمیہ)

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر چار مرتبہ ہوا (سینہ چاک کیا گیا)

امام مسلمؒ، امام بن حنبلؒ اور حضرت قتادہؓ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کیا ہے کہ جب آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 2 سال کے ہو گئے اور حضرت حلیمہ سعدیہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر ان کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ کے پاس لائیں تو اُن دنوں مکہ میں بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے حضرت حلیمہ سعدیہؓ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس لے آئیں تاکہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں پھیلی ہوئی وبا (بیماری) سے محفوظ رہ سکیں۔

حضرت حلیمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہمیں مکہ سے واپس آئے ابھی دو تین مہینے ہی گزرے تھے کہ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رضائی بھائی عبداللہ کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ اتنے میں عبداللہ بھاگتا ہوا گھر آیا اور کہنے لگا میرے قریشی بھائی کے پاس دو شخص آئے ہیں۔ انہوں نے بھائی کو لٹا کر بھائی کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔ یہ سن کر میں اور

میرے شوہر حارث دوڑے دوڑے باہر آئے اور دیکھا کہ محبوب خدا خاتم النبیین ﷺ کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے ہم دونوں آپ خاتم النبیین ﷺ سے لپٹ گئے اور پوچھا کہ بیٹا کیا ہوا؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ دو سفید کپڑوں والے شخص میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے مجھے بڑی نرمی سے پہلو کے بل لٹایا اور میرا پیٹ چاک کر دیا اور اس میں سے خون کی ایک پھٹکی کو نکال کر پھینک دیا اور کہا "ھذا الشیطان منک" (یہ تجھ میں شیطان کا حصہ تھا) پھر میرے پیٹ کو ایمان اور حکمت سے بھر کری دیا میرا پیٹ پہلے کی طرح ہو گیا۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔

رحمۃ اللعالمین کا شق صدر چار مرتبہ ہوا ہے

پہلی مرتبہ شرح صدر: یہ سوا دو سال کی عمر میں ہوا۔ یہ اس لئے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ شروع سے ہی شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہیں۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 413 - مشکٰوۃ المصابیح، جلد-3، حدیث نمبر 5852)

دوسری مرتبہ شرح صدر: دس سال کی عمر میں ہوا۔ یہ اس لئے ہوا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کامل ترین اوصاف پر جوان ہوں۔ (مسندِ احمد، حاکم، ابنِ عساکر، ابونعیم)

تیسری مرتبہ شرح صدر: چالیس برس کی عمر میں ہوا (غار حرا میں)۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ وحی الٰہی کے بوجھ کو برداشت کر سکیں۔ اس کلام کو برداشت کر سکیں جو اللہ تعالیٰ کے باطن سے آ رہا ہے۔ (دلائل بیہقی، دلائل ابونعیم)

چوتھی مرتبہ شرح صدر: 52 برس کی عمر میں شب معراج میں ہوا۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ تجلیات الٰہی کو برداشت کر کے مناجات الٰہی کر سکیں۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ خود قرآن پاک سورہ نشرح، آیت نمبر 1 میں فرماتا ہے: **اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ** ترجمہ: "کیا ہم نے تمھارا سینہ کھول نہیں دیا"؟

اب ظاہر ہے، شق صدر کے وقت آپ خاتم النبیین ﷺ پر نورانیت کا غلبہ ہوتا تھا اس لیے نہ خون نکلا تھا اور نہ ہی سینہ بند کرتے اور کھولتے وقت آپ خاتم النبیین ﷺ کو کوئی تکلیف ہوتی تھی۔

****

یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کہنا جائز ہے؟

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کو کلمہ ندا یعنی "یارسول اللہ" کہنا جائز ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: (سورہ الاحزاب آیت ۵۶)

"اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْماً

ترجمہ:- ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ نبی (خاتم النبیین ﷺ) پر۔ اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو اور سلام ادب کے ساتھ''

آیت کریمہ میں اللہ نے مسلمانوں کو صلواۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے مسلمان اس حکم کی تعمیل میں "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" پڑھتے ہیں جس میں صلوا کے حکم کی تعمیل اَلصلوٰۃ ، سلّموا کے حکم کی تعمیل اَلسّلام اور علیہ کی تعمیل علیک یارسول اللہ سے کرتے ہیں۔

گویا "الصلواۃ والسلام علیک یارسول اللہ" پڑھنا حکم الٰہی کی تعمیل ہے۔ اگر اس آیت کی تعمیل نماز میں پڑھے جانے والے درود یعنی درود ابراھیمی "اَللّٰھم صل علی محمد" سے کی جائے تو اس آیت کریمہ کی پوری تعمیل نہیں ہوتی کیونکہ دورد ابراھیمی میں صرف صلواۃ کا ذکر ہے جس سے صلو کی تعمیل ہوتی ہے۔ وَسَلِّمُو کی نہیں ہوتی اور یہ آیت کریمہ دونوں کے پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہذا آیت کریمہ کے حکم کی پوری تعمیل کے لیے ہم "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" پڑھتے ہیں اَب رہا یہ کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں درود ابراہیمی عطا فرمایا تو بے شک حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے درود ابراہیمی تعلیم فرمایا ہے۔ لیکن نماز میں پڑھنے کے لیے اور نماز میں تمام مسلمان یہی درود شریف پڑھتے ہیں کیونکہ یہ درود شریف نماز کے ساتھ خاص ہے چنانچہ حضرت ابومسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں آیا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے آگے آکر بیٹھ گیا اور کہا کہ یارسول اللہ "سلام" کو تو ہم نے خوب سمجھ لیا کہ نماز میں کیسے پڑھتے ہیں۔ السلام علیک اَیُھا النَّبی وَ رَحمَتُہ اللہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَب یہ فرمائیں کہ جب آپ خاتم النبیین ﷺ پر درود پڑھیں (اپنی نمازوں) میں تو کیسے پڑھیں؟

حضرت ابومسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے یہ محبوب جانا کہ وہ یہ سوال ہی نہ کرتا۔ پھر حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ تم درود پڑھو (مجھ پر نماز میں) تو کہو!

"اللّٰھم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید، اللّٰھم بارک علی محمد و علی ال محمد کما بارکت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید"۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول خاتم النبیین ﷺ، ہم آپ خاتم النبیین ﷺ پر (نماز میں) کیسے درود بھیجیں؟ فرمایا کہو!

"اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی ال ابراہیم انک حمید مجید، اللّٰھم بارک علی محمد و علیٰ آل محمد کما بارکت علی ابراہیم و علی ال ابراہیم انک حمید مجید"۔

مندرجہ بالا دونوں احادیث سے ثابت ہے کہ دونوں صحابہ اکرامؓ نے نماز میں درود شریف پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا۔ کیونکہ سلام نماز میں موجود تھا (التحیات میں)۔ پس ثابت ہوا کہ درود ابراھیمی نماز کیساتھ خاص ہے۔ چنانچہ دنیا بھر کے علماء اور محدثین نماز کے علاوہ ایسا درود شریف پڑھتے ہیں جس میں الصلوٰۃ اور سلام دونوں ہوتے ہیں اور نماز میں اس لیے حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے دُرودِ ابراھیمی پڑھنے کی تعلیم دی کیوں کہ نماز میں سلام پہلے سے موجود تھا۔

روضہ اقدس خاتم النبیین ﷺ پر صبح و شام یہی درود الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھا جاتا ہے۔

اس درود شریف سے اس آیت کریمہ "**اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً**" کی تعمیل ہوتی ہے۔ اب کیا روضہ اطہر پر اس درود شریف کو پڑھنے والے مسلمان مشرک ہیں؟

بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ روضئہ اطہر پر اس درود شریف کو پڑھنے والے مسلمان شرک نہیں کرتے؟ افسوس ان کو یہ معلوم نہیں کہ شرک تو شرک ہی ہوگا خواہ وہ کسی بھی مقام پر کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ درود شریف نہ یہاں شرک ہے نہ وہاں شرک ہے لیکن چونکہ بعض فرقوں کی عادات میں داخل ہے کہ ہر کارِ خیر کو شرک کہہ دیا جائے۔ لہذا اس درود شریف کے پڑھنے والے کو اگر مشرک کہیں تو کیا تعجب ہے؟

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ جو کہ اشرف علی تھانوی بانی مدرسہ دیوبند اور رشید احمد گنگوئی وغیرہ دیوبندی مولویوں کے پیر و مُرشد ہیں اور جن کے متعلق جناب اشرف علی تھانوی نے "امداد مشتاق" میں لکھا ہے کہ وہ اس زمانے میں اللہ کی حُجت ہیں۔ یہ حاجی صاحب اپنی کتاب "ضیاءُ القلوب" کے صفحہ نمبر ۸۳ میں لکھتے ہیں کہ "جس کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی زیارت مبارک کا شوق ہو وہ عشاء کی نماز کے بعد پاک وصاف کپڑے پہنے خُوشبو لگائے اور مدینہ منورہ کی سمت منہ کر کے اَدب سے

بیٹھے اور بارگاہ الٰہی میں حضور خاتم النبیین ﷺ کے جمال کی التجا کرے۔ دل کو تمام خیالات اور وَسوِسوں سے خالی کرے۔اور یہ تصور باندھے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ سفید کپڑے پہنے، سبز عمامہ باندھے کرسی پر چودھویں کے چاند کی طرح روشن چہرے میں جلوہ افروز ہیں۔ اور دائیں طرف "الصلواۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" اور بائیں طرف "الصلواۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ" اور دل پر "الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ" کی ضربیں لگائے اور جس قدر ہو سکے اِس دُرود شریف کو پڑھے۔ اِس طرح کرنے والا انشاءاللہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔(امداد مشتاق صفحہ نمبر 54)

اَب اگر یہ درود شریف پڑھنا شرک ہے اور پڑھنے والا مشرک، تو مشرک کو زیارت کیسی؟ ایک اور محدث، محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارن پوری کی سُن لیجئے:-

"بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود وسلام کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے" اعتراض کرنے والے حضرات بجائے اس کے اپنے اکابر کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے خود بھی "الصلواۃ وسلام علیک یا رسول اللہ" پڑھتے اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے مگر انہوں نے اس درود شریف کے پڑھنے والے کو مشرک اور بدعتی کہہ کر اپنے ہی بڑوں کو مشرک و بدعتی بنا ڈالا اور دوسری طرف دنیا کے کروڑوں سچے مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی قرار دے کر آپس میں ہی لڑوا دیا"۔

وجوہات

اِس درود شریف کے پڑھنے کو جو شرک کہا جاتا ہے تو اس کو شرک ثابت کرنے کے لیے تین وجوہات بیان کی جاتی ہیں:-

(1) اس میں علیک آتا ہے اور علیک خطاب کا صیغہ ہے اور خطاب اس کو کیا جاتا ہے جو سامنے موجود ہو اور سُن رہا ہو۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نہ تو سامنے موجود ہیں اور نہ ہی سُنتے ہیں، لہذا شرک ہے۔

(2) دوسری وجہ یہ ہے اس میں "یا" حرف ندا ہے۔ اور غیر اللہ کو ندا کرنا شرک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ کہنا شرک ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ پانچوں وقت نماز میں بھی شرک ہوتا ہے اور خدانخواستہ نماز پڑھنے والے سب مشرک ہیں، کیونکہ ہر نماز میں "**اسلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**" پڑھا جاتا ہے۔ اس میں "**یا**" حرف ندا اور خطاب کا صیغہ "**علیک**" موجود ہے۔ لہذا جو لوگ اس درود شریف کو شرک کہتے ہیں گویا وہ تمام نمازیوں کو مشرک کہتے ہیں۔

بیہقی شریف میں ہے، صحابہؓ نے عرض کیا! یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم آپ پر اپنی نمازوں میں کیسے درود بھیجیں؟

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

"**اللھم صلے علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید، اللھم بارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید**"

نمازوں میں درود شریف کیسے پڑھیں یہ پوچھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ نماز کے علاوہ بھی آپ خاتم النبیین ﷺ پر درود پڑھتے تھے اس کے الفاظ یہ ہوتے تھے۔"**صلی اللہ علیک یارسول اللہ**"۔

اِمام رازیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نصیحت کی کہ "میرا جنازہ روضہ اطہر پر لے جانا اور عرض کرنا "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، آپ خاتم النبیین ﷺ کا یارِ غار ابوبکر صدیقؓ حاضر ہے"۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جنازہ روضہ اقدس پر لایا گیا تو صحابہ اکرام نے "**اسلام علیک یارسول اللہ**" عرض کر کے کہا "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ ابوبکرؓ دروازے پر حاضر ہیں"۔ فوراً دروازہ خود بخود کھل گیا اور قبر شریف سے آواز آئی "حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ"۔(تفسیر کبیر، صفحہ نمبر ۴۷۵)

اِسی طرح "**نعرہ رسالت**" لگانا اور رسول خاتم النبیین ﷺ کو "**یارسول اللہ**" کہہ کر پُکارنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں پارہ ۹ میں ارشاد ہے:

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۱۵۸)

ترجمہ: "اے میرے حبیب فرما دیجیے، اے لوگو! بے شک میں رسول تم سب کی طرف آیا ہوں"۔

"اے" حرف ندا ہے جس کا مطلب ہے "یا" اِسی آیت کریمہ پر ذرا غور کیجیے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے انسانوں کو "یا" کہہ کر مخاطب کیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خطاب کے مخاطب کون لوگ ہیں۔ کیا مخاطب مکہ کے وہ چند افراد تھے جو اس وقت آپ خاتم النبیین ﷺ کے سامنے موجود تھے۔ اگر جواب "ہاں" ہے تو آپ خاتم النبیین ﷺ انہی کی طرف رسول بن کر آئے اور آگے جو حکم "**فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ**" ترجمہ: "ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول پر" بھی انہیں کے لیے تھا؟''۔(سورہ التغابن آیت نمبر ۸)

نہیں ایسانہیں ہے۔ بلکہ یہ خطاب دنیا کے تمام انسانوں کے لیے تھا۔ جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ لہذا یہ خطاب عام ہے اور لفظ "جمیعاً" اس پر قرینہ عموم ہے اور تمام مفسرین حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے تمام مسلمانوں کو جو قیامت تک ہونے والے تھے "یا" کہہ کر پکارا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور پکار لوگوں کو حج کے لیے" (سورہ الحج آیت نمبر ۲۷)

اِس حکمِ الٰہی کو سُن کر ابراہیم علیہ السلام ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور کھڑے ہو کر چاروں طرف پُکارا

"اے لوگو تم پر اللہ نے حج فرض کیا، لہذا تم حج کو آؤ"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کو ہر ایک روح نے جو ماں باپ کی پُشت میں تھی، سُنا اور جس کی تقدیر میں حج تھا اُس نے "لبیک اللھم لبیک" کہا۔

غور فرمائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انسانوں کو "یا" کہہ کر پکارا۔ حالانکہ وہ انسان آپ علیہ السلام کے پاس حاضر تو کیا ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور لطف یہ کہ آواز کو تمام روحوں نے سن لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کے لیے اور حضورِ اقدس خاتم النبیین ﷺ نے اپنی رسالت کے لیے "یا" کہہ کر پکارا۔

اب خلیل اللہ کی آواز پر جس نے لبیک کہا وہ "حاجی" ہوا اور جس نے حبیب اللہ خاتم النبیین ﷺ کی آواز پر لبیک کہا وہ مومن ہوا۔

حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین ﷺ ہجرت فرما کر جب مدینہ آئے تو مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ بچے اور خادم گلیوں میں متفرق ہو گئے اور سب کے سب نعرے لگا رہے تھے:-

یا محمد خاتم النبیین ﷺ، یا محمد خاتم النبیین ﷺ، یا محمد خاتم النبیین ﷺ، یا محمد خاتم النبیین ﷺ (صحیح مسلم جلد دوم باب فی حدیث الہجرۃ صفحہ 419)

اس حدیث میں دو باتیں ثابت ہوتی ہیں کہ خوشی کے وقت نعرہ رسالت لگانا بدعت نہیں بلکہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں ان کی موجودگی میں لگایا گیا۔

دوسرا یہ کہ اللہ کے سوا دوسرے کو "یا" کہنا شرک نہیں۔ اگر شرک ہوتا تو حضو خاتم النبیین ﷺ ضرور منع فرما دیتے اور شرک سے بچاتے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے "خود یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ" کہنے کی تعلیم فرمائی۔ حضرت عثمان بن حنیفہؓ فرماتے ہیں:-

حضور خاتم النبیین ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو تعلیم فرمائی کہ بعد نماز، یوں کہے۔

ترجمہ "اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد خاتم النبیین ﷺ کے جو نبی رحمت ہیں۔ یا محمد خاتم النبیین ﷺ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے سے اس حاجت میں متوجہ ہوا ہوں کہ میری حاجت روا ہو۔ الٰہی حضور خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما"

حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ جب اِس نابینا صحابیؓ نے اِس طرح دُعا کی تو اس کی آنکھیں اللہ نے ٹھیک کر دیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کبھی اندھا تھا ہی نہیں۔

ذرا غور کریں تو اس حدیث کے تین حصے ہیں:-

اوّل حصے میں حضور خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے کیساتھ اللہ سے سوال کیا گیا۔

درجہ دوم میں حضور خاتم النبیین ﷺ کو "یا محمد" کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے یا رسول اللہ! آپ خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے سے اللہ کے دربار میں حاجت پیش کی ہے تاکہ وہ پوری ہو۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ آپ بھی ذرا سفارش فرما دیں۔

درجہ سوم میں پھر اللہ کے دربار میں عرض کیا گیا اے اللہ! میری اس حاجت میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سفارش کو قبول فرما۔ اب اس دُعا کو پیشِ نظر رکھنا ہے کہ یہ وہ دُعا ہے، جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے خود صحابیؓ کو تعلیم فرمائی۔

صحابہ کرامؓ کا عام دستور تھا کہ سختی اور مصیبت کے وقت "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ" کہہ کر پُکارتے اور محمد خاتم النبیین ﷺ سے مدد طلب کرتے۔ چنانچہ

(1) جب حضرت خالد بن ولیدؓ کا مقابلہ مسلمہ کذاب سے ہوا۔ تو اُس وقت مسلمہ کذاب کیساتھ 60000 فوج تھی اور مسلمان بہت ہی کم تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے ایسی سختیاں اور مصیبتیں جھیلیں کہ پاؤں اکھڑ گئے۔ جب حضرت خالد بن ولیدؓ اور ان کے رفقاء نے جو ثابت قدم تھے یہ دیکھا کہ حالت بہت نازک ہے تو" پھر انہوں نے مسلمانوں کے شعار کے مطابق ندا کی اور اس دن اِن کا شعار "یا محمد خاتم النبیین ﷺ، یا محمد خاتم النبیین ﷺ، یا محمد خاتم النبیین ﷺ، یا محمد خاتم النبیین ﷺ" کی ندا تھی چنانچہ ہر صحابیؓ کی زبان پر "یا محمد خاتم النبیین ﷺ، یا محمد خاتم النبیین ﷺ" جاری تھا جس کا یہ اثر ہوا کہ مسلمہ کذاب ہلاک ہو کر واصل

جہنم ہوا اور اس کی فوج کو شکست ہوئی۔اب دیکھئے کہ اس جنگ میں سب صحابیؓ ہی تھے کیونکہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ہی جنگ تھی۔پس ثابت ہوا کہ جنگ میں "یا محمد" کہنا شعارِ صحابہؓ تھا۔

(2) حضرت ابوعبیدہؓ نے میسرہ کو 4000 سپاہیوں کا امیر مقرر کیا۔اور دروب کی طرف روانہ کیا۔ہرقل کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اِدھر کا قصد کیا ہے۔تو اس نے چار ہزار کے مقابلے کے لیے 30000 کا لشکر روانہ کیا۔لشکرِ کفار اسلام کے مقابلے میں آ گیا۔گھمسان کی لڑائی ہوئی۔اس وقت حضرت اَنسؓ کی ہمراہی میں 1000 اشخاص تھے۔جو "یا محمد، یا محمد" کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے تھے اور فتح یاب ہوئے۔

(3) میدانِ کربلا میں جب ظالموں نے سیدنا حضرت امام حسینؓ کو شہید کر دیا تو آپؓ کی بہن حضرت زینبؓ نے آپؓ کے کٹے پھٹے کپڑے جسم مبارک کو خون آلود پڑے ہوئے دیکھا تو روتے ہوئے حضور خاتم النبیین ﷺ کو یوں پکارا "یا محمد خاتم النبیین ﷺ، یا محمد خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ پر اللہ کا اور آسمان کے فرشتوں کا دُرود ہو" یہ حسینؓ بے گور وکفن پڑے ہیں، یا محمد خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ کی بیٹیاں قیدی ہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی اولاد کو قتل کر دیا گیا ہے۔اس وقت حضرت امام زین العابدینؓ نے دربارِ رسالت میں یوں فرمایا: "اَدرِک زین العابِدین"۔

"اے رحمت العالمین خاتم النبیین ﷺ زین العابدین کی مدد کو آیئے"۔

اب ذیل میں چند روایات ایسی پیش کی جاتی ہیں جن میں اولیاء اللہ کو پُکارنا بھی ثابت ہوتا ہے۔

(1) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مدینے منورہ کی قبروں پر سے گزرے تو رخ انور اہلِ قبور کی طرف کر کے فرماتے:-

السلام علیکم ورحمۃ اللہ یا اہل قبور

ترجمہ: "سلام ہو تم پر اے قبروں میں رہنے والو، اللہ تمہیں اور ہمیں بخشے، تم ہمارے پیش رُو ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں"

اِس حدیث میں حضور خاتم النبیین ﷺ نے خود اہلِ قبور کو "یا" کہہ کر پُکارا ہے۔

امام محدثین امام جلال الدینؒ باروایت بیہقی نقل فرماتے ہیں:

(2) "ہم حضرت امیر حمزہؓ کے مزار پر ٹھہرے اور ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے چچا! آپؓ پر سلام ہو۔تو ہم نے جواب میں وعلیکم سلام ورحمۃ اللہ خود سنا۔"

حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضرت حمزہؓ کو "یا" کہہ کر پُکارا گیا تو انہوں نے سُن کر جواب بھی دیا۔کیوں نہ ہو، جبکہ خود حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اپنے بھائی کی قبر پر گزرے جسے وہ دُنیا میں پہچانتا تھا اس پر سلام کرے تو اللہ اس کی روح کو اس پر لوٹا دیتا ہے۔یہاں تک کہ وہ سلام کا جواب دیتا ہے"۔

پس ثابت ہوا کہ کسی کو معبود مان کر مددگار سمجھنا بلاشبہ شرک ہے لیکن کوئی مسلمان کسی نبی یا ولی کو معبود سمجھ کر مدد نہیں مانگتا بلکہ ہر مسلمان انبیاء اولیا کو اللہ کی مدد کا مظہر سمجھ کر مدد مانگتا اور پُکارتا ہے اور یہ ہرگز شرک نہیں۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ:

اللہ حَقٌ وَ الرَّسُوْلُ حَقٌ وَ شَفَاعَتُہ الانبِیآءِ وَ الاَوْلیآءِ حَقٌ وَ الْحَمْدُللہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

****

وسیلہ

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے خواہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں اِن کی ذات کا وسیلہ مسلمانوں کا وسیلہ عظمیٰ ہے۔ اِن کے نام کا وسیلہ، جس چیز کو اِن سے نسبت ہو جائے وہ وسیلہ ہے مگر فی زمانہ غیر مقلد اس کے منکر ہیں۔

اللہ کے مقبول بندے، اِن کی ذات کا نام، اِن کے تبرکات، مخلوق کا وسیلہ ہیں۔ اس کا ثبوت قرآنی آیات، اَحادیث نبویہ، اقوال بزرگان، اجماع اُمّت اور دلائل عقلیہ سے دے سکتے ہیں۔

قرآنی آیات:

(1) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (سورہ النساء، آیت نمبر ۶۴)

ترجمہ: "اے نبی (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آستانہ پر آجائیں اور اللہ سے معافی چاہیں اور آپ بھی اِن کی سفارش کریں تو بے شک یہ لوگ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے"۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا۔ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت، تا قیامت وسیلہ مغفرت ہیں یعنی ہر قسم کا مجرم آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوتا ہے۔

(2) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ * (سورہ المائدہ، آیت نمبر ۳۵)

ترجمہ: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ"۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اعمال کے علاوہ اللہ کے پیارے بندوں کا وسیلہ ڈھونڈنا ضروری ہے کیونکہ اعمال تو "اِتَّقُوا اللّٰه" میں آ گئے۔

(3) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ (سورہ توبہ، آیت نمبر ۱۰۳)

ترجمہ: اے محبوب (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اِن مسلمانوں کے مالوں کا صدقہ قبول فرمائیے اور اِس کے ذریعہ پاک صاف کیجیئے اور ان کے حق میں دُعائے خیر کیجئے کیونکہ آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دُعا ان کے دل کا چین ہے"۔

معلوم ہو کہ صدقہ خیرات اعمال صالحہ طہارت کا کافی وسیلہ نہیں بلکہ طہارت تو حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم سے حاصل ہوتی ہے۔

(4) هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ (سورہ جمعہ، آیت نمبر ۲)

ترجمہ: "رَبّ تعالیٰ وہ قدرت والا ہے جس نے بے پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر رب کی آیات تلاوت فرماتا ہے اور اُنھیں پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے"۔

معلوم ہوا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا وسیلہ عُظمیٰ ہیں۔

(5) سورہ بقرہ، آئی نمبر 89 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتے ہیں:-

مفہوم: "یہ اہلِ کتاب حضور پاک (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریف آوری سے پہلے حضور (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے طفیل کفار پر فتح کی دُعائیں کرتے تھے"۔

معلوم ہوا کہ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہلِ کتاب آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے وسیلہ سے جنگوں میں دُعائے فتح کرتے تھے اور قرآن مجید نے ان کے عمل پر اعتراض نہ کیا بلکہ تائید کی اور فرمایا کہ ان کے نام کے وسیلہ سے تم دعائیں مانگتے تھے اب ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ معلوم ہوا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک نام ہمیشہ سے وسیلہ ہے۔

(6) فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورہ بقرہ، آیت نمبر ۳۷)

ترجمہ: "آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمے پائے جس کے وسیلہ سے دُعا کی اور رب نے ان کی دُعا قبول کی"۔

بہت سے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دُعا کی جو قبول ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء کرام کا بھی وسیلہ ہیں۔

(7) قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ (سورہ بقرہ، آیت نمبر ۱۴۴)

ترجمہ: "ہم آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرے کو آسمان کی طرف اُٹھتا دیکھ رہے ہیں۔ اچھا ہم آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ جس سے آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہیں"۔

معلوم ہوا کہ تبدیلی قبلہ اس لیے ہوئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی یعنی کعبہ معظّمہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے قبلہ بنا۔ جب کعبہ حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے وسیلہ کا محتاج ہے تو ہم لوگوں کا کیا پوچھنا ہے۔

(8) وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ (سورہ کہف، آیت نمبر ۸۲)

ترجمہ: "حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار بنا کر موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا" کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا سرمایہ ہے۔ ان کا باپ نیک تھا، اس لیے تیرے رب نے چاہا کہ ان کا خزانہ محفوظ رہے اور یہ جوان ہو کر خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں"۔

معلوم ہوا کہ ان یتیم بچوں پر رب کا یہ کرم ہوا کہ ان کی شکستہ دیوار بنانے کے لیے دو مقبول بندے بھیجے گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ یعنی نیک باپ کے وسیلے سے اولاد پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے۔

(9) وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (سورہ فتح، آیت نمبر ۲۵)

ترجمہ: "اگر کچھ مسلمان مرد اور کچھ عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم نہیں جانتے اگر (اس امر کا اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم ان کو روند ڈالتے پھر تم پر خرابی آ پڑتی ان کی طرف سے بے خبری میں خطا ہو جاتی، لیکن اس میں دیر اس لیے ہوئی تا کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے داخل فرمائے۔ اگر وہ مسلمان کفارِ مکہ سے جُدا ہو جاتے تو ہم کفار کو دردناک عذاب کی اطلاع دیتے"۔ معلوم ہوا کہ کفارِ مکہ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کچھ مسلمان رہ گئے تھے یعنی شہر میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا ہونا بے چینیوں کے امن کا وسیلہ ہوتا ہے۔

(10) قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝ (سورہ کہف، آیت نمبر ۲۱)

ترجمہ: "غالب آنے والے لوگ بولے کہ ہم اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے، ان کا رب ہی ان کے حال کو خوب جانتا ہے"

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبروں کے پاس مسجد بنانا تا کہ ان کے وسیلہ سے نماز میں برکت ہو اور زیادہ قبول ہو، ہمیشہ سے مسلمانوں کا دستور ہے۔ قرآن پاک نے اصحابِ کہف کے غار پر مسجد بنانے کا ذکر کیا ہے اور اس کی تردید نہ کی جس سے پتہ لگا کہ ان کا یہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند آیا۔

(11) اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ (سورہ یوسف، پارہ ۱۳، آیت نمبر ۹۳)

ترجمہ: "یوسف نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ میری قمیض لے جاؤ اور میرے والد ماجد کے مُنہ پر ڈال دو، اُن کی آنکھیں بینا ہو جائیں گی"۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کے لباس کے وسیلہ سے شِفا ملتی ہے۔

(12) لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّ ۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (سورہ البلد، پارہ ۳۰، آیت نمبر ۱، ۲)

ترجمہ: "میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی جبکہ اے محبوب (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم)! اس میں تم تشریف فرما ہو"۔

معلوم ہوا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مکہ مکرمہ کو یہ فضیلت ملی کہ رب نے اس کی قسم کھائی۔

(13) وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ (سورہ التین، پارہ ۳۰، آیت نمبر ۱، ۲، ۳)

ترجمہ: "یعنی قسم ہے انجیر، زیتون اور طُور کی اور اس امانت والے شہر کی"۔

معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے زیتون، انجیر اور طُور پہاڑ کو عزت ملی اور نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے شہر مکہ کو ایسی برکت حاصل ہوئی کہ اس کی قسم رَبّ نے کھائی۔

اِس سے ثابت ہوا کہ وسیلہ کا نفع بے جان چیزوں کو بھی پہنچ جاتا ہے۔

(14) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ (سورہ البقرہ،

پارہ ۲، آیت نمبر ۲۴۸)

ترجمہ ": طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ ہے کہ ان کے پاس تابوت سکینہ آئے گا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تبرکات ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ صندوق دیا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کی دستار مبارک اور دیگر تبرکات تھے جس کو بنی اسرائیل جنگ میں اپنے آگے رکھتے تھے جس کی برکت سے دشمنوں پر فتح پاتے تھے۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کے وسیلہ سے آفات دُور ہوتی ہیں۔مشکلات حل ہوتی ہیں۔

(15) قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (سورہ سجدہ، پارہ ۲۱، آیت نمبر ۱۱)

ترجمہ: "فرمادو کہ تم کو ملک الموت وفات دیں گے جو تم پر مقرر کیے گئے ۔" معلوم ہوا کہ حضرت ملک الموت کے وسیلہ سے جان نکلتی ہے۔

(16) قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ (سورہ مریم ، پارہ ۱۶، آیت نمبر ۱۹)

ترجمہ:"حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا میں تمہارے رب کا قاصد ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں سُتھرا بیٹا دوں"۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے وسیلہ سے لڑکا ملا۔

(17) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (سورہ الانفال، آیت ۳۳)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا جبکہ آپ خاتم النبیین ﷺ ان میں موجود ہیں۔ "

معلوم ہوا کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی ذات بابرکت عذاب الٰہی سے امن کا وسیلہ ہے۔

(18) كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ (سورہ الِ عمران، پارہ ۳، آیت نمبر ۳۷،۳۸)

ترجمہ:"حضرت مریمؑ کو بے موسم کے پھل کھاتے دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے اس جگہ جہاں حضرت مریمؑ کے لیے پھل اترتے تھے وہاں کھڑے ہو کر بیٹے کی دُعا کی۔" معلوم ہوا کہ خاص جگہوں پر دُعا قبول ہوتی ہے۔

احادیث نبوی خاتم النبیین ﷺ:

(1) مسند امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت شریح الدین ابن عبیدؒ سے باروایت حضرت علی مرتضیٰؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے چالیس ابدال کے متعلق فرمایا: "یعنی چالیس ابدال کے وسیلے سے بارش ہوگی۔دُشمنوں پر فتح حاصل ہوگی اور شام والوں سے عذاب دُور ہوگا ۔ "(مشکوٰۃ باب ذکر یمن وشام، مسند احمد، جلد اوّل، حدیث نمبر ۸۵۴)

(2) ایک دفعہ مدینہ شریف میں بارش بند ہوگئی اور قحط پڑ گیا۔لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا۔آپؓ نے فرمایا:"روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ کی چھت کھول دو کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ "لوگوں نے ایسا ہی کیا تو فوراً بارش ہوئی یہاں تک کہ چارہ اُ گا، اُونٹ موٹے ہو گئے اور چربی سے بھر گئے۔معلوم ہوا کہ اللہ کے پیاروں کی قبر کے وسیلے سے بارش ہوتی ہے۔(دارمی شریف)

(3) شرح سنن میں ابن سکندرؒ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے غلام حضرت سفینہؓ عہدِ فاروقی میں گرفتار ہو گئے۔آپؓ قید خانہ سے بھاگ نکلے کہ اچانک شیر آ گیا۔آپؓ نے شیر سے فرمایا"اے شیر میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کا غلام ہوں۔میرے ساتھ ایسے ایسے ہوا ہے۔یہ سُن کر شیر دُم ہلاتا ہوا حضرت سفینہؓ کے پاس آ گیا اور ساتھ چل دیا۔جب کوئی آواز سُنتا تو فوراً اُدھر پہنچتا اور پھر حضرت سفینہؓ کے پاس آ جاتا۔غرض اس طرح اُس نے حفاظت اور خدمت کی یہاں تک کہ آپ لشکر اسلام میں پہنچ گئے"۔

معلوم ہوا کہ حضور پُرنور خاتم النبیین ﷺ کے وسیلہ سے شیر بھی تابع ہو جاتے ہیں اور شیر آپ خاتم النبیین ﷺ کے غلاموں کو پہچانتے ہیں۔

(4) مسلم و بخاری میں ہے کہ معراج کی رات 50 نمازیں فرض ہوئیں۔حضور خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ جب واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو کیا حکم ہوا؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"**دن میں 50 نمازیں**"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کہا، اے محمد خاتم النبیین ﷺ! مجھے بنی اسرائیل کا تجربہ ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کی اُمّت یہ بوجھ نہ اُٹھا سکے گی۔اپنی اُمّت کے لیے رَب سے رعایت

مانگیں۔غرض کئی بار عرض کرنے کے بعد 5 نمازیں رہ گئیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے نمازوں میں یہ رعایت ملی کہ 50 نمازوں کی 5 رہ گئیں۔یعنی اللہ کے بندوں کا وسیلہ ان کی وفات کے بعد بھی فائدہ مند ہے۔

(5) مسلم و بخاری میں ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑا تو جمعہ کے دن خطبہ میں ایک شخص نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اِسی حالت میں دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔خدا کی قسم ابھی حضور خاتم النبیین ﷺ کی دُعا کے ہاتھ نیچے نہ گئے تھے کہ پہاڑوں کی طرف سے بادل اُٹھا اور حضورِ اقدس منبر سے نیچے نہ اُترے تھے کہ بارش کا پانی آپ خاتم النبیین ﷺ کی ریش مبارک سے ٹپکتا تھا۔سات دن بارش ہوتی رہی، اگلے جمعہ کو زیادتی بارش کی شکایت کی گئی تو حضور خاتم النبیین ﷺ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور پھر عرض کیا۔"اے اللہ اب ہم پر نہ برسے ہمارے آس پاس برسے" پھر بادل کو جس طرف اشارہ کرتے اسی طرف پلٹ جاتا، معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ مصیبتوں کے وقت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۰۷۸) (بخاری شریف، حدیث نمبر ۱۰۲۹)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"ہم تقسیم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۳۹۲) (بخاری شریف، حدیث نمبر ۷۱)

معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتیں حضور خاتم النبیین ﷺ تقسیم فرماتے ہیں اور تقسیم فرمانے والا وسیلہ ہوتا ہے۔لہذا نبی خاتم النبیین ﷺ خالق کی ہر نعمت کا وسیلہ ہیں۔

(6) مسلم شریف میں ہے حضرت معاذؓ سے ایک بڑا گناہ ہوگیا تو بارگاہِ رسالت خاتم النبیین ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا "اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ مجھے پاک فرمادیں۔"

معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ گناہ کر کے حضور خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے تھے کہ ہمیں پاک کردیں کیونکہ وہ حضور خاتم النبیین ﷺ پُرنور کو وسیلہ نجات جانتے تھے۔

(7) مسلم شریف باب السجود میں ہے کہ حضرت ربیعہؓ ابن کعب نے حضور خاتم النبیین ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا!"میں آپ سے مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ رہوں"۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو رب کی تمام نعمتوں حتیٰ کہ جنت کے حصول کا وسیلہ سمجھ کر حضور خاتم النبیین ﷺ سے مانگتے تھے۔

(8) مسلم شریف میں ہے، حضرت اسماءؓ کے پاس حضور خاتم النبیین ﷺ کا جُبہ شریف تھا۔فرماتی تھیں کہ یہ جُبہ شریف حضرت عائشہؓ کے پاس تھا ان کی وفات کے بعد میں نے اس کو لے لیا۔اس جُبہ شریف کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پہنتے تھے اور اب ہم یہ کرتے ہیں کہ مدینے میں جو بیمار ہو جاتا ہے اسے دھو کر پلاتے ہیں۔اس سے شِفا ہو جاتی ہے۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بدن شریف سے مس کیے ہوئے جُبہ کو شِفا کا وسیلہ سمجھ کر اس کو دھو کر پیتے تھے۔

(9) نسائی شریف میں ہے کہ یہود کی ایک جماعت حضور خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے شہر میں ہمارا عبادت خانہ ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسے توڑ کر مسجد بنائیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے پانی منگوا کر وضو کیا اور کلی کی اور یہ تمام پانی اور کلی وضو کے ایک برتن میں ڈال دیا اور ہمیں عنایت فرمادیا اور حکم دیا "جاؤ اپنے عبادت خانہ میں اس پانی کو چھڑک دو اور وہاں مسجد بنالو۔"

معلوم ہوا کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کا غسالہ باطنی گندگی دُور کرنے کا وسیلہ ہے۔

(10) ابن بزارؓ نے "معرفتہ الاصحاب" میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت فرمائی کہ مجھے نبی خاتم النبیین ﷺ نے ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا، وہ اسی دن کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔اس کپڑے کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔حضور خاتم النبیین ﷺ کے یہ بال اور ناخن لو اور انھیں میرے منہ اور آنکھوں اور سجدوں کی جگہوں پر رکھ دینا"۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے تبرکات کو راحت قبر کا وسیلہ سمجھتے تھے اور ان کو اپنی قبروں میں ساتھ لے کر جاتے تھے۔

(11) ابونعیم نے "معرفتہ الصحابہ" میں، امداد سلیمی نے "مسند الفردوس" میں روایت فرمایا ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰؓ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کو اپنی قمیض کا کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں لیٹ کر آرام فرمایا۔وجہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا:"ہم نے اپنی چچی صاحبہ کو اپنی قمیض اسلیئے پہنائی تا کہ ان کو جنت کا لباس پہنایا جائے اور ان کی قبر میں آرام اس لیے فرمایا تا کہ ان کو تنگیِ قبر سے امن ملے"

معلوم ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا لباس جنتی جوڑے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور جس جگہ آپ خاتم النبیین ﷺ کا قدم پاک پڑ جائے وہاں آفات سے امن ہو جاتا ہے۔

(12) مسلم شریف میں ہے۔لوگ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے دست مبارک کی برکت کو بیماریوں کی شفا کا وسیلہ سمجھتے تھے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ بھی ان کو منع نہ فرماتے تھے بلکہ اپنا ہاتھ شریف پانی میں ڈال دیتے تھے۔

(13) مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا۔کہ وہ جہاد کریں گے۔پس کہیں گے کیا تم میں کوئی صحابی رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ بھی ہے۔جواب ملے گا ہاں، اس صحابیؓ کے وسیلہ سے انہیں فتح نصیب ہو گی۔" (بخاری شریف، حدیث نمبر ۳۶۴۹، باب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے صحابیوں کی فضیلت کا بیان)

معلوم ہوا کہ اللہ کے پیاروں کے وسیلہ سے جہاد میں فتح نصیب ہوتی ہے اور ان کا وسیلہ پکڑنے کا حکم ہے۔اس حدیث میں تابعین، تبع تابعین کے وسیلہ کا ذکر بھی ہے یعنی اولیاء اللہ کے طفیل فتح و نصرت حاصل ہو گی۔

(14) بخاری شریف میں ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تم کو نہیں ملتی فتح اور نہیں رزق ملتا مگر ضعیف مومنوں کی برکت سے اور وسیلہ سے"

معلوم ہوا کہ ضعیف اور فقراء کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے، رزق ملتا ہے فتح نصیب ہوتی ہے۔

(15) نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "میری سفارش، شفاعت میری امت کے گنہگاروں کے لیے ہے۔" (جامع ترمذی، جلد دوم، حدیث نمبر ۲۴۳۵) (سنن ابنِ ماجہ، جلد پنجم، حدیث نمبر ۴۳۱۰) لیکن "درجات بلند کرنے کی شفاعت ہر متقی اور ولی کے لیے ہے۔" (مشکوۃ باب الشفاعت)

معلوم ہوا کہ ہر قسم کا مومن حضور خاتم النبیین ﷺ کے وسیلہ کا حاجت مند ہے۔بہت سے بے عمل لوگ بھی حضور خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت سے جنتی ہو جائیں گے اور کوئی ولی بھی حضور خاتم النبیین ﷺ سے بے نیاز نہیں ہو گا۔

(16) سنن ابنِ ماجہ، جلد پنجم میں ہے کہ "نبی کریم خاتم النبیین ﷺ قیامت کے دن تین گروہ کی شفاعت کریں گے، انبیاء، علماء پھر شہداء۔"

معلوم ہوا کہ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کے طفیل علماء اور شہداء عام مسلمانوں کے لیے وسیلہ نجات ہیں۔

(17) ترمذی، دارمی، ابن ماجہ میں ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا!

"میرے ایک اُمتی کی شفاعت سے بنی تمیم قبیلہ سے زیادہ آدمی جنت میں جائیں گے۔" (سنن ابنِ ماجہ، جلد پنجم، حدیث نمبر ۴۳۱۶، باب شفاعت کا بیان)

بعض علماء نے فرمایا وہ عثمان غنیؓ ہیں۔بعض نے فرمایا کہ وہ شخص اویس قرنیؒ ہیں۔بعض نے کہا کہ کوئی اور بزرگ ہیں۔معلوم ہوا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے اُمتی بھی وسیلہ نجات ہیں۔

(18) شرح صحاح ستہ میں ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے۔ایک اونٹ نے جو کہ کھیت میں کام کر رہا تھا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا اور اپنا منہ زانوئے پاک پر رکھ کر فریاد کی۔سرکارِ دو عالم خاتم النبیین ﷺ نے اس کے مالک کو فرمایا یہ اونٹ شکایت کرتا ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور چارہ کم دیتے ہو۔اسکے ساتھ بھلائی کرو"۔

معلوم ہوا کہ بے عقل جانور بھی حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کو رفع حاجات کے لیے وسیلہ جانتے تھے اور جو انسان ہو کر ان کے وسیلہ کا منکر ہو وہ اونٹ سے زیادہ بے عقل ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے طفیل سے ابولہب کے عذاب میں کچھ تخفیف ہوئی کیونکہ اس کی لونڈی حضرت ثوبیہؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔(بخاری شریف، کتاب الرضاع)

معلوم ہوا کہ نبی خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ ایسی نعمت ہے جسکا فائدہ ابولہب جیسے مردود نے بھی کچھ پایا۔پھر مسلمان تو ان کا بندہ بے دام ہے۔

(19) بخاری شریف "کتاب المساجد" میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ حج کو جاتے ہوئے ہر اُس جگہ نماز پڑھتے تھے جہاں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اپنے حج کے موقع پر نماز پڑھی تھی۔یہ مقامات بخاری شریف میں بتائے بھی گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جس جگہ بزرگ عبادت کرتے ہیں وہ جگہ قبولیت کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

شفاعت

سفارشی کو شفیع کہتے ہیں۔ **شفاعت کے معنی ہیں** کسی کم درجہ والے کی مدد کے لیے یا اُس کے گناہوں کی معافی کے لیے کسی حاکم یا اقتدارِ اعلیٰ کے پاس سفارش کے لیے جانا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو قیامت کے ہولناک دن میں بڑی عزت عطا فرمائی ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ گناہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ اُس ہیبت ناک دن میں انبیاء علیہ السلام اور مرسلین کرام پریشان ہوں گے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت قبول ہوگی۔ بعض افراد مسئلہ شفاعت کا انکار کرتے ہیں، خدا اُنہیں توفیق عطا فرمائے۔

سفارشی کا حکم:

کسی مال دار، صاحب اقتدار یا بادشاہ کے ہاں کسی حاجت مند کی سفارش کرنا کوئی بُرا کام نہیں ہے بلکہ نیک کام کے لیے کوشش اور سفارش بذاتِ خود ایک نیکی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا ۝ (سورۃ النّساء آیت نمبر ۸۵)

ترجمہ: "جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے تو اُس کے ثواب میں سے اُس کو حصہ ملے گا اور جو بُری بات کی سفارش کرے تو اُس کے عذاب میں سے اُس کو حصہ ملے گا اور اللہ ہر چیز کا نگران ہے۔"

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت ثابت ہے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے میری امّت میں سے۔" (سنن ابنِ ماجہ، حدیث نمبر ۴۳۱۰) (جامع ترمذی، جلد دوم، حدیث نمبر ۲۴۳۵)

حدیث مبارکہ:

(متفق علیہ) حدیث ہے کہ حضرت انسؓ راوی ہیں، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" قیامت کے دن روکے جائیں گے مسلمان۔ یہاں تک کہ روکے جانے کی وجہ سے فکر مند ہوں گے اور کہیں گے! کاش ہم طلب کرتے کسی کو کہ وہ ہماری شفاعت کرتا ہمارے پروردگار سے اور راحت دیتا ہم کو اس غم ومصیبت سے پس مسلمان حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنے یَد قدرت (دستِ قدرت) سے پیدا فرمایا اور آپ علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرایا اور فرشتوں سے آپ علیہ السلام کو سجدہ کروایا۔ اور ہر چیز کے نام آپ علیہ السلام کو سکھائے۔ آپ علیہ السلام ہماری سفارش کریں تاکہ پروردگار ہمیں تکلیف سے نجات بخشے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے مَیں اس لائق نہیں ہوں اور اپنی خطا یاد فرمائیں گے جو درخت کا پھل کھانے کی وجہ سے ہوئی تھی اور کہیں گے کہ تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اوّل نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ پس وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں اور اپنی وہ خطا یاد فرمائیں گے جو آپ علیہ السلام نے رب سے نادانستہ طور پر (لڑکے کے بارے میں سوال کرکے) کی تھی اور کہیں گے۔ تم اس کام کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس لوگ حاضر ہوں گے تو آپ علیہ السلام بھی فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے تورات دی اُن کو قرب دیا اور کلام فرمایا۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے لیکن وہ بھی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں اور اپنی اُس خطا کو جو قبطی کے قتل کی وجہ سے ہوئی تھی یاد کرکے فرمائیں گے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ جو اللہ کے بندے، اللہ کے رسول، روح اللہ، کلمۃ اللہ ہیں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا! لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے کہ میں اس مرتبے کا اہل نہیں ہوں، تم محمد خاتم النبیین ﷺ کے پاس جاؤ۔ پس لوگ میرے پاس آئیں گے۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور جو اُس کا مقام ہے حاضر ہونے کا اِذن طلب کروں گا۔ مجھے اِذن دیا جائے گا۔ جب میں دیدارِ الٰہی کروں گا اُور اس کے حضور سجدہ کروں گا۔ پس جب تک اللہ چاہے گا میں سجدہ میں پڑا رہوں گا۔ پھر حکم خداوندی ہوگا "اے محمد خاتم النبیین ﷺ سر اوپر اُٹھایئے۔ جو کہو گے سُنا جائے گا، شفاعت کرو، شفاعت قبول کی جائے گی"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا میں اپنا سر اوپر اُٹھاؤں گا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پس بغیر حساب کتاب والے لوگوں کو جنت میں داخلے کی اجازت ہو جائے گی۔" پھر دوبارہ میں آکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کا اِذن

چاہوں گا۔ مجھے اِذن دیا جائے گا اور جب میں اپنے پروردگار کو دیکھوں گا تو سجدے میں گر جاؤں گا اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا۔ پھر ارشاد ہوگا کہ "اے محمد خاتم النبیین ﷺ سر اُٹھاؤ اور کہو، سُنا جائے گا، شفاعت کرو، شفاعت قبول کی جائے گی"۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "میں اپنا سر اُٹھاؤں گا اور اپنے رب کی ثنا جو مجھے سکھائی گئی ہے کروں گا۔ میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی۔ پُل صراط پر لوگوں کو جہنم میں گرنے سے بچایا جائے گا"۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۴۸۲) "پھر تیسری بار مَیں آ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کا اِذن چاہوں گا۔ مجھے اِذن دیا جائے گا اور جب میں اپنے پروردگار کو دیکھوں گا تو سجدے میں گر جاؤں گا اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا پھر ارشاد ہوگا کہ "اے محمد خاتم النبیین ﷺ سر اُٹھاؤ اور کہو، سُنا جائے گا، سوال کرو، پورا کیا جائے گا، شفاعت کرو، شفاعت قبول کی جائے گی" پھر میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی۔ مَیں لوگوں کو دوزخ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۔ یہاں تک کہ دوزخ میں کوئی نہ رہے گا مگر وہ شخص کہ روکا ہے قرآن نے یعنی مشرکین، کفار اور وہ کہ واجب ہوگئی دوزخ اُس پر" یعنی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اُسے تیسری شفاعت پر دوزخ سے نکال دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر نبی کی ایک دُعا خصوصی طور پر قبول ہوتی ہے، چنانچہ ہر پیغمبر نے اس دُعا میں جلدی کر لی ہے مگر مَیں نے قیامت کے روز اپنی اُمت کی شفاعت کے لیے اِس دُعا کو بچا کر رکھا ہے۔ میری اُمت میں سے جو شخص غیر مشرک مرے گا، اللہ نے چاہا تو میری اس دُعا کا فائدہ اُس کو پہنچے گا۔" (بخاری شریف، حدیث نمبر ۶۳۰۴)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہی وہ مقام ہے جس کا اللہ نے تمہارے نبی خاتم النبیین ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے پھر کچھ عبادات بھی سفارشی بنیں گی، جیسے قرآن، نماز، دُرود شریف، ذکر و اذکار وغیرہ" حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک بھی اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ چنانچہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہو، اس لیے کہ قیامت کے روز یہ بھی اُس کی سفارش کرے گا جو اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

سفارشات سے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سفارشات تب ہی مفید ہوں گی جب سفارش کرنے والے کو باری تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوگی۔ اس لیے دُعا کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل اعمال کی بھی شدت سے پابندی کرنی چاہیے جن کے سبب شفاعت نصیب ہوگی:

(1) خلوص دل سے ایمان کامل رکھنا

حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا آپ خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے "**لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہ**" خلوص دل سے کہا ہو (بخاری شریف، حدیث نمبر 99)

(2) نمازوں کی پابندی اور نوافل کی کثرت

ایک صحابیؓ نے عرض کیا" حضور خاتم النبیین ﷺ میں جنت میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سجدہ کی کثرت سے تم میری مدد کرو" (تمہیں میری رفاقت نصیب ہو جائے گی)۔ (صحیح مسلم، جلد دوئم، حدیث نمبر ۱۰۹۴)

(3) دُرود شریف کی کثرت اور آذان کے بعد دُعائے وسیلہ

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جو شخص میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگے گا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی" (مسلم، ج2، حدیث نمبر 849)

(4) کثرت ذکر

فرمان الٰہی ہے:

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۵۲)

ترجمہ: "میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو۔"

حضور خاتم النبیین ﷺ کو قیامت کے دن متعدد قسم کی سفارشات کا حق حاصل ہوگا۔ شفاعت عظمیٰ جو آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے وہ ہوگی، جس میں آپ خاتم النبیین ﷺ لوگوں کو میدانِ حشر میں کھڑے ہونے کی تکلیف سے بچائیں گے اور پہلی مرتبہ وہ لوگ جنت میں داخل ہونگے جن پر کوئی حساب کتاب نہیں

ہوگا۔

صحیحین میں ہے:

(1)''میرے متعدد نام ہیں۔ مَیں محمد ہوں، مَیں احمد ہوں، مَیں کفر اور شرک کو مٹانے والا ہوں، مَیں مخلوق کو حشر دینے والا ہوں، میرے قدموں کے نیچے حشر ہوگا''(متفق علیہ)

(2) جامع صغیر میں ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "قیامت کے دن میری شفاعت حق ہے جو اس پر یقین نہ لایا اہلِ شفاعت میں سے نہ ہوگا"

(3) رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''میرے خدا نے مجھے اُمّت کو جنت میں داخل کرنے کا اختیار دیا ہے بغیر حساب و کتاب کے اور میں نے اختیار کیا شفاعت کو ہر مسلمان کے واسطے"۔

(4) نقل کیا بزار و طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے مسند صحیح کے ساتھ کہ فرمایا رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے'' مَیں اپنی اُمّت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب پُکارے گا اے محمدؐ تو راضی ہوا۔ مَیں عرض کروں گا اے رب مَیں راضی ہُوا" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا مَیں نے دیکھا کہ میرے بعد میری اُمّت بُرے اعمال کرے گی پس مَیں نے اُن کے لیے اپنی شفاعت کو اختیار کیا"۔

الغرض مسئلہ شفاعت نبویہ حق اور صحیح ہے۔ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کہہ کر پکارنا، وسیلہ طلب کرنا اور شفاعت کی تعلیم خود حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے دی ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان بن حنیفؓ فرماتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک نابینا صحابیؓ کو دُعا کی تعلیم فرمائی کہ بعد نماز کے دُعا کرے:-

اَللّٰھُمَّ اِنّی اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّھُ اِلَیکَ بِمُحَمَّدٍ نبی الرحمت یا محمد انی قد تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لی اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد خاتم النبیین ﷺ کے جو نبی رحمت ہیں۔ یا محمد آپ خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اِس حاجت میں متوجہ ہوں کہ میری حاجت روا ہو۔ یا الٰہی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرمانا۔

(قال ابو اسحاق ھذا حدیث صحیح)(ابن ماجہ، نسائی ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی)

اس حدیث مبارکہ میں ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین حصے ہیں:

اوّل حصہ میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے وسیلہ مبارک سے سوال کیا گیا ہے۔

دوئم حصہ میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو یا محمد خاتم النبیین ﷺ کہہ کر پکارا گیا ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کو کہا گیا ہے کہ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، آپ خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاجت پیش کی ہے۔ تاکہ پوری ہو آپ خاتم النبیین ﷺ بھی از راہِ کرم ذرا سفارش فرما دیں۔

سوئم حصہ میں پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کیا گیا ہے کہ اے اللہ میری اس حاجت میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سفارش قبول کرنا۔

حضرت عثمان بن حنیفؓ فرماتے ہیں کہ جب اُس نابینا صحابیؓ نے نماز پڑھ کر یہ دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی آنکھیں ٹھیک کر دیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کبھی اندھا تھا ہی نہیں۔ اب اس بات کو یاد رکھنا کہ یہ وہ دعا ہے جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے خود صحابیؓ کو تعلیم فرمائی۔

صاحب حصن حصینؒ نے نابینا صحابیؓ والی دُعا کے متعلق یہ فرمایا کہ جب کسی شخص کو خاص ضرورت پیش آئے تو وضو کرے اور دو رکعت نماز نفل پڑھے پھر اِس دُعا کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے حاجت طلب کرے اللہ تعالیٰ دُعا قبول فرمائیں گے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے خدام بھی سفارش فرمائیں گے:

(1) ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شفاعت سے 70000 آدمی بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔

(2) ابوبکر شافعی فصل کی کتاب "حدیث غرر" سے حدیث نقل فرمائی ہے کہ قیامت کے دن ندا کی جائے گی کہ کہاں ہیں اصحاب محمد خاتم النبیین ﷺ؟ پس خلفاء رضوان اللہ علیہ اجمعین لائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے فرمائے گا تم جسے چاہو جنت میں داخل کر دو اور جسے چاہے چھوڑ دو۔ (حدیث غرر)

(3) حضرت سیدنا غوث اعظم اور دوسرے اولیاء کرامؒ بھی اُس دن اپنے نام لینے والوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

****

آیت وسیلہ وشفاعت

سورۃ النساء، آیت نمبر 64 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

آیت:۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۞

ترجمہ:۔ ''اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر (بیٹھیں) بیٹھے تھے تو (اے محبوب) تمارے پاس حاضر ہوجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پاتے''۔

اس آیت مبارکہ میں کئی اہم سبق موجود ہیں۔

(۱) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے شفیع اور سفارشی ہیں اور ان کی شفاعت اور سفارش کے بغیر بات نہیں بنتی۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ اپنے گناہوں کو معاف کروانا چاہتے ہو تو نبی خاتم النبیین ﷺ کے پاس آؤ اور اللہ سے توبہ کرو اور اگر نبی خاتم النبیین ﷺ بھی تمہاری سفارش کریں گے تب اللہ توبہ قبول فرمائے گا اور تمارے گناہ معاف ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ گناہوں کی بخشش اور اللہ تعالیٰ کی رحمت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سفارش اور شفاعت کے بغیر نہیں مل سکتی۔ جب کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سفارش اور شفاعت سے گناہ گاروں کی مشکلیں آسان ہوجائیں گی اور ان کے بیڑے پار ہوجائیں گے۔

بعض لوگ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت کا انکار کرتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ "فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ" "وَّلَا شَفَاعَةٌ ۞ (سورۃ البقرہ آیت 254)

ترجمہ:۔ ''قیامت کے دن نہ خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی نہ شفاعت اور نہ سفارش''۔

لہٰذا ثابت ہوا ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت بھی کام نہیں آئے گی۔ (معاذ اللہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی آیات جن میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد کفار کی شفاعت، بتوں کی شفاعت اور جبراً شفاعت مراد ہے۔ کہ اس قسم کی شفاعت وہاں کام نہ آئے گی جب کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے پیارے اولیاء اکرامؒ کی شفاعت ضرور کام آئے گی۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے پیارے اولیاء کرامؒ کی شفاعت ضرور ہوگی اور گناہ گاروں کے کام آئے گی۔ چنانچہ قرآن پاک میں سورۃ طٰہٰ آیت 109 میں فرمایا گیا:۔

لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۞

ترجمہ:۔ ''شفاعت نفع نہ دے گی مگر ان کی جن کے لئے رب نے اجازت دی اور اس کے کلام سے رب راضی ہوا''۔

وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کریں گے اب دیکھیے مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ گناہ گاروں کو حکم دے رہا ہے کہ میرے محبوب کی سفارش لے کر آؤ۔ اگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت قابل قبول نہ ہوتی تو ان کی شفاعت کروانے اور سفارش لانے کا حکم اللہ تعالیٰ ہمیں کیوں دیتا؟ معلوم ہوا کہ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی شفاعت برحق ہے اور جو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت کے قائل نہیں وہ مندرجہ بالا آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہیں۔

دنیا کا دستور یہ ہے کہ آدمی جس کی خطا کرے معافی کے لئے اس کے در پر لایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ عجیب ہے۔ ہم نے اللہ کی نافرمانی کی۔ نماز اس کی نہیں پڑھی، روزہ اس کا نہیں رکھا، حج اس کا نہیں کیا۔ لیکن معافی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ میرے پاس آؤ۔ بلکہ فرمایا ''میرے محبوب کے پاس جاؤ''۔

درحقیقت اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایک تو یہ واضع کرنا مقصود ہے کہ میرا اور میرے محبوب کا معاملہ الگ الگ نہیں ہے۔ ان کی بیعت میری بیعت ہے۔ (سورۃ فتح آیت نمبر 10) ان کا پھینکنا میرا پھینکنا ہے۔ (سورہ انفال آیت نمبر 7) ان کی رضا میری رضا ہے۔ ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔ (سورۃ فتح آیت نمبر 10) لہٰذا ان کا در میرا در ہے جو یہاں آ گیا وہ میرے پاس آ گیا۔

بعض لوگ حضور خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ پکڑنے اور حضور خاتم النبیین ﷺ سے توسل کرنے کو شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ شرک ہوتا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ پکڑنے کے لئے کیوں بھیجتا۔ جبکہ دوسری آیت میں اور واضح طریقے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا ہے چنانچہ سورۃ المائدہ آیت 35 میں ارشاد ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۞

ترجمہ:۔ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اس آیت میں ایمان اور اعمال کا پہلے ذکر آ گیا ہے وسیلہ سے ایمان اور اعمال تو مراد ہو نہیں سکتے۔ بلکہ یقیناً اس سے مراد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ خود ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا تو ان کی توبہ قبول ہوگئی (طبرانی 82/20۔ مستدرک 615/2۔ ابن عساکر 257/2۔ زرقانی ص 62۔ مواہب الدنیہ ص 12۔ خصائص کبریٰ ص 17)۔

قرآن پاک میں سورۃ البقرہ آیت 89 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۞

ترجمہ:۔ ''اور اس سے پہلے وہ اس نبیؐ کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے''۔

کہ یہودی حضور خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری سے قبل حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر کے دعا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کافروں پر ان کو فتح عطا فرما دیا کرتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب قحط پڑا تو انہوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ سے توسل کیا اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ پیش کرتے ہوئے کہا ''اے اللہ ہم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتے تھے تو، تو بارشیں برسا دیا کرتا تھا۔ آج ہم تیرے نبیؐ کے چچا حضرت عباسؓ کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتے ہیں ہمیں بارشیں عطا کر دے اور قحط سالی دور فرما دے''۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی اس وسیلے کو قبول فرمایا اور بارش برسنا شروع ہوگئی (بخاری)۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے تین روز کے بعد ایک اعرابی آیا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی قبر انور پر فرط غم سے نڈھال ہو کر گر گیا اور مندرجہ بالا آیت کریمہ تلاوت کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔

تو قبر انور سے آواز آئی کہ ''جا تجھے بخش دیا گیا''۔ (قرطبی)

معلوم ہوا کہ وصال کے بعد بھی آپ خاتم النبیین ﷺ امت کی فریاد کو سنتے ہیں دیکھتے ہیں، اور ان کی مشکلیں آسان فرماتے ہیں۔

****

علم غیب

غیب کیا ہے؟ غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ، ناک، کان وغیرہ یعنی حواس خمسہ سے معلوم کر سکے اور نہ بلا دلیل وعقل سمجھا جا سکے۔

غیب دو طرح کا ہوتا ہے۔ (1) ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے (2) جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کیا جا سکے

پہلے غیب کی مثال: جن ملائکہ، جنت، دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن پاک کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔

دوسرے غیب کی مثال: جیسے قیامت کا علم کہ کب آئے گی؟ انسان کب مرے گا؟ عورت کے پیٹ میں کیا ہے؟ نیک بخت یا بد بخت؟۔ اِن کو دلائل سے بھی نہیں معلوم کر سکتے۔ اس غیب کو مفاتح الغیب کہتے ہیں۔۔۔۔۔ اسی طرح جو چیزیں فی الحال موجود نہیں یا بہت دُور ہیں یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظروں میں نہ آسکیں وہ بھی غیب ہے۔ بذریعہ آلات چھپی ہوئی چیزیں معلوم کی جائیں تو وہ غیب نہیں مثلاً کسی آلہ کے ذریعے عورت کے پیٹ کا بچہ معلوم کرنا، یا ٹیلی فون یا ریڈیو سے دوسرے کی آواز سُن لینا۔ آلہ سے جب پیٹ کے بچے کا حال معلوم ہو تو اب غیب کہاں رہا۔ علم غیب کو جاننے کی تین صورتیں ہیں اور ان کے الگ الگ احکامات ہیں۔

قسم اول: (1) اللہ تعالیٰ عالم بذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔ (2) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اور دیگر انبیاء کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا ہے۔ (3) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔

قسم دوئم: اولیاء اللہ کو بھی بالواسطہ انبیاء کرام کچھ علوم غیبیہ ملتے ہیں۔

قسم سوئم: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو قیامت کا بھی علم تھا، تمام گزشتہ اور آئندہ کے واقعات، لوحِ محفوظ کا علم، حقیقتِ روح، قرآن پاک کے سارے متشابہات اور اس سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

علم غیب کے ثبوت میں قرآنی آیات: (1) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰۗىِٕكَةِ

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔" (سورہ البقرہ، آیت نمبر ۳۱)

تفسیر روح البیان میں اِس آیت کے ماتحت ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو چیزوں کے نام اور جو کچھ ان میں دینی اور دنیاوی نفع ونقصان ہے وہ بتائے اور اُن کو فرشتوں کے نام، حیوانات اور جمادیات کے نام بتائے اور ہر چیز کا نام بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام، پرندوں اور درختوں کے نام، کھانے پینے کی چیزوں کے نام، جنت کی ہر نعمت کے نام، غرض یہ کہ ہر چیز کے نام بتا دیئے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں۔ (جن کو اولادِ آدم آج تک بول رہی ہے، یعنی عربی، فارسی، عبرانی وغیرہ)

(2) وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ ترجمہ: "اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہیں۔" (سورہ البقرہ، آیت نمبر ۱۴۳)

تفسیر عزیزی میں اس آیت کے ماتحت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اپنے نور نبوت کی وجہ سے ہر دین دار کے دین کو جانتے ہیں کہ اُس کا دین کس درجے کا ہے؟ اُس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور یہ بھی کہ کونسا حجاب اُس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

علم غیب کے ثبوت میں احادیث: (1) مشکوٰۃ باب المعجزات میں مسلم سے بروایت عمر بن خطاب ؓ اِس طرح روایت کرتے ہیں کہ: "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک جگہ قیام فرمایا پس ہم کو ابتدائے پیدائش کی خبر دے دی، یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی میں۔ ہم کو تمام واقعات کی خبر دی جو کہ قیامت تک ہونے والے ہیں، پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ حافظ ہے"

(2) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے بروایت ثوبان ؓ ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی پس میں نے زمین کے مشرق اور مغرب کو دیکھ لیا"

(3) مسند امام احمد بن حنبل ؒ سے روایت ہے کہ ابوذر غفاری ؓ نے فرمایا: "ہم کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس حال میں چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر نہیں ہلاتا مگر اس کا علم آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں دے دیا"

(4) مشکوٰۃ باب فتن حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے: "نہیں چھوڑا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے کسی فتنہ چلانے والے کو، دنیا کے ختم ہونے تک، جن کی

تعداد تین سو سے زائد ہے، مگر ہم کو اِس کا نام اِس کے باپ کا نام، اور اِس کے قبیلے کا نام تک بتادیا"۔

(5) مشکوٰۃ باب ذکرانبیاء میں بخاریؒ سے بروایت حضرت ابوہریرہؓ ہے:-"حضرت داؤدعلیہ السلام پر زبور کو اِس قدر آسان بنادیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو زین لگانے کا حکم دیتے تو حضرت داؤدعلیہ السلام اُن گھوڑوں کو زین لگانے سے پہلے زبور پڑھ لیا کرتے تھے"

یہ حدیث اس جگہ اس لیے بیان کی گئی ہے کہ حضرت داؤدعلیہ السلام آن کی آن میں اگر زبور پاک کو پڑھ لیا کرتے تھے تو یہ اُن کا معجزہ تھا۔ اِسی طرح حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے ایک ہی وعظ میں ازل سے ابدتک کے واقعات بیان فرمادیئے تو یہ بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کا معجزہ ہے۔

(6) بخاری شریف باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:"حضور پاک خاتم النبیین ﷺ دو قبروں پر سے گزرے جن میں عذاب ہورہا تھا تو فرمایا کہ ان دونوں کو عذابِ قبر ہورہا ہے۔ اِن میں سے ایک تو پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔ پھر ایک تر شاخ لے کر اِس کو آدھا آدھا چیرا اور دونوں قبروں پر ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں کے عذاب میں کمی کی جائے گی"(صحیح بخاری جلد اول صفحہ 35)

(7) بخاری شریف، کتاب الاعتصام تفسیر خازن میں ہے:"حضور پاک خاتم النبیین ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اِس میں بڑے بڑے واقعات ہیں۔ پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے، قسم اللہ کی جب تک میں اس جگہ (یعنی منبر شریف پر) ہوں تو کوئی بات مجھ سے نہ پوچھی جائے گی کہ میں تمہیں اُس کی خبر دوں گا"ایک شخص نے اُٹھ کر عرض کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے،؟؟ فرمایا! جہنم میں۔ حضرت ابن حذیفہؓ نے دریافت کیا میرا باپ کون ہے؟؟ فرمایا! حذیفہؓ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو، پوچھو؟؟؟ قربان اُن نگاہوں پر جو اندھیرے اُجالے، دنیا اور آخرت سب کچھ دیکھتی ہیں۔

(8) مشکوٰۃ باب مناقب علیؓ میں ہے:- "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا اُس کو دیں گے جس کے ہاتھ پر اللہ فتح فرمائے گا اور وہ اللہ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ دوسرے دن آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ جھنڈا حضرت علیؓ کو دیا اور خیبر فتح ہوا"

(9) مسلم جلد دوئم باب غزوہ بدر میں حضرت اُنسؓ سے روایت ہے:"بدر کے میدان میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے، کل یہاں فلاں شخص ہلاک ہوگا اور یہاں فلاں اور اپنا دست مبارک اِدھر اُدھر زمین پر رکھتے رہے"۔ راوی نے فرمایا مقتولین میں سے کوئی بھی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بتائی ہوئی جگہ میں سے ذرا بھی نہیں ہٹا یعنی جہاں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا وہیں وہ شخص ہلاک ہوا۔

(10) مشکوٰۃ باب فتن فصل اول میں، مسلم سے بروایت ابن مسعودؓ ہے:"ہم ان کے (دجال سے جہاد کی تیاری کرنے والوں کے) نام، اُن کے باپ دادوں کے نام، اُن کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں۔ وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں"

علم غیب کے عقلی دلائل:

(1) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سلطنت الٰہی کے وزیرِ اعظم بلکہ خلیفہ اعظم ہیں حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ اللہ بنایا گیا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اِس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں نائب رب العلمین ہیں۔ سلطنت کے مقرر کردہ حاکم میں دو صفات لازم ہیں۔ **(1) علم (2) اختیارات**

1۔ اس دنیا کی سلطنت کو دیکھیئے جس کا جس قدر بڑا درجہ ہوگا، اُس کا علم یعنی اُس کی معلومات اور اختیارات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ اس طرح انبیاء کرام علیہ السلام میں جس کا جس قدر بڑا درجہ ہو اِس قدر اس کے اختیارات اور علم زیادہ ہیں۔ اب چونکہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سارے عالم کے نبی اور تمام عرش اور فرش والے اُن کے اُمتی ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو تمام انبیا سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دیئے جائیں۔ اس لیے بہت سے معجزات دِکھائے گئے۔ چاند اشارے سے ٹکڑے کیا، ڈُوبا ہوا سورج واپس لوٹایا، بادل کو حکم دیا پانی برسائے، پھر حکم دیا کھل گیا۔ یہ سب کچھ اُن کے خداداد اختیارات کا اظہار ہی تو تھا۔

2۔ چند سال کامل انسان کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ولادت سے قبل کروڑوں برس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اُن کی عمر دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا"یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ میری عمر کتنی ہے۔ لیکن ایک ستارہ ستر ہزار سال کے بعد چمکتا ہے اور میں اُسے بہتر ہزار بار چمکتے ہوئے دیکھ چکا ہوں"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اے جبرائیل "وہ ستارہ میں ہی تو ہوں"۔ اَب حساب لگائیں کہ کتنے کروڑ برس بارگاہِ الٰہی کی صحبت میں رہے۔

3۔ اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی رہے تو اُس کی **چار** ہی وجوہات ہوسکتی ہیں۔

(1) ایک تو یہ کہ شاگرد نا اہل تھا استاد سے پورا فیض نہ لے سکا۔ (2) دوسرے یہ کہ استاد کامل نہ تھا، مکمل سکھا نہ سکا۔
(3) اُستاد بخیل تھا، پورا علم شاگرد کو نہ دیا، یا اُس سے کوئی پیارا شاگرد تھا جس کو سکھانا چاہتا تھا۔ (4) چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی گئی وہ ناقص تھی۔

اِن چار وجوہات کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی، اب یہاں دیکھیے:-

(1) سیکھانے والا پروردگار۔ (2) سیکھنے والا محبوب الٰہی۔ (3) کیا سکھایا؟؟ (4) قرآن اور اپنے علوم خاص۔

اب بتائیں کہ آیا (1) رب تعالیٰ کامل استاد نہیں؟؟ (2) یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ لائق شاگرد نہیں؟؟
(3) یا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے زیادہ کوئی اور پیارا شاگرد ہے؟؟ (4) یا قرآن پاک مکمل کتاب نہیں؟؟

جب رَبّ تعالیٰ کامل عطا فرمانے والے، محبوب الٰہی خاتم النبیین ﷺ کامل لینے والے، محبوب الٰہی خاتم النبیین ﷺ سب سے زیادہ محبوب (اگر آپ خاتم النبیین ﷺ نہ ہوتے تو دنیا وجود ہی نہ پکڑتی) اور قرآن پاک مکمل ہدایت نامہ۔۔۔ پھر علم کیوں ناقص رہتا؟

(2) شیطان دنیا کو گمراہ کرنے والا ہے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ دنیا کے ہادی --- گویا شیطان بیماری ہے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ طبیب مطلق۔ رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لیے اتنا وسیع علم دیا ہے کہ دنیا کا کوئی شخص اُس کی نگاہ سے غائب نہیں ہے۔ پھر اُسے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہوسکتا ہے اور کون نہیں۔ اور یہ بھی کہ جو گمراہ ہوسکتا ہے وہ کس حیلہ سے گمراہ ہوگا۔ اس لیے وہ دین کے ہر مسئلہ سے خبردار ہے۔ اس لیے ہر نیکی سے روکتا ہے اور ہر برائی کرواتا ہے۔

جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا تو ضروری ہوا کہ ہدایت دینے والے کو اس سے زیادہ علم دیا جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے طبیب مطلق کو اُس سے زیادہ علم دیا تاکہ آپ خاتم النبیین ﷺ ہر شخص کو اُس کے استعداد کو اور اُس کی بیماری کو جانیں۔ ورنہ۔۔۔۔ ورنہ ہدایت مکمل نہ ہوتی۔ رب تعالیٰ پر اعتراض پڑ جاتا کہ اُس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور ہادی کو کمزور اس لیے گمراہی تو کامل رہی اور ہدایت ناقص رہی۔

جن سے کلام اور اُس کا قبول اسلام: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اور مَیں مدینہ کی ایک پہاڑی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ضعیف شخص ہاتھ میں عصا لیے ہوئے وہاں آ نکلا۔ اُسے دیکھتے ہی آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "یہ بنی آدم میں سے نہیں ہے، بوڑھا ہمارے سامنے آیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا! تم کون ہو؟" میں جن ہوں، یا سیّد انس و جاں" اُس نے جواب دیا۔ "تمہاری عمر کتنی ہے؟" اُس نے جواب دیا "جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدے سے انکار کیا تھا تو میں پاس کھڑا تھا اُس وقت میں بچہ تھا۔ اور جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا تو میں دیکھ رہا تھا مَیں نے تمام انبیاء کرام علیہ السلام کی زیارت کی ہے۔ میری تمنا تھی کہ اللہ مجھے اتنی عمر دے کہ میں صاحب قرآن کی زیارت کرسکوں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ سکوں"۔ مجھ سے ملاقات کا اتنا شوق کیوں تھا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا؟" اس لیے یا سیّد الانبیا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ اِمام الانبیا ہیں، محشر کے روز تمام انبیا کرام علیہ السلام کی نگاہیں آپ خاتم النبیین ﷺ پر مرکوز ہوں گی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ سے پہلے تمام انبیاء علیہ السلام آپ خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت کی لوگوں کو بشارت دیتے رہے ہیں۔ مجھے بھی آپ خاتم النبیین ﷺ سید کائنات کی اُمت میں شامل ہونے کی آرزو تھی۔ بالا آخر میں نے وہ شرف پالیا"۔ جن محبت رسول خاتم النبیین ﷺ میں سرشار باتیں کررہا تھا" مَیں نے مشرق اور مغرب کو آپ خاتم النبیین ﷺ کا شیدائی دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے غلاموں کے لیے جنت تیار کررکھی ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے دشمنوں کے لیے جہنم تیار ہے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "مَیں تمہارے بارے میں پہلے سے سب کچھ جانتا ہوں" اُسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور بشارت دی کہ "اِس جن کی توبہ قبول ہوگئی ہی"۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے جن کو قرآن پاک کی ایک سورت یاد کروائی"۔

اَب دیکھیئے آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت علیؓ کو پہلے ہی بتادیا کہ یہ اولادِ آدم میں سے نہیں ہے۔ پھر جن کی تفصیل بتانے کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا! "مَیں تمہارے بارے میں پہلے سے جانتا ہوں"۔

اولیاءاللہ کو غیب کا علم: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے صدقے میں اولیاءاللہ کو بھی غیب کا علم ملا۔ مگر ان حضرات کا علم نبی خاتم النبیین ﷺ کے واسطے سے ہوتا ہے اور نبی خاتم النبیین ﷺ کے علم کے سمندر کا قطرہ۔ امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ غیبی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے۔

(1) حضرت غوث اعظمؒ فرماتے ہیں: "ہم نے اللہ تعالیٰ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا جیسے چندرائی کے دانے ملے ہوئے ہیں"

(2) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ زبدۃ الاسرار میں غوث پاکؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں": اے بہادرو، اے فرزندو، آؤ اس دریا سے کچھ لے لو جس کا کنارہ ہی نہیں۔ قسم ہے اپنے رب کی نیک بخت اور بدبخت لوگ مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں اور ہمارا گوشۂ چشم لوح محفوظ پر رہتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے علم کے سمندر میں غوطے لگا رہا ہوں"۔

حاضر و ناظر

حاضر کے لغوی معنی ہیں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا۔ **ناظر** کے لغوی معنی ہیں دیکھنے والا۔

جس جگہ تک ہماری دسترس ہو، تصرف ہو، وہاں تک ہم حاضر ہوتے ہیں۔ جہاں تک ہماری نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں۔

عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا، ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنی ہتھیلی کی طرح دیکھے اور دُور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور حد یا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت پوری کرے۔ یہ اختیار خواہ روحانی ہو یا اُسی جسم کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہے یا کسی اور جگہ مدفون ہے۔

حاضر و ناظر کے ثبوت میں قرآنی آیات

(1) سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 45 اور 46:- ترجمہ: "اے غیب کی خبریں بتانے والے بے شک ہم نے تم کو بھیجا گواہ حاضر و ناظر اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سُنانے والا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور چمکا دینے والا آفتاب"

شاہد کے معنی گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی۔ گواہ کو شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقع پر حاضر ہوتا ہے۔ اِسی طرح آپ خاتم النبیین ﷺ کا بشیر اور نذیر اور داعی اللہ ہونا ہے۔ سارے پیغمبروں نے یہ کام کئے لیکن سُن کر۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے دیکھ کر اس لیے کہ معراج صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہی کو حاصل ہوئی تھی۔ "سراج منیر" آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہوتا ہے ہر جگہ ہوتا ہے ہر گھر میں موجود۔ آپ خاتم النبیین ﷺ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر ہر کلمہ سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(2) سورۃ البقرہ، آیت نمبر 143 میں ارشاد ہوتا ہے:-

ترجمہ: اور بات یوں ہے کہ "ہم نے تم کو تمام امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہیں"۔

(3) سورۃ النساء، آیت نمبر 41 میں ارشاد ہوتا ہے:-

ترجمہ: "تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے محبوب خاتم النبیین ﷺ) تم کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے"۔

مندرجہ بالا آیات میں ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء علیہ السلام کی اُمتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکامات نہ پہنچائے تھے۔ انبیاء کرام عرض کریں گے ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اور اپنی گواہی کے لیے اُمتِ مصطفی خاتم النبیین ﷺ کو پیش کریں گے۔ ان کی گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا تھا۔ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو۔ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا۔ تب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی گواہی لی جائے گی اور اس پر مقدمہ ختم کر دیا جائے گا۔

اَب دیکھیئے کہ اگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے گزشتہ انبیاء علیہ السلام کی تبلیغ اور آئندہ اُمت کے حالات کو خود چشمِ حق بین سے نہ دیکھا تھا تو آپ خاتم النبیین ﷺ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی جیسے اُمت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی؟ معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی گواہی سُنی ہوئی تھی۔ اس سے آپ خاتم النبیین ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔

(4) سورۃ النساء، آیت نمبر 64 میں ارشاد ہوتا ہے:-

ترجمہ: "اور جب یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو اے محبوب خاتم النبیین ﷺ تمہارے حضور حاضر ہوں اور اللہ سے معافی چاہیں اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ان کی شفاعت فرمائیں تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے"

اِس سے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے پاس موجود ہیں اُن کے وسیلے سے مغفرت مانگو۔

(5) سورۃ انبیاء، آیت نمبر 156 میں ارشاد ہوتا ہے:-

ترجمہ: "اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا-"

یعنی کُل دُنیا کے لیے رحمت، یعنی آنے والی نسلوں کے لیے بھی رحمت، تو اُن کے لیے رحمت تب ہی ہوں گے جب حاضر و ناظر ہوں گے۔

(6) سورۃ الفیل آیت نمبر 1 میں ارشاد ہوتا ہے:"- کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا"

اصحابِ فیل کا واقعہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی پیدائش سے 52 دن پہلے کا ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی خاتم النبیین ﷺ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہاں پر گویا پیدائش سے پہلے دیکھنے کی قوت کی طرف اشارہ (ہو رہا ہے) کیا جا رہا ہے۔

حاضر وناظر کی احادیث

(1) قسطلانی شرح بخاری جلد 3۔ صفحہ 390، کتاب الخبار میں ہے:"- کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمان کے لیے بڑی خوشخبری ہے"

اب ایک وقت میں ہزار ہا مُردے دفن ہوتے ہیں اگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ حاضر وناظر نہیں ہیں تو ہر جگہ جلوہ گری کیسی؟؟

ثابت ہوا کہ حجاب ہماری آنکھوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس حجاب کو اُٹھا دیتے ہیں۔ جیسے کوئی دن کے وقت ایک خیمہ کے اندر بیٹھا ہو تو سورج اُس کی نگاہوں سے غائب ہو گا۔ اب اگر کوئی خیمہ اُوپر سے ہٹا دے تو سورج دیکھا جاسکے گا۔

(2) مشکوٰۃ باب المعجزات میں حضرت اُنسؓ سے روایت ہے:"- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے زیدؓ، جعفرؓ اور ابن رواحہؓ کی موت کی خبر پہلے دے دی تھی "فرمایا" کہ اب جھنڈا زیدؓ نے لے لیا اور وہ شہید ہو گئے یہاں تک کہ جھنڈا اور اللہ کی تلوار خالد بن ولیدؓ نے لے لیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ پر فتح دے دی"

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ **"موتہ"** جو مدینے سے بہت دُور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا تھا اُس کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مدینے سے دیکھ رہے تھے۔

(3) مشکوٰۃ فصل اوّل "باب فتن" میں ہے:"- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں تم بھی دیکھ رہے ہو؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا! نہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنے گرتے دیکھ رہا ہوں"

یہ یزیدی اور حجازی فتنے تھے جو آپ خاتم النبیین ﷺ کے بعد میں ہونے والے تھے اور آپ خاتم النبیین ﷺ اُس وقت اُن کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے طفیل حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے خُدّام کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ علم عطا فرمایا:

حضرت ابو حنیفہ فقہ اکبر اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے جامع کبیر میں حارث ابن نعمانؓ سے روایت کیا ہے:-" ایک بار میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے مجھ سے سوال کیا کہ اے حارثؓ تم نے کس حال میں دین کو پایا؟ مَیں نے عرض کیا سچا "مومن ہو کر" اِس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے"؟ مَیں نے عرض کیا کہ " مَیں گویا عرشِ الٰہی کو ظاہراً دیکھ رہا ہوں اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ میرے سامنے 8 بہشت اور 7 دوزخ ایسے ظاہر ہیں جیسے بندر کے سامنے بت اور میں ہر ایک مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے چکی میں جَو اور گیہوں۔ جنتی کون ہیں اور دوزخی کون ہیں؟ میرے سامنے یہ سب مچھلیوں اور چیونٹیوں کی طرح ہیں۔ چُپ رہوں یا کچھ اور کہوں"؟ "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے میرا منہ پکڑ لیا کہ بس۔۔۔بس۔۔۔۔۔"

اب دیکھیئے جب اُس آفتاب کے ذروں کی نظر کا یہ حال ہے کہ جنت اور دوزخ، عرش اور فرش، جنتی اور دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اُس آفتاب کونین خاتم النبیین ﷺ کی نظر کا کیا پوچھنا؟؟؟

حاضر ناظر کا ثبوت فقہا اور علمائے اُمّت کے اقوال سے:

(1) شفا شریف میں ہے (قاضی عیاض) ''جب گھر میں ایسے داخل ہوں کہ گھر کے اندر کوئی نہیں ہے تو داخل ہوتے وقت کہو **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ** ترجمہ "اے نبی خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔"

(2) اِمام غزالیؒ نے فرمایا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری)" کہ تم لوگ مسجدوں میں داخل ہو تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر سلام عرض کرو کیوں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ مسجدوں میں موجود رہتے ہیں"

دلائل الخیرات کے خطبہ میں ہے: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ سے دُور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے

دُرودوں کا آپ خاتم النبیین ﷺ کے نزدیک کیا حال ہے؟ تو فرمایا کہ "ہم محبت والوں کے دُرودوں کو خود سُنتے ہیں اور اُن کو پہچانتے ہیں اور غیر محبین کا درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔"

"انتباءُالاذکیا فی الحیات الاولیا" میں امام جلال الدین سیوطی صفحہ 7 پر فرماتے ہیں: "اپنی امت کے اعمال پر نگاہ رکھنا، اُن کے لیے گناہوں سے استغفار کرنا، اِن سے دفع بلا کی دُعا کرنا، اطراف زمین میں جانا، اِس میں برکت دینا اور امت میں کوئی صالح آدمی مرجائے تو اُس کے جنازے میں جانا۔ یہ چیزیں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا مشغلہ ہیں"۔ صاحب دل حضرات جاگتے ہوئے انبیاءؑ اور ملائکہ کو دیکھتے ہیں اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔

حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دلائل عقلی سے:

(1) روح البیان اور تفسیر خازن وغیرہ تفاسیر میں پارہ 7 سورۃ انعام "یعنی ملک الموت کے لیے ساری زمین طشت کی طرح کردی گئی ہے کہ جہاں سے چاہیں دیکھ لیں" ملک الموت کو روحیں قبض کرنے میں کوئی دشواری نہیں اگرچہ روحیں زیادہ ہوں اور مختلف جگہوں پر ہوں"۔ تفسیر خازن میں اِسی آیت کے تحت ہے۔"کوئی خیمہ اور دُکان والے نہیں ملک الموت ہر روز ان کے پاس 2 بار جاتے ہیں"۔

(2) مشکواۃ باب الاذان میں ہے:" جب اَذان اور تکبیر ہوتی ہے تو شیطان 36 میل دُور بھاگ جاتا ہے۔ جس وقت اذان اور تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو آموجود ہوتا ہے"۔

قرآن پاک میں ہے: (سورہ الانعام، آیت نمبر ٦٠) وَهُوَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ بِالَّيۡلِ ترجمہ: "وہ رات کو تمہیں موت سے ہمکنار کرتا ہے۔"

روح البیان میں اِس آیت کے تحت ہے یعنی جب انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو روح جسم میں ایک لمحہ سے بھی کم وقت میں لوٹ آتی ہے۔ ہماری آنکھوں کا نور آن کی آن میں آسمانوں پر جا کر زمین پر آجاتا ہے اور ہمارا خیال آن واحد میں تمام عالم کی سیر کر لیتا ہے۔ بجلی، تار، لاؤڈ اسپیکر، ٹیلی فون کا یہ عالم ہے کہ آدھے سیکنڈ میں زمین کے قطر کو طے کر لیتے ہیں۔

(1) حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب آدھے کنویں سے نیچے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ سے چلے اور حضرت یوسف علیہ السلام ابھی کنویں کی تہہ تک نہ پہنچے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مدد کو پہنچ گئے۔

(2) حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نے حلق اسمٰعیل علیہ السلام پر چُھری رکھی۔ ابھی چُھری روا نہ ہوئی تھی کہ جبرائیل علیہ السلام سدرہ المنتہیٰ سے دُنبہ لے کر خلیل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

(3) حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف ابن برخیا نے ایک پلک جھپکنے سے پہلے ملکہ بلقیس کا تخت یمن سے لا کر شام میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا۔

(4) معراج کی رات سارے انبیاء علیہ السلام نے بیت المقدس میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی پھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ بُراق پر تشریف لے گئے اور بُراق کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ حد نظر اُس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ مگر رفتار انبیاء علیہ السلام کا یہ عالم کہ ابھی بیت المقدس میں مقتدی تھے اور ابھی مختلف آسمانوں پر پہنچ گئے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہم نے فلاں آسمان پر فلاں پیغمبر سے ملاقات کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ براق کی رفتار خراماں تھی اور انبیاء کی خدمت گزاری کا وقت تھا۔

مندرجہ بالا تمام واقعات سے معلوم ہوا کہ سارے عالم پر نظر رکھنا، ہر جگہ آنا جانا، ایک وقت میں کئی جگہ پایا جانا، یہ وہ صفات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بھی عطا فرمائیں تھیں۔ اس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں

(1) ایک تو یہ کہ کسی بندے کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا شرک نہیں ہے۔

(2) دوسرے یہ کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے خدام میں ہر جگہ رہنے کی طاقت ہے تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ میں بدرجہ اولیٰ یہ صفت موجود ہے۔

****

ایصال ثواب

مسئلہ ایصال ثواب: ہمارا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے سب اعمال کا ثواب زندہ اور مردہ دونوں کو ایصال کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کی موت ایمان پر ہوئی ہو اب چاہے ان اعمال کا تعلق خالص عبادات یعنی نماز روزہ غیرہ سے ہو یا فقط مالی عبادات یعنی صدقہ، خیرات، کفارات سے ہو یا بدنی اور مالی عبادات دونوں کا مرکب ہو یعنی حج وغیرہ ان تمام چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے۔

1۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ جَآئُوْ مِنْ مبَعْدِھِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ر(سورۃ الحشر، آیت نمبر ۱۰)

ترجمہ: "اور وہ جوان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں"۔"

2۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: رَبَّنَا اغفرلی وَلِوَالِدَیَّ لِلْمُؤ مِنِیْن ویوم یقوم الحساب (سورۃ ابراھیم، آیت نمبر ۴۱)

ترجمہ: "اے ہمارے رب مجھ کو بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا"۔

مندرجہ بالا آیت میں نہ صرف ماں باپ بلکہ تمام مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ خود تعلیم دے رہے ہیں۔

احادیث مبارکہ سے ایصال ثواب کا ثبوت:

حدیث نمبر 1: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع کردیا جاتا ہے مگر 3 اعمال منقطع نہیں ہوتے"۔　1)۔صدقہء جاریہ

2)۔ایسا علم جس کے ساتھ نفع حاصل کیا جائے (یعنی کسی کو سکھا دیا اور وہ اب عمل کررہا ہے تو ثواب مسلسل ہوتا رہے گا)۔

3)۔ایسی صالح اولاد جو اس میت کیلئے دعا کرتی ہے۔　(صحیح مسلم، جلد چہارم، حدیث نمبر ۴۲۲۳)

حدیث نمبر 2 حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

ترجمہ: "ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میری ماں فوت ہوگئی ہے اور انہوں نے کسی قسم کی وصیت نہیں کی اور میرا گمان ہے کہ اگر انہیں کلام کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کرتیں پس کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں؟ تو ان کو ثواب پہنچے گا؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "ہاں پہنچے گا" -(صحیح مسلم، جلد چہارم، حدیث نمبر ۴۲۲۱)　گویا خود آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایصال ثواب کی اجازت فرمائی ہے۔

حدیث نمبر 3: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے درجات کو جنت میں بلند فرماتا ہے تو وہ بندہ عرض کرتا ہے کہ یارب مجھے یہ مقام کیسے ملا؟ تو ارشاد ہوتا ہے کہ تیرے بیٹے نے تیرے لیے مغفرت کی دعا کی ہے"۔(مسند احمد، جلد چہارم، حدیث نمبر ۳۶۳۶)

حدیث نمبر 4: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "میت اپنی قبر میں ڈوبنے والے شخص کی مثل ہوتی ہے جو فریاد کرتا ہے اس وقت میت اپنے والدین یا دوست کی دعا کی منتظر ہوتی ہے۔ جب ان میں سے کسی کی دعا پہنچتی ہے تو اس وقت میت کو ان کی بھیجی ہوئی دُعا دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ معلوم ہوتی ہے اور اللہ پہاڑوں کی مثل ان پر رحمت نازل فرماتا ہے اور بے شک مردوں کیلئے زندوں کا یہ تحفہ ہوتا ہے اور مردے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ مردے کی دعا بھیجنے والوں کے لیے یہ ہوتی ہے: "الٰہی ان لوگوں کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک یہ اپنے گناہوں پر توبہ نہ کرلیں"۔(مشکوۃ المصابیح، جلد دوئم، حدیث نمبر ۲۳۵۵)

حدیث نمبر 5: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے والد فوت ہوگئے ہیں اور مال چھوڑا لیکن وصیت نہیں فرمائی اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا یہ ان کو کفایت کرے گا؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہاں" (مسلم شریف)

حدیث نمبر 6: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں اپنے باپ کے بارے میں سوال کیا کہ وہ فوت ہوگیا ہے اور اس نے حج نہیں کیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "تو اس کی طرف سے حج کر"۔(السلسۃ الصحیحۃ، باب اخلاق، نیکی اور صلہ رحمی، حدیث نمبر ۲۴)

حدیث نمبر 7: حضرت جابرؓ حضرت سعد بن معاذؓ کی تدفین کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کی تدفین کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے تسبیح پڑھی تو ہم نے

بھی ایک طویل تسبیح پڑھی پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے تکبیر پڑھی تو ہم نے بھی تکبیر پڑھی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا" یارسول اللہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے تسبیح وتکبیر کیوں پڑھی"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "اس صالح بندے (حضرت سعدؓ) پر قبر تنگ ہوگئی تھی اور اللہ نے اسے ہماری تسبیح کی برکت سے کھول دیا ".(مشکوۃ شریف جلد 1, حدیث نمبر 135)

حدیث نمبر 8: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے سنا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جب تم میں سے کوئی فوت ہوجائے تو اسے روکے نہ رکھو اُسے اس کی قبر تک لے چلو اور اس کی میت کے سر کی طرف سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پاؤں کی طرف سورۃ بقرہ کی آخری آیات تلاوت کرو"۔(بیہقی)

اب اگر قرآن پاک پڑھنے کا ثواب مرنے کے بعد نہیں پہنچتا تو آپ خاتم النبیین ﷺ یہ پڑھنے کو کیوں فرماتے؟ بلکہ اگر ہم غور کریں تو مرنے کے بعد نماز جنازہ ہوتی ہے۔ اور اس میں بھی میت کی مغفرت کی دعا ہوتی ہے۔ اگر مرنے کے بعد ایصالِ ثواب نہ ہوتا تو پھر مرنے کے بعد نماز جنازہ کیوں پڑھائی جاتی ہے؟

حدیث نمبر 9: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جو شخص اس حالت میں ہی مرجائے کہ اس کے ذمے روزے ہوں تو ایک روزے کے کفارے میں اس کی طرف سے ایک مسکین کو دووقت کا کھانا کھلایا جائے تو ایک روزے کا کفارہ ہوا۔(مشکوۃ جلداول۔ باب قضا کا بیان۔حدیث ۲۰۳۴)

پس ثابت ہوا کہ فرض روزوں کا فدیہ مرنے کے بعد ادا کیا جاسکتا ہے اور وہ مردے کی طرف سے سمجھا جاتا ہے۔(سنن ابن ماجہ، جلد دوم، حدیث ۱۷۵۷)

حدیث نمبر 10: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: "جب وہ قبرستان جاتے تو رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہما) کو تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو یہ دعا پڑھیں :"سلامتی ہو مسلمانوں اور مومنوں کے ٹھکانوں میں رہنے والوں پر! ہم ان شاء اللہ ضرور (تمہارے ساتھ) ملنے والے ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمھارے لئے عافیت مانگتا ہوں"۔(مسلم شریف)

حدیث نمبر 11: عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک سینگوں والا مینڈھا لانے کا حکم دیا۔ جو سیاہی میں دکھتا ہو۔ (یعنی پاؤں، پیٹ، اور آنکھیں سیاہ ہوں) پھر ایک ایسا مینڈھا قربانی کے لئے لایا گیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ چھری لاؤ۔ پھر فرمایا۔ اس کو پتھر سے تیز کرو۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے مینڈھے کو پکڑا، اس کو لٹایا اور چھری پھیری۔ پھر ذبح کرتے وقت فرمایا بسم اللہ۔ اے اللہ محمد خاتم النبیین ﷺ کی طرف سے اور محمد خاتم النبیین ﷺ کی آل کی طرف سے اور محمد خاتم النبیین ﷺ کی امت کی طرف سے اس کو قبول فرما۔ پھر اس کی قربانی کی۔ (صحیح مسلم، جلد پنجم، حدیث نمبر ۵۰۹۱)

حدیث نمبر 12: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میری ماں فوت ہوگئی ہے تو کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا اس کا ثواب میری ماں کو پہنچے گا؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہاں" اس نے عرض کیا کہ یہ میرا باغ ہے۔ پس میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ باغ میں نے اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔(ابوداؤ د۔حدیث نمبر ۲۸۸۲) (جامع ترمذی، جلداول، حدیث نمبر ۶۶۹)

حدیث نمبر 13: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔ تو کیا انہیں یہ ثواب پہنچتا ہے؟ تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں اور مردے اس سے اس طرح خوش ہوتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی دنیا میں جب اسے تمہاری طرف سے تحفہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے''۔(مسند احمد)

ایصال ثواب پر بزرگان دین کے نظریات:

1۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان سے گزرتے وقت سورہ اخلاص 11 بار پڑھے اور اس کا ثواب تمام مُردوں کو بخش دے تو اسے مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔(جمع الجوامع للسیوطی، جلد 7۔ صفحہ ۲۸۵، حدیث نمبر ۲۳۱۵۲)

2۔ **امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:** حدیث میں میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا جواز موجود ہے میت اس ایصال ثواب کو حاصل کرتی ہے اور صدقہ کرنے والے کو نفع پہنچتا ہے اور اس بات پر اجماع بھی ہے۔

اعتراض کرنے والے قرآن پاک کی چند آیات کی غلط تشریح کر کے عام عوام کو غلط مسئلہ بتا دیتے ہیں۔ مثلاً قرآن پاک میں مَا اُھِلَّ لِغَیرِ اللہ (یعنی) جس پر غیر اللہ کا نام

پکارا۔مندرجہ بالا آیت کی حرمت قرآن پاک میں چند جگہ آئی ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃَ وَ الدَّمَ وَ لَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَ مَاۤ اُہِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ (سورۃ البقرہ، پارہ نمبر ۲، آیت نمبر ۱۷۳)

ترجمہ: "بے شک حرام کیا گیا تم پر مردہ جانور اور سور کا گوشت اور جس پر اس کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو"۔(یعنی اللہ کے سوا کسی اور کا نام)

مشرکین مکہ اپنا جانور ذبح کرتے وقت جس بت کے نام کی قربانی دیا کرتے تھے اُس کا نام پکارتے تھے۔جیسے ہم مسلمان قربانی کرتے وقت جب جانور کے گلے پر چھری پھیرتے ہیں تو کہتے ہیں بِسْمِ اللّٰہِ اللہ اکبر کہتے ہیں۔مشرکین چھری پھیرتے وقت اپنے بت کا نام لیتے تھے۔چھری پھیرتے وقت کہتے تھے لات،عزی وغیرہ۔

تو ہمیں مردہ جانور،خون،سور کا گوشت اور وہ جانور کھانے کے لیے حرام قرار دیا گیا اور وہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا۔تو غیر اللہ کا نام پکارا گیا سے مراد مشرکین کا بتوں کے نام کا پکارنا ہے۔

اپنی عبادات کا ثواب دوسروں کو پہنچانا شرعاً بھی درست ہے اور عقلاً بھی ہم اپنی تنخواہ دوسروں کو دے دیں یا اپنی مزدوری دوسروں کو دلا دیں تو سب جائز ہے اسی طرح ہم نفلی عبادات،نفلی نماز،نفلی روزوں کا ثواب بھی دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں۔(صحیح مسلم جلد ۵،حدیث نمبر ۵۰۹۱)

نفلی عبادات کرنے کے بعد اگر یہ کہہ دیا جائے کہ الٰہی اس کا ثواب فلاں کو ملے یا فلاں اور فلاں کو تو جتنے لوگوں کی نیت کی جائے سب کو پورا پورا مل جائے گا اور اس کے اپنے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

علامہ شامیؒ کہتے ہیں بخل نہیں کرنا چاہیے جو شخص دن میں 3 بار یہ دعا کرے:

1۔ یا اللہ امت محمدی خاتم النبیین ﷺ کو معاف کر دے 2۔ یا اللہ امت محمدی خاتم النبیین ﷺ پر رحم کر

3۔ یا اللہ امت محمدی خاتم النبیین ﷺ پر نگاہ کر 4۔ یا اللہ امت محمدی خاتم النبیین ﷺ کو بخش دے

مرنے کے بعد ابدالوں میں اٹھایا جائے گا۔کہا جاتا ہے کہ وہ شخص جو اپنے لیے دعا کرے اور امت محمدی خاتم النبیین ﷺ کو بھول جائے یعنی امت محمدی خاتم النبیین ﷺ کی بخشش طلب نہ کرے اس نے امتی ہونے کا حق ادا نہ کیا۔جب پوری امت کا فکر رکھنے کیلئے کہا گیا ہے تو ہمارے بزرگوں کا تو ہم پر زیادہ حق ہے۔انہیں کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ ایصال ثواب کیلئے اوقاف،مسجدیں،مدارس،قبرستان قائم کرنے چاہیے نیز کنویں بھی اور سرائے بھی وقف کرنا بہتر ہے تا کہ ہمیشہ کیلئے ایصال ثواب کا سامان مہیا ہو جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:- اگر کامیابی حاصل کرنا ہے تو ایمان والا بننا پڑے گا قرآن پاک نے سورۃ النجم آیت نمبر 39 میں صاف الفاظ میں فرما دیا ہے:

لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۙ

ترجمہ: ''انسان کو اس کی سعی و کوشش ہی کام دے گی''۔

کسی دوسرے کی سعی کام نہ آئے گی۔لیکن اس کے برخلاف حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر ثواب دوسروں کو پہنچایا جائے تو ثواب دوسروں کو پہنچ جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک کی سعی دوسرے کے کام آتی ہے۔اس طرح حدیث و قرآن میں تعارض واقع ہوا ہے۔مفتی عزیز الرحمن صاحب جو ایک خدا ترس عالم تھے۔انہوں نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ میں نے جلالین میں قرآن کی یہ آیت پڑھی اور حدیث کی ایک کتاب میں ایصال ثواب کی یہ حدیث دیکھی،دونوں میں تعارض نظر آیا بہت سوچا،کتابیں دیکھی لیکن کسی طرح اس کا حل سمجھ نہ آسکا۔

رات کو سونے کیلئے گھر گیا اور سونے کے لیے لیٹ گیا لیکن معاً یہ خیال آیا کہ اگر رات کو موت آگئی تو دو صورتوں سے ایک یقینی ہے یا تو حدیث کا انکار لازم آتا ہے یا پھر قرآن کا اور ان دو صورتوں میں ایمان کی سلامتی نہیں یہ خیال آتے ہی بستر سے اٹھا مولانا گنگوہیؒ جو کہ ضعیف ہو چکے تھے،بینائی جا چکی تھی ان کے پاس پہنچا وہ اس وقت وضو فرما رہے تھے،فرمایا کہ'' کیوں آئے؟''میں نے عرض کیا کہ''اس آیت اور حدیث میں تعارض واقع ہو گیا ہے اور اس کا حل سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔اسی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں''۔مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا''قرآن کی اس آیت لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۙ'' سے نفس ایمان مراد ہے یعنی اگر کوئی شخص ایمان نہیں لائے تو کسی دوسرے کا ایمان اس کا کام نہیں آئے گا اور حدیث سے مراد عمل ہے،ایمان کسی کو نہیں بخشا جا سکتا،عمل بخشا جا سکتا ہے۔

ایصالِ ثواب کے لیے ایام اور تاریخ

12 ربیع الاول 22 اپریل حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ فرمایا 8 جون 632ء عمر مبارک 61 سال ایک ماہ اٹھارہ دن

22 جمادی الآخر: حضرت ابوبکر صدیقؓ

28 ذی الحجہ: حضرت عمرؓ بن خطاب

18 ذی الحجہ: حضرت عثمان غنیؓ

18 ذی الحجہ کو روزہ رکھنے کا ثواب ایک ہزار روزوں کے ثواب کے برابر ہے اس دن خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

21 رمضان المبارک: حضرت علیؓ پیدائش 13 رجب بروز جمعہ 30 عام الفیل

10 محرم: حضرت امام حسینؓ 9 جنوری پیدائش 626ء، شہادت 10 اکتوبر 680ء 57 سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

22 رجب: حضرت جعفر صادقؒ پیدائش 4ھ، شہادت 10 محرم 61ھ

14 رجب: حضرت امام ابوحنیفہؒ

6 رجب: حضرت خواجہ غریب نوازؒ

11 ربیع الثانی: حضرت غلام قادر جیلانیؒ عبدالقادر جیلانیؒ

28 صفر: امام حسنؓ 29 فروری 624ء وفات 27 مارچ 670ء عمر مبارک 57 سال
پیدائش 15 رمضان 3/2ھ، شہادت 28 صفر 50 ہجری

ایصالِ ثواب یا دعائے مغفرت کرنے کا طریقہ

تعوذ تسمیہ کے بعد تیسرا کلمہ اور جو سورتیں بھی یاد ہوں پڑھیں۔ اس کے بعد یوں عرض کریں۔ ''یا اللہ یہ ایک (یا جتنے بھی ہوں) قرآن پاک پڑھا گیا ہے، درود شریف پڑھا گیا ہے، سورۃ یٰسین پڑھی گئی ہے، دعائیں مانگی گئی ہیں اور جو کچھ بھی نذر و نیاز تیار کی گئی ہے، ان تمام چیزوں کے پڑھنے میں، اس نذر و نیاز کے تیار کرنے میں، اس محفل کے منعقد کرنے میں جو ہم سے غلطیاں ہوگئیں، ان کے لیے ہمیں معاف فرما دینا۔ یا اللہ جو کچھ ٹھیک پڑھا ہے اس کا ثواب سب سے پہلے

حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچانا۔ ان کے بعد تمام اہل بیت کو پہنچانا۔

ان کے بعد تمام پیغمبرانؑ کو پہنچانا۔ ان کے بعد تمام شہدا کرام کو پہنچانا۔

ان کے بعد تمام صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، اور تبع تابعینؒ کو پہنچانا۔ ان کے بعد تمام آئمہ کرام، تمام اولیاء کرام کو پہنچانا۔

یا اللہ جملہ مومنین اور مومنات جو قیامت تک ہونے والے ہیں سب کو اس کا ثواب پہنچا۔

یا اللہ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں (یا کرتی ہوں) کہ اس کا ثواب خاص طور پر (فلاں) کو پہنچانا۔ ان کی مغفرت کرنا اور ان کے درجات بلند فرمانا۔ (آمین یا رب العالمین)

****

توحیداورشرک

اللہ تعالیٰ کی واحدانیت: اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے اس کا موجود ہونا اور ایک ہونا ایسا ہے کہ جاہلیت زدہ لوگوں کو اس کی تفصیل کی ضرورت ہو تو ہو ورنہ اس دور میں ایک سلیم الفطرت انسان کے لئے محض اس مسئلہ کی طرف توجہ دلانا کافی ہے۔عربی کا مشہور معقولہ ہے۔

ترجمہ: ہر چیز اس کی ضد کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔مثلاً راحت کا ادراک وہی کرسکتا ہے جو کبھی تکلیف میں رہا ہو۔جس نے کبھی رنج نہ پایا ہو وہ راحت کی لذت سے آشنا نہیں ہوسکتا۔دن کا اندازہ رات کے بغیر نہیں لگایا جاسکتا۔اس طرح ظلمت کے بغیر نور کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کے سامنے باطل کا تصور نہ ہو تو وہ حق کی لذتوں سے آشنا نہیں ہوسکتا۔اس طرح جو یہ نہ سمجھے کہ شرک کس کو کہتے ہیں وہ توحید کو نہیں جان سکتا۔یعنی توحید کا صحیح ادراک بھی تبھی ہوگا جب ہم یہ سمجھیں کے شرک کس کو کہتے ہیں۔

توحید کے معنی: توحید کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کی ذات اور صفات میں شریک سے پاک ماننا، یعنی جیسا اللہ ہے ویسا ہم کسی کو اللہ نہ جانیں۔اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو اللہ تصور کرتے ہیں تو ہم شرک کرتے ہیں۔اس کی پوری کیفیت سورہ اخلاص میں ہے۔اگر اللہ کے سوا کوئی اور سورۃ اخلاص پر پورا اترتا ہے تو پھر وہ اللہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حیات اور انسانی حیات: اللہ تعالیٰ کی حیات پر تو سب کو ایمان ہے اور جاندار کو بھی اس نے صفت حیات دی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں حیات دی۔اللہ تعالیٰ کو کوئی حیات دینے والا نہیں۔اللہ تعالیٰ کی حیات عارضی نہیں، عطائی نہیں، محدود بھی نہیں، ہماری زندگی عطائی ہے، عارضی ہے اور محدود ہے جب ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی حیات باقی اور ہماری فانی ہے تو شرک ختم ہوگیا۔

قدرت خداوندی اور اختیار انسانی: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر کوئی قوت پیدا نہیں کی؟ اگر نہیں تو پھر پتھر اور انسان میں کیا فرق ہوا؟ اللہ تعالیٰ قادر و مختار ہے اور انسان کی وہ قدرت اور اختیار جو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے اندر پیدا کی ہے۔اس کی وجہ سے انسان بھی مختار ہوا۔تو پھر اللہ تعالیٰ بھی مختار اور بندہ بھی مختار یہ کیا ہوا؟۔بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختار ہونے میں محتاج نہیں۔اللہ الصمد بے نیاز ہے۔اللہ تعالیٰ کو اختیار کسی سے حاصل نہیں ہوا ہے۔وہ ذاتی طور پر صاحب اختیار کا مالک ہے۔اس کا اختیار ذاتی ہے۔اور بندہ مختار ہونے میں محتاج ہے۔

علم ایزدی اور علم انسانی: علم انسانیت کا زیور ہے۔لیکن یہ علم تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔لیکن جو علم اللہ تعالیٰ کا ہے وہ بندے کا نہیں، پھر اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور ہمارا علم اس کا عطا کردہ ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے اور فرماتا ہے: (سورہ الدھر آیت نمبر۔۲) **فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا**

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو سمیع اور بصیر یعنی سننے والا اور دیکھنے والا بنایا''۔تو اللہ تعالیٰ کی یہ تمام صفات ذاتی اور بے نیاز ہو کر ہیں اور بندوں کی یہ صفات اس کے حاجت مند اور نیاز مند ہو کر ہیں''۔کیونکہ انہیں یہ صفات رب نے دیں اور انسان خود اور اس کی تمام صفات رب کے قبضہ قدرت میں ہیں۔بس الوہیت اور عبدیت کے درمیان یہی فرق ہے۔اب شرک کا مطلب واضح ہوگیا کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی اپنی ہیں یعنی کسی کی عطا کردہ نہیں ہیں وہ کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔اور ان صفات سے شرک لازم نہیں آتا جو خود اللہ تعالیٰ نے کسی کو بخشی ہیں۔اگر انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے صفات نہ بخشی ہوں تو پھر نہ کوئی سننے والا ہو نہ دیکھنے والا اور نہ ہی کوئی علم والا ہو۔پس ہم یہی کہیں گے جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ بندے کی نہیں ہوسکتیں۔اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی، ابدی اور ذاتی ہیں اور بندے کی صفات عارضی اور عطائی ہیں۔اب اگر ہم کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت، اللہ کا عطا کردہ اختیار مانیں، اللہ تعالیٰ کو عطا کردہ سمیع اور بصیر مانیں تو شرک نہیں کیونکہ جب عطا کا تصور آیا تو شرک کی نفی ہوگئی۔

الوہیت (خدائی) عطائی نہیں ہوسکتی:۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ دے سکتا ہے۔مگر الوہیت نہیں دے سکتا، کیونکہ الوہیت مستقل ہے اور عطا کی چیز مستقل نہیں ہوسکتی۔الوہیت استقلال ہی کے معنی میں ہے جبکہ مشرکین کا تصور یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے تمام معبودوں کو الوہیت دے دی ہے۔جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو وصف الوہیت عطا فرمادیا ہے وہ مشرک اور ملحد ہے۔مشرکین اور مومنین کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے کہ وہ غیر اللہ کے لیے بہ عطائے الوہیت کے قائل تھے اور مومنین کسی مقرب سے مقرب ترین حتیٰ کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے حق میں بھی الوہیت اور غنائے ذاتی کے قائل نہیں ہیں۔

ہر کام باذن اللہ عین توحید ہے:

اللہ تعالیٰ آیت الکرسی میں فرماتا ہے:　　مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط (سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۵۵)

ترجمہ: ''کون ہے جو شفاعت کرے بغیر اذن خداوندی کے''۔

معلوم ہوا کہ بغیر اِذن اللہ کے شفاعت کا اعتقاد شرک ہے اور اِذن کے ساتھ عین توحید ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے جب قوم کے سامنے تعلیم رسالت پیش کی تو ان سے کہا:

ترجمہ: ''اور اچھا کرتا ہوں میں اندھے اور کوڑھی کو اور مردے کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے''۔ (سورہ آل عمران پارہ 3 آیت نمبر 49)

اب دیکھیئے شفا دینا اور مردے کو زندہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس لحاظ سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے کاموں کا دعویٰ کیا لیکن آگے فرمایا کے'' باذن اللہ'' یعنی یہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اِذن سے کیا۔ پس جہاں اِذن الٰہی آجائے تو شرک چلا جاتا ہے اور جہاں اِذن گیا تو توحید بھی گئی۔ یہی اِذن الٰہی ہونا اور نہ ہونا توحید اور شرک کا بنیادی نقطہ ہے۔

مقصد تخلیق انسان: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو کسی نہ کسی کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ سورج اپنا کام کرتا ہے۔ ہوا اپنا کام کرتی ہے۔ درختوں کو اپنا کام ہے۔ اب اشرف المخلوقات کا کوئی نہ کوئی کام تو ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا۔ (سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰت آیت نمبر ۵۶)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۞ ترجمہ: ''ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لئے پیدا فرمایا''۔

عبادت جب ہوتی جب معرفت ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو) پس اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا۔ جب رب نے جانا کہ میں جانا اور پہچانا جاؤں تو تخلیق آدمؑ ہوئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو جس قدر پہچانا جائے گا۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کے ساتھ نزدیکی بڑھتی جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کا مقصد حیات اللہ کی معرفت ہے اور معرفت کا نتیجہ قرب ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرب الٰہی انسانیت کا کمال ہوا۔ اگر ہم اس کمال کو ذرا تفصیل سے جان لیں تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ اس لئے اب اس قرب کے مفہوم، قرب کے انجام، اور قرب کے معنی کو، دلائل شرعیہ سے واضح کرتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے

اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسول اقدس خاتم النبیین ﷺ کی زبان مبارک پر) فرمایا:۔

ترجمہ: ''جس نے میرے ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور جن چیزوں کے ذریعے بندہ مجھ سے نزدیک ہوتا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے طرف ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہے تو میں اسے ضرور بچالیتا ہوں''۔ (بخاری شریف، جلد دوئم۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

بعض لوگ اس حدیث کا یہ معنی بیان کرتے ہیں: جب بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو وہ اس کا محبوب بن جاتا ہے اور پھر وہ اپنے کانوں سے کوئی غلط بات نہیں سنتا، آنکھوں سے خلاف شرع کوئی چیز نہیں دیکھتا، کانوں سے کوئی ناجائز بات نہیں سنتا اور ہاتھوں سے خلاف شرع کوئی کام نہیں کرتا۔ یہ معنی بالکل غلط ہے اور حدیث شریف میں تحریف کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اس کے معنی سے تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے نزدیکی حاصل کرنے والا بندہ محبوب ہونے کے بعد اپنے کسی عضو یا کسی حصہ سے گناہ نہیں کرتا۔ اور وہ اپنے کان، ہاتھ یا پیروں سے جو کام بھی کرتا ہے وہ سب جائز اور شرع کے مطابق ہوتے ہیں۔

لیکن ان معنی کو جب الفاظ حدیث پر پیش کیا جاتا ہے تو حدیث شریف کا کوئی لفظ اس کی تائید نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ایک معمولی سمجھ بوجھ والا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے تو وہ محبوب بنا۔ اگر گناہوں میں مبتلا ہونے کے بعد بھی محبوبیت کا مقام قائم رہ سکتا ہے تو پھر۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (سورہ آل عمران، آیت نمبر ۳۱)

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ　ترجمہ: ''آپ فرمایئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو (تب) اللہ تم سے محبت کرے گا''۔

معلوم ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اتباع یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر مقام محبوب الٰہی کا حصول ناممکن ہے۔ یعنی بندہ پہلے برے کاموں کو

چھوڑتا ہے ان سے توبہ کرتا ہے پھر فرائض کی پابندی کرتا ہے اور نوافل ادا کرتا رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔یعنی برے کاموں کو چھوڑنا فرائض کی پابندی کرنا اور ساتھ نوافل کا ادا کرنا بندے کو محبوبیت کے درجے پر لے آتا ہے۔اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع ،بصیر اور قدرت کے انوار اس بندے میں ظاہر ہونے لگتے ہیں اور اس طرح یہ مقرب بندہ صفات الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے۔یعنی یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے نور سمیع سے سنتا ہے، اس کے نور بصر سے دیکھتا ہے اور اسی کے نور قدرت سے تصرف کرتا ہے۔نہ تو (خدانخواستہ) اللہ بندے میں حلول کر جاتا ہے اور نہ ہی بندہ خدا بن جاتا ہے۔بلکہ اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ مظہر خدا ہو کر کمال انسانیت کے اس مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔جس کے لئے اس کی تخلیق کی گئی تھی۔

یہ انسانیت کا کمال ہے کہ بندہ صفات خداوندی کا مظہر ہو جائے پس اصل توحید تو یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل کرے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا آئینہ بن جائے۔جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نور کے جلوے اس کے ہاتھ پاؤں ،دل اور دماغ میں ظاہر ہوں گے تو وہ ہر آسان و مشکل اور دور و نزدیک کی چیزوں پر قادر ہو جائے گا۔اب دیکھئے کہ جب مشکل بندے کی قدرت میں ہو گی تو یہ مشکل کشا نہیں تو اور کیا ہوگا؟اس لئے خوب جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا مشکل کشا ہونا ذاتی ہے اور بندے کا مشکل کشا ہونا عطائی ہے۔کیونکہ بندہ جب کسی کی کوئی مشکل حل کرتا ہے یا کوئی حاجت پوری کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت و اختیار سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہے۔پس واضح ہو گیا کہ ہمارا یہ عقیدہ شرک کی تمام جڑوں کو کاٹنے والا ہے۔

پس یہ ادراک علم ،سمع اور بصر جو ان مقربین بارگاہ الٰہی میں پائے جاتے ہیں اور جن میں دلیل موجود ہے ان میں آسان سے آسان کام پر بھی اولیاء اللہ کی قدرت ثابت ہوگئی اور مشکل اور بعید چیزوں پر بھی ان کی قدرت ثابت ہو گئی اور یہ دلیل قائم ہو گئی کہ یہ نفع پہنچانے والے ہیں اور بارگاہ رب العالمین میں دعائیں کر کے رب کو راضی کرنے کی صلاحیتیں رکھنے والے ہیں۔ان میں مشکل کشائی کی قدرتیں بھی ہیں۔دور سے دیکھنے کی قدرتیں بھی ہیں اور بعید کی آواز کو بھی سن سکتے ہیں۔بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جو قرآنی آیات بتوں کے حق میں آئی ہیں ان کو مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں اس طرح بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

بخاری شریف میں ہے ’’حضرت عبداللہ بن عمرؓ خارجی گروہ کو سب مخلوق سے زیادہ برا جانتے تھے اور فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنا طریقہ یہ بنالیا ہے کہ جو آیات کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو مومنوں پر چسپاں کر دیتے ہیں‘‘۔

سوال: کمال انسانیت کا جو معیار کتاب اور سنت کی روشنی میں ہمارے سامنے آیا ہے کہ ’’انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا آئینہ اور مظہر تجلیات ربانی بن جائے۔یہ بات زندگی میں تو ممکن ہے لیکن مرنے کے بعد تو وہ صرف مٹی کا ایک ڈھیر ہے۔اس وقت اس کے کمالات کا اعتراف کرنا کس طرح مناسب ہے؟کہ مرنے کے بعد بھی وہ کمالات تجلیات ربانی کا مالک ہے اور انسان کامل ہے۔مرنے کے بعد تو یہ بات ختم ہو جانی چاہیے کیونکہ اس کا سننا ،دیکھنا ،قریب اور بعید کی آوازیں سننا ،نزدیک اور دور کی اشیاء کو دیکھنا اور ان پر قدرت رکھنا سب کچھ ختم ہو گیا۔کیونکہ اگر موت آگئی تو کمالات بھی ختم ہو گئے‘‘؟

جواب: یہ سوال ذہن میں اس لئے آیا ہے کہ کیونکہ ہم نے انسانیت کے مفہوم کو نہیں سمجھا ہے۔ہم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ انسان صرف گوشت اور پوست کا نام ہے۔یہ غلط ہے۔یاد رکھیے کہ یہ مفہوم انسانیت ،حقیقت انسانیت نہیں ،حقیقت انسانیت وہ چیز ہے جو مرنے کے بعد بھی زندہ اور باقی رہتی ہے۔یہ جسم اور روح جن کا مجموعہ انسان ہے۔ان دونوں میں جو اصل حقیقت ہے وہ روح ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جسم تو گل سڑ جاتا ہے تو جسم اصل حقیقت نہیں کیونکہ یہ تو مرنے کے بعد فنا ہو جاتا ہے۔اصل حقیقت تو روح ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’قبر جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا‘‘۔(جامع ترمذی ،جلد دوئم ،حدیث نمبر ۲۴۶۰)

یہ جنت کا باغ اور دوزخ کا گڑھا کس کے لئے ہے؟یہ روح کے لئے ہے۔اجزائے جسمانی چاہے بکھرے ہوئے ہوں یا اکٹھے ان کا تعلق روح سے اس طرح کا ہوتا ہے جیسے سورج کا تعلق دنیا کی تمام اشیاء سے ہے۔چاہے کہیں ریت ہے ،یا چٹان ہو ،یا گرد و غبار ہو سورج کی کرنوں کا تعلق ان سب سے ہے۔اس طرح جسم کے اجزاء پر روح کی شعائیں پڑتی ہیں تو مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق اس سالم بندے یا بندے کے متفرق اجزاء کے ساتھ رہتا ہے۔البتہ روح کا تعلق جو بدن سے زندگی میں ہوتا ہے وہ تعلق مرنے کے بعد بدل جاتا ہے۔پس اصل حقیقت روح ہے جو سورج کی حیثیت رکھتی ہے اور جسم فانی ہے۔ظاہر ہے کہ یہ مرنے کے بعد پھٹ جائے گا منتشر ہو جائے گا تو اس کا نظام بھی فانی ہے۔طاقتور سے طاقتور انسان مرنے کے بعد اپنی انگلی تک نہیں ہلا سکتا تو جسم کا کمال بھی فانی اور نظام بھی فانی۔لیکن روح باقی ہے تو اس کی صفات بھی باقی اور اس کے کمالات بھی باقی۔تو روح اگر خوش ہے تو بدن پر خوشی کے اثرات وقف کرے گی اور اگر تکلیف میں ہے تو بدن پر تکلیف کے اثرات چھوڑے گی لیکن وہ خوشی یا تکلیف کے اثرات عالم برزخ میں ہوں گے اور کسی کو نظر نہیں آئیں گے۔مثلاً کسی کے ذہن میں غمی یا خوشی کے اثرات ہیں یا کسی کے سر میں درد ہے تو ہم

انہیں کیسے دیکھیں گے۔ دنیا میں بھی ہم اگر کسی کے سر میں درد ہو رہا ہو تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیں یا لاکھ آلات لگائے جائیں تو کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ سر کے اندر درد ہے، ہلکا درد ہے یا تیز درد ہے۔ وہ تو اسی کو معلوم ہے جس کے سر میں درد ہے۔ اسی طرح قبر میں جو مردے یا مردے کے اجزاء پڑے ہوئے ہوتے ہیں یقیناً ان پر روح نے راحت یا رنج کے اثرات چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں لیکن وہ ہم کو نظر نہیں آتے۔ مردے کی تکلیف کے اثرات تو مردے کے اجزاء کو معلوم ہوں گے یا اس زمین کو جس پر مردے کے اجزاء پڑے ہیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے اس کے گھر کو آگ لگ گئی ہے اس کی چارپائی جل رہی ہے وہ خود جل رہا ہے لیکن ہمیں نہ اس کی چارپائی جلتی ہوئی محسوس ہوگی اور نہ ہی وہ شخص خود جلتا ہوا محسوس ہوگا۔ اس طرح عالم برزخ میں کافروں اور گناہ گاروں کو عذاب ہوتا ہے لیکن ہمیں قبر کے اندر گرمی اور آگ معلوم نہیں ہوتی۔

اگر روح کو فانی سمجھ لیں تو قبر کا عذاب اور ثواب سب کچھ ختم۔ اب اگر حساب کتاب نہیں تو حشر نشر کیسا؟ کیونکہ ثواب اور عذاب تو روح کے لئے ہے اگر روح کو فانی مان لیں تو سارا دین ختم ہو کر رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں دی ہیں یعنی جسم اور روح اور ان میں جسم فانی ہے اور روح باقی ہے۔ اگر بدن فانی تو بدن کے تمام کمالات بھی فانی۔ اس لئے مظہر تجلیات، صفات الٰہی اور آئینہ جمال رب ہونا یہ صفت روح کی ہے جسم کی نہیں۔

تو معلوم ہوا کہ موصوف جب باقی ہے تو اس کی صفت بھی باقی ہوگی۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ نیکی کے کام ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اللہ کا ذکر ہے۔ یہ روح کی غذا ہے تو مرنے کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسری تمام نیکیاں باقی رہیں گے۔ یعنی مرنے کے بعد ہماری تمام روحانی صفتیں باقی رہیں گی۔ اور ایک ولی کے مرنے کے بعد اس کے تمام روحانی کمالات کیسے ختم ہو جائیں گے؟ پس قبور کے اندر بھی ان حضرات کی روحانیت اور روحانی کمالات زندہ رہتے ہیں۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابیؓ نے ایک قبر پر اپنا خیمہ نصب کیا تو اس کو اس جگہ پر قبر ہونے کا علم نہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں کسی انسان کی قبر ہے اور اس میں سے سورہ الملک پڑھنے کی آواز آرہی ہے۔ جب وہ صحابی آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام واقعہ بیان کیا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "سورہ ملک اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے"۔

اگر مرنے کے بعد قبر میں کوئی چیز باقی نہ ہوتی تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اس صحابیؓ سے فرماتے کہ بھئی یہ تمہارا وہم ہے یا فرماتے کہ کوئی فرشتہ یا جن تلاوت کر رہا ہوگا۔ قبر میں مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایسا کچھ نہیں فرمایا اور کسی قسم کی تردید نہیں کی۔ یہ تو عہد رسالت کا واقعہ ہے۔

اب دور صحابہ کا واقعہ سنیئے: حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک نہر کھودی گئی تو اتفاق سے وہ قبر اس راستے میں آئی جس میں احد کا قبرستان تھا۔ مزدور کام کر رہے تھے ایک مزدور نے کھدائی کرتے ہوئے زمین میں پھاوڑا مارا تو اتفاق سے وہاں پر ایک شہید دفن تھا۔ تو وہ پھاوڑا اس کے پاؤں کے انگوٹھے میں جا لگا اور انگوٹھے سے خون جاری ہو گیا۔ یہ تو قبر میں حیات جسمانی کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد ان کے جسم میں زندگی موجود ہے۔ چہ جائیکہ روح جو ہے ہی باقی۔

قرآن پاک میں ہے: (سورہ البقرہ، آیت نمبر ۱۵۴)　　وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَات "ط بَلْ اَحْيَآءٌ" وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

ترجمہ: "شہید کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں مگر تمہیں ان کا شعور نہیں ہے"۔

زمانہ تابعین کا ایک واقعہ: امام ابونعیم "حلیۃ الاولیاء" میں حضرت سعد بن جبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی قسم کہ میں نے اور حمید طویلؒ نے حضرت ثابت بنانیؒ (تابعی) کو قبر میں اتارا تھا۔ جب ہم کچی اینٹیں برابر کر چکے تو ایک اینٹ گر گئی میں نے اندر دیکھا وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے وہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ اگر تو نے کسی مخلوق کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی اجازت فرما۔ اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو رد فرماتا۔

امام بیہقیؒ شعب الایمان میں اپنی سند سے قاضی نیشاپور ابراہیمؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صالح عورت کا انتقال ہو گیا ایک کفن چور اس کے جنازے کی نماز میں اس غرض سے شامل ہو گیا کہ اس کی قبر کا پتہ رہے جب رات ہوئی تو وہ قبرستان گیا اور قبر کو کھود کر کفن کے لئے ہاتھ ڈالا تو وہ اللہ کی بندی بول اٹھی۔ "سبحان اللہ ایک جنتی شخص ایک جنتی عورت کا کفن چراتا ہے" وہ حیران ہوا اور کہا یہ کیسے؟ عورت نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری اور ان تمام لوگوں کی مغفرت فرما دی جنہوں نے میری جنازہ کی نماز پڑھی اور تو بھی ان میں شریک تھا۔ یہ سنا تھا کہ اس نے فوراً قبر پر مٹی ڈال دی اور سچے دل سے تائب ہو گیا (شرح صدور علامہ سیوطیؒ)۔

پس ولیوں کا تو یہ حال ہے کہ چور جائیں اور ولی بن کر واپس آئیں۔ اب کون کہے گا کہ مرنے کے بعد ان میں کوئی روحانی طاقت نہیں، کیونکہ روح تو اپنے لوازمات کے ساتھ باقی ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ "میرا بندہ جب میرا مقرب ہوا تو اس نے اپنے کلام کو میرے کلام کا، اپنی صفات کو میری صفات کا آئینہ دار بنا دیا۔ تو

اب وہ اگر مجھ سے کچھ مانگے گا تو میں اس کو عطا کروں گا۔ اور یہ سب کمالات اس کی روح کے لئے ہیں اور جب تک روح باقی ہے یہ کمالات بھی باقی رہیں گے''۔

اس حدیث میں وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مانگے گا دوں گا۔ اب چاہے وہ دنیا میں مانگے یا موت کے بعد، جہان میں یا آخرت میں مانگے وہ مانگ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور دیتا ہے۔ ہم اولیاء اللہؒ کے مزارات پر اس لئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتے ہیں تو میں ان کو ضرور دیتا ہوں۔ تو کسی کے مزار پر جا کر یہ کہنا کہ اے اللہ کے ولی آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ تو تھی عالم دنیا اور عالم برزخ کی بات اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا عالم آخرت میں بھی اولیاء کرامؒ کا فائدہ ہو گا یا نہیں؟ تو عرض یہ ہے کہ آخرت میں بھی ان کا فائدہ ہو گا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میری امت کے علماء حفاظ اور شہدا شفاعت کریں گے۔ حتیٰ کے ایک بچہ بھی جس کے والدین مومن ہوں۔ اپنے والدین کی سفارش کرے گا۔ دیکھئے جب غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے تو قیامت کے دن جب نفسا نفسی ہو گی تو لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے مدد طلب کریں گے تو کیا وہ لوگ مشرک ہوں گے؟ اور پھر حضرت آدم علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو نہ کہیں گے کسی غیر کا پتہ بتائیں گے تو پھر تو حضرت آدم علیہ السلام بھی مشرک ہوئے؟ اور پھر سب انبیاءؑ اس زمرے میں آجائیں گے۔ بچے گا کون؟ تو اگر انبیاء اولیاء کے پاس جانا اور ان سے مدد مانگنا شرک ہے تو یہ شرک آخرت تک چلے گا۔ پس جو یہاں شرک سمجھتے ہیں وہ وہاں بھی نہیں جائیں گے۔ تو شفاعت کیسے پائیں گے؟ تو جو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ولی کچھ نہیں ہوتے سب فراڈ ہوتے ہیں تو وہ بھی سن لیں کہ حدیث قدسی کے شروع میں ہے کہ:

''جس نے میرے ولی کے ساتھ عداوت کی اس کے ساتھ میرا اعلان جنگ ہے''۔ (صحیح بخاری شریف، حدیث نمبر۔ ۶۵۰۲)

اب ایک اور بات جو اہل علم طبقہ کے لئے قابل تشریح ہے۔ اس شبہ کو کہ مرنے کے بعد اولیاء اللہؒ بے خبر ہوتے ہیں قرآن پاک کی ایک آیت سے ثابت کرنے کوشش کی گئی ہے۔ آیئے اس کی بھی وضاحت کریں:

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ۔۔۔ (سورہ بقرہ، آیت نمبر ۲۵۹)

ترجمہ: ''یا مثل اس شخص کے جو گزرا اس بستی پر جو گری پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔ کہنے لگا اللہ تعالیٰ اس بستی کو دوبارہ کیونکر زندہ کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے حالت موت میں رکھا۔ سو سال تک پھر زندہ کیا اور فرمایا کتنی مدت تو یہاں ٹھہرا۔ اس نے کہا میں یہاں ٹھہرا ہوں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ ٹھہرا ہے تو سو سال''۔

پس اللہ تعالیٰ کا سوال کہ کتنی مدت ٹھہرے حکمت کے مطابق ہے اور عزیرؑ کا جواب ایک دن یا اس کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں ان کے علم کے مطابق ہے۔ یہاں جواب ہے کہ ''اوکالذی'' میں ''او'' ہمیشہ شک کے لئے نہیں آتا یہاں ''او بعض یوم'' سے مراد یوم تقرر نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اتنی دیر ٹھہرا جو مدت قلیلہ تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مدت تو سو سال کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سو برس کی مدت کو عزیرؑ کے لئے اتنا چھوٹا کر کے گزارا کہ ان کے لئے وہ ''یوما او بعض یوم'' ہو کر گزرا۔ پس حضرت عزیرؑ کا علم اس واقعے کے مطابق ہے جو ان پر گزرا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس واقع اور حقیقت کے مطابق ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر گزارا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کلام بھی سچا ہے اور حضرت عزیرؑ کا کلام بھی سچا ہے۔ اس کی دلیل میں ایک واقعہ اور روشن بات یہ ہے کہ

''قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہو گا۔ مگر اہل ایمان، اولیاء اللہ، علماء اور شہداء کے لئے ایک وقت کی نماز سے بھی جلدی گزر جائے گا۔ قیامت میں اگر صالحین سے دریافت کیا جائے گا کہ تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے تو وہ اپنے تجربہ اور مشاہدے کے مطابق وقت وقفہ بیان کریں گے اور کفار اور مشرکین سے دریافت کیا جائے گا تو وہ اپنا ماجرہ اور وقت بیان کریں گے۔ ہر ایک اپنے قول اور دعویٰ میں سچا ہو گا۔ اب سوچئے جو پروردگار پچاس ہزار سال کو ایک وقت کی نماز کے عرصہ میں تبدیل کر سکتا ہے تو کیا وہ سو برس کے عرصہ کو ایک دن یا دن کے کچھ حصہ میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ کا کلام اس اصل واقعہ کے مطابق ہے اور حضرت عزیز علیہ السلام کا کلام ان کے علم کے مطابق ہے۔

اب ایک اور مثال، قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا (سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر۔ ۱)

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی رات کے تھوڑے سے حصہ میں''۔

اب دیکھیئے کہ وہ تھوڑا عرصہ کتنا ہے؟ جس میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے جاتے ہیں اور اسی عرصہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ تمام انبیاء کرامؑ سے مصافحہ فرماتے ہیں۔ اسی مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کرامؑ کو نماز پڑھائی۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ آسمانوں کے ابواب سے گزرے وہاں انبیاء کرام علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ بیت المعمور ملاحظہ فرمائی۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبرائیل علیہ السلام الگ ہو گئے۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ رف رف نامی تخت پر جلوہ گر ہوئے۔ پھر دریائے نور میں غوطہ زن ہوئے (نور کے بقع میں چھپا دیئے گئے) پھر اللہ تعالیٰ کے حجابات عظمت کو مشاہدہ فرماتے ہوئے وہاں پہنچے۔ جہاں نہ مکاں تھا نہ زماں۔ پھر عرش عظیم پر جلوہ گر ہو کر عرش سے اوپر گئے اور پھر اللہ تعالیٰ کے قرب خاص سے با مشرف ہوئے اور دیدار فرمایا۔ پھر نمازیں لینا، پھر نمازوں کی تعداد کم کروانے کے لئے بار بار حضرت موسیٰؑ تک جا کر اللہ تعالیٰ کے پاس آنا۔ جنت اور دوزخ کے مشاہدات کرنا۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ ان تمام کاموں کو کرنے میں کتنا عرصہ لگا ہو گا۔ یا کتنا وقت گزرا ہو گا۔ پس حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے لئے تو یہ سفر معراج کا طویل عرصہ تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ اٹھارہ برس تک سیر فرماتے رہے۔ لیکن دنیا کے لئے اتنا طویل تھا کہ جب آپ خاتم النبیین ﷺ واپس تشریف لائے تو بستر گرم تھا، دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی اور وضو کا پانی چل رہا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت ایک ہی وقت کو کسی کے لئے طویل فرما دیتے ہیں اور کسی کے لئے قلیل فرما دیتے ہیں۔ اس طرح اوّلاً وہ واقعہ سو برس کا تھا لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کے لئے قلیل کر دیا گیا۔ اب دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت عزیرؑ سے فرماتے ہیں: (سورہ بقرہ، آیت نمبر ۲۵۹)

فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ۔

ترجمہ: "اب ذرا دیکھ اپنے کھانے اور پینے کے سامان کو یہ باسی تک نہیں ہوا اور دیکھ اپنے گدھے کو"۔

یعنی انگور اور انجیر کے شربت کو دیکھیں یہ ویسا ہی ہے۔ اس سے بو تک نہیں آتی اور گدھے کے اعضاء بکھر گئے اور ہڈیاں چمک رہی ہیں (تفسیر ابن عباسؓ)

یعنی جو چیز جلد خراب ہونے والی تھی وہ تو بالکل نہ بدلی اور گدھا جو طاقت ور ہوتا ہے اس کی تمام ہڈیاں منتشر پڑی ہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اے عزیرؑ میں نے یہ سو برس کا عرصہ تیرے لئے" يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ" کر کے گزارا۔ جس طرح تیرے لیے یہ عرصہ تھوڑا کیا تیرے کھانے پینے کی چیزوں کے لئے بھی تھوڑا کر دیا۔ پس تیرے دعویٰ کی دلیل تو یہ طعام اور انگور کا رس ہے اور میری دعوے کی دلیل یہ ہے کہ تو اپنے گدھے کی طرف دیکھ سو برس میں جو اس کا حال ہونا چاہیے وہی حال اس کا ہے۔ پس دونوں قول سچے ہوئے۔

اس لئے ایک بات غور سے سمجھنے کی ہے، وہ یہ کہ جس کو صاحب قرآن سے نسبت نہیں اس کو قرآن سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟۔ یہ قرآن پاک کی حقیقتیں تب کھلتی ہیں جب صاحب قرآن سے نسبت قائم کی جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ندا اوراس کی اقسام

ندا کا مطلب پکارنا: کسی کو پکارنا چار طرح سے ہوتا ہے۔

(1) زندہ کو قریب سے پکارنا (2) زندہ کو دور سے پکارنا (3) مردہ کو قبر پر پکارنا (4) مردہ کو دور سے پکارنا

قریب دوطرح کا ہوتا ہے: (1) مرئی (مرئی کا مطلب آنکھوں دیکھا) (2) غیر مرئی

(1)زندہ مرئی کو قریب سے پکارنا۔ یہ ہمارا روزمرہ کا معمول ہے۔مثلاً اے فلاں اے فلاں وغیرہ وغیرہ۔

(2)زندہ غیر مرئی کو قریب سے پکارنا: بعض اوقات غیر مرئی کو اعتقاداً پکارا جاتا ہے۔مثلاً رجال الغیب، ملائکہ، جنات، انبیاءؑ اور اولیاءؒ وغیرہ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ زید بن علیؓ نے عتبہ بن غزوانؓ سے روایت کیا ہے کہ "جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہوجائے اور وہ مدد چاہے اور وہ ایسی زمین میں ہو جہاں اس کا کوئی ہمدرد نہ ہو تو اسے چاہیے کہ پکارے ''اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے'' (طبرانی)

(3)زندہ کو دور سے پکارنا:۔ زندہ کو دور سے پکارنا دوطرح پر ہے ایک تو اتنی دور سے پکارنا کہ وہ نظر آتا ہے۔ دوسرا اتنی دور سے پکارنا کہ وہ نظر سے بہت دور ہے۔جس تک بظاہر آواز کا پہنچانا ناممکن ہے۔

مثلاً وہ شخص جو دور کھڑا ہے۔ یا بارہا اس کو با آواز بلند پکارنا ہمارا روز کا معمول ہے وہ شخص جو آنکھوں سے اتنی دور ہے کہ بظاہر آواز کا پہنچانا ناممکن ہے یہ بھی جائز ہے جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے۔(سورہ الاعراف، آیت نمبر 44)

ترجمہ:۔''اور جنتی لوگ دوزخیوں کو پکاریں گے کہ ہم نے تو پرورگار کے وعدے کو حق پایا پس کیا تم بھی اس وعدہ کو جو تمہارے پروردگار نے کیا تھا حق پایا وہ کہیں گے ہاں''۔

فاروق اعظمؓ نے دور سے پکارا:۔ امام جلال الدین سیوطیؒ ''تاریخ الخلفا'' میں تحریر فرماتے ہیں''حضرت عمرؓ نے ایک لشکر جہاد پر روانہ فرمایا اور اس پر ایک شخص کو جس کا نام ساریہؓ تھا افسر مقرر فرمایا۔ایک دن (اسی جہاد کے دوران) حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے کہ پکارنے لگے''اے ساریہ پہاڑ کا خیال کرو۔اے ساریہ پہاڑ کا خیال کرو''۔ پھر لشکر سے قاصد آیا تو اس نے بتایا کہ''اے امیر المومنین ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا تو اس نے ہم کو شکست دی اچانک ایک آواز آئی اے ساریہؓ پہاڑ کا خیال رکھو۔تو ہم نے اپنی پشتوں کو پہاڑ کی طرف کرکے سہارا لیا تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی''۔

ابوقسر صافہؓ نے دور سے پکارا:۔ ابوقسر صافہؓ ایک صحابی تھے انہوں نے اپنے بیٹے آنکھوں سے اوجھل کو پکارا چنانچہ مروی ہے کہ:"ابوقسر صافہؓ کا ایک بیٹا تھا۔جس کو رومیوں نے قید کرلیا تھا۔ابوقسر صافہؓ عسقلان میں تھے۔وہ ہر نماز کے وقت اسے یوں پکارتے تھے۔اے قسر صافہؓ نماز کا وقت ہے وہ سن لیتا اور اپنے باپ کو جواب دیتا اور ان دونوں کے درمیان سمندر (عرفی) کا فاصلہ تھا"۔(طبرانی)

ابوقسر صافہؓ کا تفصیلی قصہ:۔ حضرت مولانا جامیؒ ''شواہد النسرت'' میں اس روایت کو ذرا تفصیل سے تحریر فرماتے ہیں:''ابوقسر صافہؓ کو رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک کمبل پہنایا تھا۔لوگ ان کے پاس آتے اور وہ لوگوں کے حق میں دعائے خیر کرتے اور برکت چاہتے لوگ اس کا اثر اپنے دل میں پاتے۔وہ خود عسقلان میں رہتے تھے ان کا ایک بیٹا قسر صافہؓ ملک روم میں جہاد کے لیے گیا ہوا تھا۔اچانک جب صبح ہوتی تو ابوقسر صافہؓ عسقلان سے اونچی آواز کے ساتھ پکارتے" اے قسر فہؓ! اے قسر صافہؓ نماز پڑھو۔نماز پڑھو"۔قسر صافہؓ روم کے شہر سے جواب دیتے۔"(اے میرے پیارے باپ) میں حاضر ہوں۔میں حاضر ہوں"۔صحابہؓ ان سے پوچھتے "تم یہ کس کو جواب دیتے ہو؟"قسر صافہؓ کہتے "اپنے باپ کو۔قسم پروردگار کعبہ کی وہ فجر کی نماز کے لئے جگاتے ہیں''۔

حضرت علیؓ کا حضرت عمرؓ کو غائبانہ خطاب:۔ سیرت حلبی میں ہے کہ ایک رات حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے ایام خلافت میں مسجد نبوی کی طرف آئے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف میں چراغ کثرت سے روشن ہیں اس پر آپ نے خوش ہوکر حضرت عمرؓ کو یوں دعا دی:''اے عمرؓ بن خطاب تو نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔اللہ تعالیٰ تیری قبر کو روشن کرے''۔

مؤذن کی آواز:۔ آذان پر غور وخوض کریں کہ آذان سننے والے دوطرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جو مؤذن کو دیکھتے ہیں اور دوسرے وہ جو مؤذن کو نہیں دیکھتے لیکن آذان کے کلمات کا جواب دیتے ہیں دونوں یکساں نہیں ہوتے ہیں چنانچہ حدیث شریف ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "جس وقت موذن صبح کی آذان میں کہے''الصلوٰۃ خیر من النوم''یعنی نماز پڑھنا سونے سے بہتر ہے تو اس وقت اس کلمہ کے سننے والے کو اس کے جواب میں یہ کہنا چاہئے''صدقت وبرکات''یعنی

تونے سچ کہااوراچھی بات کہی"۔(مشکوٰۃ شریف)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ندا پائی جاتی ہے۔

یاایھاالمزمل۔ یاایھا المدثر۔ یاعیسیٰ ابن مریم (سورہ مائدہ) یاموسیٰ (سورہ نمل) یاذکریا (سورہ مریم)

ندائے غائب زندہ یابعدازوصال کی صورتیں:۔

ندائے یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں تین طرح کا احتمال پیدا ہوسکتا ہے۔

1) رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اوراولیا کرامؒ خود بنفس نفیس اپنے اپنے مقامات سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اورقوت شنوائی سے سنتے ہیں۔

(2) رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اوراولیا کرامؒ کوفرشتوں کے ذریعے اس نداء کوپہنچایا جاتا ہے۔

(3) رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اوراولیا کرامؒ خود ہرایک کی پکار پر ہرجگہ حاضراورموجود ہوجاتے ہیں۔

فرشتوں کے ذریعے ندا کا پہنچایا جانا:

حدیث:۔ ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ نے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"اللہ کی طرف سے بہت سے فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں اورمیری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں"۔(نسائی)

حدیث:۔ ترجمہ:''رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"تم جہاں بھی ہومجھ پردرود بھیجا کرو۔کہ تمہارادرود مجھ پرپہنچتا ہے''۔(طبرانی)

قرآن مجید میں وارد ہے یاحسرۃ، یالیت، یاجبالی، یاارض، یاسماء، وغیرہ یہاں یاحرف ندا کا استعمال غیرذی روح اشیاء کے لیے آئے۔منکرین ذراغورکریں کہ پھروہ کس طرح کلمہ''یا''کواللہ تعالیٰ کے سواکسی دوسری چیز کے لیے استعمال کرنے سے منع کرتے ہیں۔جب حرف''یا''قریب وبعید دونوں کے لیے یکساں مستعمل ہوتا ہے توقریب کے لیے مختص کرنا کس دلیل سے ثابت ہے؟ حالانکہ شرح جامی میں ہے''یا''قریب اوربعید ہردو کے لیے آتا ہے۔

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ حرف''یا''صرف قریب کے لیے آتا ہے۔اس لیے یارسول اللہ کہنا جائزنہیں ان کا یہ دعویٰ نحو سے باطل اورغلط ہوجاتا ہے کیونکہ''یا''بعید کے لیےبھی آتا ہے۔لہٰذا یارسول اللہ کہنا جائز ہے اوراس میں کسی قسم کا شرک نہیں پایا جاتا۔

قرآن پاک میں کچھ آیات میں بتوں کوپکارنے کی ممانعت آئی ہے۔جولوگ غیراللہ یعنی بتوں کوپکارتے ہیں اوران کی عبادت کرتے ہیں اوران کوپوجتے ہیں توالبتہ وہ گمراہ اورمشرک ہیں۔لیکن مسلمان انبیاءؑ،اولیا کوتوسل کے طور پرپکارتے ہیں نہ کہ عبادت کے طور پر۔

(1) <u>ندا بمعنی عبادت</u>:سورہ قصص،آیت نمبر-88

ترجمہ:"اللہ کے ساتھ کسی اورمعبود کو(بطورعبادت) نہ پکارو"۔

سورہ یونس آیت نمبر-104 ترجمہ:اللہ تعالیٰ کے سوابطورعبادت کےاورکسی کو نہ پکارو۔

(2) <u>ندا بمعنی استعانت</u>:سورہ بقرہ آیت نمبر-23

ترجمعہ: "اوراپنے گواہوں کواللہ کےسوامدد کے لئے لاؤ"۔

(3) نداءسورہ بنی اسرائیل آیت نمبر-71

ترجمہ:"جس روز ہم تمام لوگوں کوان کے ساتھ بلائیں گے"۔

(4) نداءسورہ بنی اسرائیل آیت نمبر-52

ترجمہ:"جس روز وہ تم کوپکارے گاپس تم اس کی حمد کے ساتھ لبیک کہو گے"۔

(5) <u>نام لے کرپکارنا</u>:سورہ الحجرات،آیت نمبر- 2

ترجمہ:"تم آپس میں رسول (خاتم النبیین ﷺ) کواس طرح (نام لے کر) نہ پکاروجس طرح تم ایک دوسرے کوپکارتے ہو"۔

اس طرح ندا کرنا کسی طرح بھی شرک نہیں ہے ۔

نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت اور یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کہنا

دور حاضر میں اسلام کی ہر بات پر طعن و تشنیع کی جا رہی ہے۔ بعض لوگ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور اولیا کرام رحمۃ اللہ سے متعلقہ امور پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔

نعرہ رسالت، نعرہ حیدری، اور نعرہ غوثیہ پر بھی شرک اور بدعت کا فتویٰ ہے۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ جو لوگ مندرجہ بالا نعروں کو شرک اور بدعت کہتے ہیں وہ خود نعرہ تکبیر کے علاوہ اپنے مولویوں اور لیڈروں کے لیے ''زندہ باد'' کے نعرے لگاتے ہیں یہ نعرے گلے پھاڑ پھاڑ کر لگائے جاتے ہیں۔ ایسے نعروں کے وقت انہیں کبھی خیال نہیں آتا کہ وہ بدعت کا ارتکاب کر رہے ہیں یا سنت کا۔

یقینا جاننا چاہیے کہ نعرہ رسالت اگر بدعت ہے تو نعرہ تکبیر ہیت کزائیہ (موجودہ طریقے سے) بدعت ہے اس لیے کہ خیر القرون کے بعد صدیوں تک اس نعرہ کا پتہ نہیں چلتا۔ کہ مقرر کی تقریر یا کسی معظم شخصیت کی آمد یا دوسرے معملات کے وقت پہلے ایک شخص زور سے پکارے۔ ''نعرہ تکبیر'' پھر اس کے بعد دوسرے چلا کے کہیں ''اللہ اکبر''

ہاں خیر القرون و دیگر ادوار میں صرف اتنا ہوتا تھا کہ کسی خوش کن امر اور تعجب ناک یا عظمت الٰہی پر مبنی کوئی فعل دیکھ کر یا سن کر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ یا صحابی یا کوئی اور صاحب فرماتے ''اللہ اکبر''۔ پھر دوسرے بھی کبھی ایک دو ساتھ مل کر کہتے اور کبھی نہیں بھی کہتے۔ اور یہ چلا کر ''اللہ اکبر'' نہیں کہا کرتے تھے۔ بس زیادہ سے زیادہ طبعی طور پر بالجہر جیسا کہ غزوہ خندق کے موقع پر ہوا اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے طلاق ازواج مطہرات کی غلط خبر پر ''اللہ اکبر'' کہا۔

اس معنی پر نعرہ تکبیر میں مندرجہ ذیل بدعات ثابت ہوئیں

(1) اللہ اکبر کو نعرہ تکبیر سے تعبیر کرنا　　(2) ایک بندہ نعرہ تکبیر کہے اور دوسروں کا اللہ اکبر کہنا

(3) نعرہ تکبیر کہنے والے کا چلا کر کہنا　　(4) جواب دینے والے کا طبعی آواز سے بڑھ کر اللہ اکبر پکارنا

(5) تقاریر اور واعظ کے درمیان وقفوں میں نعرہ لگانا

(6) آنے والے معززین کے استقبال کے لئے نعرہ لگانا وغیرہ وغیرہ۔

جب مندرجہ بالا امور نعرہ تکبیر میں جائز ہیں تو پھر نعرہ رسالت اور دوسرے نعروں پر شرک یا بدعت کا فتویٰ کیوں؟

نعرہ رسالت کی مسنونیت:

نعرہ رسالت خیر القرون میں مروج تھا چنانچہ مسلم شریف جلد دوئم باب حدیث الہجرۃ میں حضرت براءؓ کی روایت ہے کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ پاک میں داخل ہوئے تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہوگئے اور نعرے لگاتے تھے۔ ''یا محمد یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) یا محمد یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) اس حدیث سے نعرہ رسالت کا صراحتاً ثبوت ہوا نیز معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرامؓ نعرہ لگایا کرتے تھے۔ اس حدیث ہجرۃ میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جلوس بھی نکالا ہے اور جب بھی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لائے تو اہل مدینہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے استقبال کے لیے جلوس کی شکل میں حاضر ہوتے تھے۔

میدان جنگ میں نعرہ رسالت:

فتوح الشام ص 172 مطبوع مصر میں ہے کہ میدان جہاد میں حضرت کعب بن خمرہؓ عین لڑائی کے وقت پکار رہے تھے یا محمد خاتم النبیین ﷺ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، قطع نظر از ہیت کزائیہ (ایک بندہ زور سے پکارے نعرہ تکبیر دوسرے چلا کر کہیں اللہ اکبر وغیرہ) جس طرح نعرہ تکبیر سنت ہے ایسے ہی نعرہ رسالت بھی سنت ہے۔

اگر ہیت کزائی کو مدنظر رکھا جائے تو نعرہ رسالت کی طرح نعرہ تکبیر بھی بدعت ہے۔ تو یہ ناانصافی اور بدیانتی ہے کہ نعرہ تکبیر ہیت کزائی جائز بلکہ ضروری اور نعرہ رسالت شرک اور حرام اور بدعت بلکہ اس پر جھگڑے اور فساد زمانہ فاروق اعظم میں صحابہ کرامؓ میدان جنگ میں یا رسول اللہ پکارا کرتے تھے (فتوح الشام)

تصور محبوب اور ذکر محبوب سن کر فرط محبت میں یا رسول اللہ پکارنا سنت صحابہ کرامؓ ہے اور ایسے تصورات میں ڈوب کر اور محض عشق و محبت کے نشہ میں سرشار ہو کر یا محمد، یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہنا بالکل جائز ہے۔ (فیض الباری۔ فتاوٰی رشیدیہ اور امداد الفتاوٰی)

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ پر یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کہنا جائز ہے اور دور سے جائز نہیں کیونکہ ہم کہاں مدینہ کہاں؟

ان کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ انبیاء کرام کی طاقت کو اپنی طاقت پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام دور سے چیونٹی کی آواز سن سکتے ہیں تو ہمارے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جو سب نبیوں سے زیادہ علم واختیار رکھتے ہیں وہ دور سے اپنے امتیوں کی پکار کو کیوں نہیں سن سکتے؟

''جلاء الافہام صفحہ 53 مصنف ابن قیم'' میں ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''کوئی کہیں سے بھی درود پاک پڑھے مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے اور یہ دستور بعد وفات بھی رہے گا''۔ ''انیس الجلیس'' صفحہ 122 میں ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں تمہارا درود شریف بلا واسطہ خود سنتا ہوں''۔

''دلائل الخیرات شریف'' میں ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں اہل محبت کا درود پاک سنتا ہوں''۔ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ امت کا درود پاک سنتے ہیں تو امت کی پکار بھی سنتے ہیں۔

مولانا عبدالحیؒ نے اپنے فتاوٰی صفحہ 43 جلد 1 میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ:

''لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا حالانکہ میں شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے پروردگار کی تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا حالانکہ میں شکم مادر میں تھا''۔

جب آپ خاتم النبیین ﷺ شکم مادر میں فرشتوں کی تسبیح کی آواز سنتے تھے تو آپ خاتم النبیین ﷺ ہماری پکار کو کیوں نہیں سن سکتے؟

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت کے بہت سے اولیا کرام رحمۃ اللہ کے علاوہ بہت سی اللہ تعالٰی کی مخلوق دور سے سنتی ہے۔

زمانہ رسالت خاتم النبیین ﷺ میں نعرہ تکبیر کا نمونہ

616ء میں قصر کسریٰ کے فتح کے موقعہ پر جب کسریٰ کا قصر ابیض تھوڑے فاصلے پر دکھائی دینے لگا تو حضرت ضرار بن الخطابؓ نے دیکھتے ہی کہا ''اللہ اکبر'' ''ابیض کسریٰ ھذا ما وعد اللہ ورسولہ'' اللہ تعالٰی کی بڑی شان ہے یہ شاہ ایران کا وہی سفید محل ہے جس کے فتح ہونے کا اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے مسلمان سپاہیوں نے بھی کہا ''اللہ اکبر''۔ پھر تمام (برابر نعرے لگاتے رہے) برابر اللہ اکبر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ (تاریخ الامم والملوک ص 3 کامل ابن کثیر صفحہ 354 جلد 2)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خیر القرون (صحابہ وتابعین کا زمانہ) میں مروجہ نعرہ تکبیر نہ تھا بلکہ صرف ایک نے اللہ کہا تو سب نے بیک زبان نہیں بلکہ فرداً فرداً اللہ اکبر کہا۔ (ما بہ الکفایہ)

اب ہم خوشی کے موقعہ پر نعرہ تکبیر، نعرہ رسالت، یا نعرہ حیدری لگائیں تو یہ سب جائز ہیں۔

الصّلوٰۃ والسّلامُ علیک یا رسول اللہ

الصّلوٰۃ والسّلامُ علیک یا شفیع المذنبین

الصّلوٰۃ والسّلامُ علیک یا امام المتقین

****

نعرہ رسالت اور چھ ستمبر 1965 کی جنگ

(جنگ پاک و ہند)

اس جنگ کا نام لے کر ہی پی ایل پاکستان فخر کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ یہ فتح نصیب ہوئی۔نعرہ یا رسول اللہ سے ستمبر 1965 کے وہ سترہ دن جنہیں اللہ تعالیٰ نے برکات محمدی خاتم النبیین ﷺ کے جلوے میں طلوع کیا۔

6 ستمبر کو ہمارے پڑوسی ملک بھارت نے اپنے طور پر انتہائی اعتماد سے خوب سوچ سمجھ کر بڑی طاقتوں کے مشورے سے بغیر الٹی میٹم دیئے چپ چاپ رات کے خوابناک لمحوں میں اپنے سے بہت چھوٹے ملک پاکستان پر حملہ کر دیا پھر مسلمان جلال میں آ گیا۔جلال میں آنا اور ایمانی قوت دکھانا مسلمان کی چودہ سو سالہ پرانی عادت ہے۔اور مسلمان چودہ سو سال سے انسانی ارتقاء کی تاریخ میں ایسے کرشمے کرتے چلے آئے ہیں۔

6 ستمبر کی صبح کو جب مشرقی سرحد پر دھما کہ خیز آوازوں نے پاکستانی قوم کو چیلنج کیا تو غفلتوں اور گناہوں میں ڈوبی ہوئی یہ قوم اچانک اپنے رب کی یاد میں مستغرق ہوگئی۔مسجدیں نمازیوں سے بھر گئیں۔لوگ جوش جہاد میں دیوانے ہوگئے صدر مملکت سے لے کر عام آدمی تک ہر ایک کی زبان پر اللہ کا نام تھا۔اور دلوں سے دعائیں نکل رہی تھیں۔ان چند دنوں میں بارہ کڑور عوام کی قوم نے اتحاد اور اتفاق اور جذبہ ایمانی کا جو ثبوت دیا۔تاریخ میں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

میجر شفقت بلوچ بیان کرتے ہیں کہ ''ہم دشمن کے مقابلے میں آئے تو ہمیں محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے سروں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ہم ایک گولی چلاتے تھے لیکن اس سے دس دشمن ہلاک ہوتے تھے۔یہ دیکھ کر ہمارے حوصلے بلند ہوگئے۔ہمارے عزائم میں ایک نئی روح آ گئی۔اور دشمن کو ملیا میٹ کرنا ہمارے لیے قطعی مشکل نہ رہا''۔

نعرہ تکبیر:۔

8 ستمبر کو جب ہندوستان مکاری سے چونڈہ کے قریب پہنچ گیا تو میجر محمد حسن ملک کی ڈیوٹی لگی کہ وہ ٹینکوں کی مدد سے دشمن پر جوابی حملہ کر کے اسے پسپا کر دے۔میجر محمد حسن اور اس کے بہادر ساتھی اشارہ پاتے ہی دشمن پر ٹوٹ پڑے اور انہیں گڈ گور تک دھکیل دیا۔یہ معرکہ گرم تھا کہ اتفاق سے میجر محمد حسن اور ان کے ساتھی دشمن کے ٹینکوں میں گھر گے۔میجر نے پوری آواز سے نعرہ بلند کیا''اللہ اکبر''اور اس کے ساتھ ہی تمام ساتھیوں نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کرنا شروع کئے ہندوستانی سپاہی نعرہ تکبیر سن کر گھبرا گئے اور اپنے مضبوط مورچوں سے ٹینکوں سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے۔اور اپنے ٹینک اور بے شمار لاشوں کے علاوہ اپنا آپریشن آڈر بھی میدان ہی میں چھوڑ گئے جو بعد میں ہمارے فوجیوں کے بہت کام آیا۔

نعرہ رسالت:۔

روزنامہ جنگ راولپنڈی 12 اکتوبر 1965 کی اشاعت میں رقم طراز ہے کہ پاکستانی افواج نے یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اور یا علیؑ کے نعرے لگاتے ہوئے بھارتی ٹڈی دل فوج کو بری طرح شکست دی ہے۔

اس معرکہ میں نبی آخرالزماں خاتم النبیین ﷺ اور حضرت علیؑ شیر خدا مجاہدین کے سروں پر موجود تھے۔12 سو میل لمبے محاذ پر سبز کپڑوں والے مجاہد۔سفید لباس میں ایک بزرگ اور گھوڑے پر سوار ایک جری دیکھے گئے۔چونڈہ کے نزدیک ایک نورانی خاندان کو مجاہدین کی امداد کرتے دیکھا گیا۔سرگودھا کے ہوائی اڈے پر ایک بزرگ کو اپنی جھولی میں بم لیتے دیکھا گیا۔

لاہور، ظفروال، چونڈہ اور سیالکوٹ میں اکثر غازیوں کو شاباش دی گئی اور بعض مقامات پر یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اور یا علیؑ کے نعرے سنے گئے۔مختلف محاذوں سے ان محیّر العقول اور ایمان افروز کرشموں کی اطلاعات ملتی رہیں ان کرشموں اور محیّر العقول واقعات کا اعتراف مسلمان جوانوں، مجاہدین شہریوں کے علاوہ بھارت کے جنگی قیدیوں نے بھی کیا ہے۔

پر اسرار فوج:۔

بریگیڈیر عبدالحی ملک کا بیان ہے کہ چونڈہ کے محاذ کے قیدیوں نے انکشاف کیا کہ انہیں رات کو میدان جنگ میں اسلامی لشکر نظر آیا تھا جو ہاتھوں میں برہنہ تلواریں لیے ہم پر ٹوٹ پڑے۔اور ان تلواروں سے آگ کے شعلے برستے تھے۔اس حیرت انگیز اسلامی لشکر میں بعض سپاہی گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور بعض پیدل ہمیں سب سے زیادہ نقصان اس پر اسرار فوج نے پہنچایا جن پر نہ ہمارے گولے اثر انداز ہوتے تھے اور نہ ہمارے ٹینک وغیرہ۔

نامعلوم ہتھیار :۔

مولانا محمد افسر الحق جو علی گڑھ کے سند یافتہ ہیں۔ وہ جنگ کے دنوں میں ریلی میں تھے۔ان کی ڈیوٹی دوران جنگ زخمی فوجیوں کے جنرل کیمپ میں لگادی گئی تھی۔ان کا بیان ہے کہ ویلی ریلوے اسٹیشن پر ایک دن میں ڈیڑھ سو سے زائد ریل گاڑیاں زخمیوں سے بھری ہوئی آئیں تھیں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اکثر زخمیوں کے دونوں بازو اور دونوں ٹانگیں یا ایک طرف کا بازو اور دوسری طرف کی ٹانگ کٹی ہوئی ہوتی تھیں۔ جیسے تلوار سے کاٹی گئی ہوں۔ جو زخمی ہوش میں آجاتے یا بچے رہتے وہ اپنے زخمی ہونے کے متعلق صرف اتنا بتاتے کہ ''پاکستان نے کوئی نامعلوم ہتھیار اس قسم کا ایجاد کیا ہوا ہے جس سے بازو اور ٹانگیں کٹ جاتی ہیں اور باقی جسم بچ جاتا ہے۔

عینی شاہد کا بیان

ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ "میں نے پاک فوج کے غازیوں کے جگمگاتے ہوئے نورانی چہرے دیکھے ہیں۔میں نے دشمن کے آگ و آہن کے طوفان میں انہیں اللہ اکبر۔ یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یا علیؓ کے نعروں کے ساتھ چھلانگیں لگاتے دیکھا ہے۔میں نے موت کو ان کے آگے آگے بھاگتے اور آسمان سے ان پر پھولوں کی بارش برستے دیکھی ہے۔وہ ماؤں کے لعل تھے بہنوں کے ہیرے موتی۔وہ بیویوں کے سہاگ تھے اور اپنے پیارے بچوں کے باپ اور سروں کے سائے۔لیکن اس وقت وہ صرف اللہ کے شیر تھے۔میں نے دشمنوں کے جنگل میں ان شیروں کی دل ہلا دینے والی دھاڑیں سنی ہیں۔وہ اللہ کے سپاہی اس وقت اللہ کے دین کی عزت ،غیرت اور حرمت پر شہید ہو رہے تھے۔میں نے دیکھا کہ بندہ،مومن کا ہاتھ کیسے بنتا ہے؟۔اور پھر اس کی ضرب،ضرب آفرین کیسے بنتی ہے؟اس روز میں نے اس عالم فانی کا سب سے بڑا کرشمہ دیکھا۔میں نے آگ کو گلزار میں بدلتے اور موت کو زندگی کا روپ دھارتے دیکھا۔میں نے دیکھا کہ قرآن کے اوراق میں جب بندہ مومن کا خون گردش کرنے لگتا ہے تو دشت وجبل اس کی للکار سے کس طرح تھر تھرا کر ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں وہ بڑی ہی عجیب گھڑی تھی تاریخ کے چودہ سو سال سمٹ کر میدان بدر و کربلا میں چمکتی تلواروں کے سائے میں آگئے تھے۔ایک جانب وہی جبر کی یلغار تھی اور دوسری جانب وہی ایک اللہ،ایک رسول،ایک قرآن کی عظمت کی للکار یارسول اللہ اور اللہ اکبر کے نعروں میں اندھیروں کو پھاڑ دینے والی ضیا پاشیاں تھیں کفار کی عبرت انگیز ہلاکت تھی اور بندہ مومن کی ایمان افروز شہادت ،مشین گنوں اور رائفلوں پر جمے ہوئے ہاتھوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والی تلوار اپنے چودہ سو سالہ نیام میں سے بجلی کی طرح لپک کر باہر آگئی تھی۔اور کفر والحاد کی گھٹاؤں کو پاش پاش کر رہی تھی قرآن کی تلاوت یا جبروت کی آوازیں تھیں اور اللہ اکبر، یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اور یا علیؓ کے نعرے"۔ (بی۔آر۔بی نہر ماخوذ تبصرہ)

الغرض جنگ ستمبر 1965 میں اللہ تعالیٰ کی بے انتہا کرم نوازی اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی بے انتہا شفقت۔محبوبان خدا کی زبردست اعانت اور مجاہدین کی بے لوث قربانیوں کے بیش بہا تذکروں سے اخبارات اور رسائل بھرے پڑے ہیں۔اس سچی تاریخ سے ہی سبق ملتا ہے کہ ہماری قوت اور کامیابی کا راز توکل علی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ اور دامن مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ سے وابستگی میں ہے۔

شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

(رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ رجب المرجب صفحہ 1)

****

نذر و نیاز اور تعزیہ داری

سوال نمبر 1:

(الف): مروجہ تعزیہ داری جائز ہے یا ناجائز؟

(ب): علم اور شدّے نکالنا نیز تعزیہ کو شب عاشورہ گلی کوچوں میں گشت کرانا پھر اسے دسویں محرم کو مصنوعی کربلا میں لے جا کر دفن کرنا نیز تعزیہ داری، علم اور شدّے کی اصل کیا ہے؟

جواب:

(الف): تعزیہ داری مروجہ ہند ناجائز، بدعت سیئہ اور حرام ہے۔

(ب): علم، شدّے اور تعزیہ داری سب حرام ہیں۔

سوال نمبر 2: ڈھول، تاشے اور شدّے وغیرہ کو مسجد وغیرہ میں رکھنا کیسا ہے؟ اور ان کو مسجد کے باہر پھینکنے والا ثواب پائے گا؟

جواب: یہ سب واہیات اور خرافات چیزیں ہیں۔ یہ جہاں بھی رکھی جائیں گی گناہ ہے۔

امام عالی مقام کی نذر و نیاز کرنا، سبیل لگانا۔ ان کے لیے دلیم (حلیم) وغیرہ پکوا کر نیاز لگانا اور شربت وغیرہ پلانا باعثِ ثواب اور باعثِ برکت ہوتا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ؄ سے روایت ہے کہ وہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے تو ان کے لیے کون سا صدقہ افضل ہے"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "پانی" (بہترین صدقہ ہے)"۔ تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ارشادات کے مطابق حضرت سعد؄ نے کنواں کھدوایا اور اپنی ماں کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ''یہ کنواں سعد؄ کی ماں کے لیے ہے'' یعنی اسکا ثواب ان کی روح کو ملے۔ (مشکوۃ ص 164)

اِس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین؄ اور دیگر شہدائے کربلا کو ثواب پہنچانے کی غرض سے سبیل لگانا، کھانا وغیرہ پکانا اور پھر یہ کہنا کہ یہ سبیل امام حسین؄ کی ہے اِس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ جیسا کہ جلیل القدر صحابی؄ نے کنواں کھدوایا اور کھدوانے کے بعد فرمایا یہ کنواں سعد؄ کی ماں کے لیے ہے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی؅ تحریر فرماتے ہیں ''جو کھانا حضرت حسین؄ کریمین کو نیاز کریں۔ اس پر فاتحہ اور درود شریف پڑھنے سے تبرک ہو جاتا ہے اور اس کو کھانا بہت اچھا ہے''۔ (فتاوٰی عزیزیہ ص 78 جلد اول)

اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اگر ملیدہ اور چاولوں کی کھیر کسی بزرگ کے فاتحہ کے لیئے ایصالِ ثواب کی نیت سے پکا کر کھلائے تو کوئی مضائقہ نہیں جائز ہے''۔ (فتاوٰی عزیزیہ جلد اول صفحہ 50)

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں ''اگر فاتحہ کسی بزرگ کے نام پر کی جائے تو مالداروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے''۔ (فتاوٰی عزیزیہ جلد اول صفحہ 150)

البتہ تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا اور مٹھائی وغیرہ نہیں کھانا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی؅ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت امام حسین؄ کے نام کی نیاز کھانی چاہیے اور تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا نہیں کھانا چاہیے۔ پھر دو سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ''کسی چیز کو تعزیہ پر چڑھانے سے (رکھ دینے سے) حضرت امام حسین؄ کی نیاز نہیں ہو جاتی۔ اور نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھے ہوئے پر نیاز دلائیں تو کھانے سے احتراز کرنا چاہیے''۔ (رسالہ تعزیہ داری ص 5)

****

تعزیہ داری علمائے اہل سنت کی نظر میں

1۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ:

تعزیہ داری بدعت ہے اور بدعت سیّہ ہے۔ یہ زیارت کے قابل نہیں بلکہ اس قابل ہے کہ اسے نیست و نابود کر دیا جائے۔ کسی طرح تعزیہ داری کی مدد کرنا کیسا ہے؟ اس کے جواب میں شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ بھی جائز نہیں اس لیے کہ یہ گناہ پر مدد ہے اور گناہ پر مدد نا جائز ہے"۔ (فتاوٰی عزیزیہ ص 75 جلد 1)

2۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلویؒ:

تعزیہ کی اصل اس قدر تھی کہ روضہ "پرُنور" حضرت حسینؓ کی صحیح نقل بنا کر بہ نیت تبرک مکان میں رکھا جائے۔ اس میں شرعاً کوئی حرج نہ تھا۔ مگر جہان بے خرد نے اس اصل کو بالکل نیست و نابود کر کے صدہا خرافات تراشیں اول تو نقش تعزیہ میں روضہ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی۔ پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں بے ہودہ طمطراق، کوئی اس کا طواف کرتا ہے، کوئی سجدہ اور کوئی اس کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام عالی مقام جان کر مرادیں اور منتیں مانتا ہے اور اسی کو حاجت روا جانتا ہے۔ پھر باجے، تماشے، ڈھول۔ غرض پہلی شریعتوں سے اس شریعت تک عشرہ محرم الحرام نہایت بابرکت و محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا۔ اور اب اِن بے ہودہ باتوں نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا ہے۔ یہ تعزیہ داری قطعاً بدعت، ناجائز اور حرام ہے۔ ہاں اگر اہل اسلام جائز طور پر حضرات شہداء کربلا کی ارواح کو ایصال ثواب کی سعادت پر اختصار کرتے تو کس قدر خوب اور محبوب تھا۔ اور اگر نظر شوق و محبوب میں نقل روضہ انور کی بھی حاجت تھی تو اس قدر جائز پر قناعت کرتے کہ صحیح نقل بغرض تبرک وزیارت مکانوں میں رکھتے۔ نوحہ زنی اور ماتم سے بچتے اس قدر میں بھی کوئی حرج نہ تھا۔ اور تحریر فرماتے ہیں تعزیہ ممنوع ہے۔ شرع میں اس کی کچھ اصل نہیں اور جو کچھ بدعات اس کے ساتھ کی جاتی ہیں سخت ناجائز ہیں۔ تعزیہ پر جو مٹھائی چڑھائی جاتی ہے۔ اگرچہ حرام نہیں مگر اس کے کھانے میں جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز کی وقعت بڑھانے اور اس کے ترک میں اس سے نفرت دلانی ہے۔ لہٰذا نہ کھائی جائے۔ اِس لیئے 1۔ ڈھول بجانا حرام ہے۔ 2۔ تعزیہ کی تعظیم بدعت ہے۔ 3۔ تعزیہ بنانا ناجائز ہے۔ (فتاوٰی رضویہ ص 189 جلد 10 فتاوٰی رضویہ ص 258 جلد 3۔ فتاوٰی رضویہ ص 186 جلد 6)

3۔ حضرت علامہ امجد علیؒ (صدر شریعۃ) (مصنف بہار شریعت):

تعزیہ داری یہ ہے کہ کربلا کے واقعات کے سلسلے میں طرح طرح کے ڈھانچے بناتے ہیں اور ان کو حضرت امام حسینؓ کے روضہ پاک کی شبیہ کہتے ہیں۔ تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے۔ تعزیوں سے منتیں مانی جاتی ہیں۔ سونے چاندی کے علم چڑھائے جاتے ہیں۔ ہار، پھول اور ناریل چڑھائے جاتے ہیں۔ وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ کہتے ہیں۔ تعزیوں کے اندر دو مصنوعی قبریں بناتے ہیں۔ ایک پر سبز غلاف اور دوسرے پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں۔ سبز غلاف والی کو حضرت امام حسنؓ کی قبر اور سرخ غلاف والی کو حضرت امام حسینؓ کی قبر یا شبیہ قبر بتاتے ہیں اور وہاں شربت اور ملیدے وغیرہ پر ختم دلاتے ہیں۔ پھر یہ تعزیہ دسویں تاریخ کو مصنوعی کربلا میں لے جا کر دفن کرتے ہیں گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر آئے۔ پھر تیجا، دسواں اور چالیسواں سب کچھ کیا جاتا ہے اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے۔ حضرت قاسمؓ کی مہندی نکالتے ہیں۔ گویا ان کی شادی ہو رہی ہے اور مہندی رچائی جائے گی اور اس تعزیہ داری کے سلسلے میں کوئی ہرکارہ بنتا ہے جس کی کمر سے گھنگرو بندھے ہوئے ہوتے ہیں گویا یہ حضرت امام حسینؓ کا قاصد اور ہرکارہ ہے جو یہاں سے گزر کر ابن زیاد یا یزید کے پاس جائے گا اور وہ ہرکاروں کی طرح بھاگا پھرتا ہے۔ کسی بچے کو فقیر بنایا جاتا ہے اس کے گلے میں جھولی ڈالتے ہیں اور گھر گھر اس سے بھیک منگواتے ہیں کوئی سقہ بنایا جاتا ہے چھوٹی سی مشک اس کے کندھوں سے لٹکتی ہے گویا یہ دریائے فرات سے پانی بھر کر لائے گا۔ کسی علم پر مشک لٹکتی ہے اور اس پر تیر لگا ہوتا ہے گویا یہ حضرت عباسؓ علمدار ہیں جو فرات سے پانی لا رہے ہیں اور یزیدوں نے مشک کو تیر سے چھید دیا ہے۔ اسی قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں اور یہ سب لغو اور خرافات ہیں۔ ان باتوں میں سے کسی بات سے ہرگز حضرت امام حسینؓ خوش نہیں ہو سکتے۔

یہ غور کرنے والی بات ہے کہ انہوں نے تو احیائے دین کے لیے قربانیاں دیں اور ہم نے معاذ اللہ اس کو بدعات کا ذریعہ بنا لیا۔ بعض جگہ ایسی ہی تعزیہ داری کے سلسلے میں براق بنایا جاتا ہے۔ جو عجیب قسم کا مجسمہ ہوتا ہے۔ کچھ حصّہ انسانی شکل کا ہوتا ہے اور کچھ جانور کا سا۔ بعض جگہ آدمی، ریچھ، بندر اور لنگور بنتے ہیں جو کودتے پھرتے ہیں۔ اِسی سلسلہ میں نوحہ و ماتم بھی ہوتا ہے۔ سینہ کوبی ہوتی ہے۔ بلکہ بعض زنجیروں اور چھریوں سے ماتم کرتے ہیں۔ خون بہنے لگتا ہے۔ تعزیوں کے پاس مرثیہ پڑھا جاتا ہے اور تعزیہ جب گشت کو نکلتا ہے تو اس کے آگے آگے مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ مرثیے میں غلط واقعات نظم کئے جاتے ہیں۔ اِس میں بعض سُنی بھی شامل ہو جاتے ہیں انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ یہ سب کام ناجائز اور گناہ کے ہیں۔ (بہار شریعت ص 248 جلد 2 حصّہ 16)

زیارت قبور

زیارت قبور باعث اجر وثواب ہے۔ آئمہ حدیث وتفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام مسلمانوں کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورت زیارت قبور کی اجازت ہے۔ بلکہ بعض فقہا کے نزدیک حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے روضہ انور کی زیارت واجب کے درجے میں شامل ہے۔

زیارت کا لغوی معنی اور مفہوم: لفظ زیارت مصدر بھی ہے اور اسم بھی ہے۔ جس کے معنی کسی جگہ دوست احباب سے ملنے کے لئے جانا۔ یا حصول برکت کے لئے جانا۔ عرف عام میں زیارت سے مراد کسی شخص کے ادب واحترام اور اس کی محبت کی بنا پر اس سے ملاقات کے لیے جانا۔ اسی سے مراد مزار ہے جس کے معنی وہ جگہ جس کی زیارت کی جائے۔ اسی سے مراد زائر بھی ہے جس کے معنی زیارت کے لئے جانے والا شخص یا ملاقاتی۔

زیارت کا شرعی مفہوم: قرآن وحدیث کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ذوات عالیہ اور مقامات مقدسہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی نعمت ورحمت سے نوازا ہے اور ان کو دیگر مخلوق پر ترجیح دی ہے ان بابرکت ذوات اور اماکن مقدسہ پر حاضری کے لئے جانا مشروع، مسنون، مندوب اور مستحب عمل ہے عرف عام میں اس کو زیارت کہتے ہیں۔

زیارت کی اقسام: دین اسلام میں زیارت کا اس قدر جامع تصور ہے کہ ہر واجب الاحترام شخصیت، متبرک چیز اور مقام کو صرف اور صرف دیکھنا ہی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''والد کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ قرآن حکیم کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور اپنے بھائی کی طرف رضائے الٰہی کے لئے محبت کی نگاہ سے دیکھنا بھی عبادت ہے"۔ (بیہقی شعب الایمان 187:7، رقم 8760)

ذیل میں ہم اس حدیث سمیت دیگر نصوص کی روشنی میں زیارت کی اقسام کا ذکر کر رہے ہیں جن میں سرفہرست زیارت رسول خاتم النبیین ﷺ ہے۔

1۔ زیارت رسول خاتم النبیین ﷺ: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی حیات مبارکہ میں بحالت ایمان آپ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کرنا افضل ترین عمل تھا۔ ایمان کی حالت میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کرنے والے خوش نصیب لوگوں کو ہی مرتبہ صحابیت پر فائز ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ یہ اتنا عظیم شرف اور امتیاز ہے جس پر قیامت تک کوئی اور شخص فائز نہیں ہوسکتا۔ بے شک وہ پوری زندگی عبادت اور ریاضت میں صرف کر دے۔ اس خوش نصیب شخص کے لئے خود نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا (یعنی صحابی) یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا (یعنی تابعی) اس طرح بعد از وصال زیارت رسول خاتم النبیین ﷺ کی شرعی حیثیت پر بھی امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اپنے حبیب کی بارہ گاہ میں حاضری کا حکم فرمایا ہے۔ سورہ نساء پارہ 4 آیت نمبر 64

ترجمہ: ''اور (اے حبیب) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور آپ خاتم النبیین ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ سے شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا اور نہایت مہربان پاتے۔''

درج بالا آیت مبارکہ سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس کا اطلاق صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی حیات مبارکہ تک تھا بلکہ جس طرح قرآن پاک کے تمام احکام قیامت تک کے لیے ہیں اسی طرح اس آیت مبارکہ کا اطلاق بھی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات مطہرہ پر قیامت تک کے لیے ہوگا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنے روضہ اطہر کی زیارت کے حوالے سے ارشاد فرمایا۔ جسے عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔'' (سنن الدار قطنی 278:2)

2۔ زیارت اولیاء وصالحین: اللہ تعالیٰ کے مقرب ومحبوب بندوں کی زیارت وملاقات کے لئے جانا عنداللہ محبوب عمل ہے۔

1۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ سلام کو حضرت خضر علیہ سلام کی زیارت اور ان کی صحبت سے مستفید ہونے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ حضرت خضرؑ کا شمار اللہ تعالیٰ کے صالحین اور مقرب بندوں میں ہوتا ہے۔ جس سبب سے حضرت موسیٰؑ کو ان کے علم سے استفادہ کے لئے خصوصی طور پر بھیجا گیا۔ اولیا وصالحین کی زیارت کرنا مسنون ہے (سورہ کہف)

2۔ سیدنا ثوبانؓ سے مروی ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرنے کے لئے جاتا ہے تو وہ واپس آنے تک جنّت کے باغوں میں رہتا ہے''۔ (مسندِ احمد، جلد ۹، حدیث نمبر ۹۴۶۷)

3۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں میں رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تھا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''جنّت میں یاقوت کے ستون ہیں۔ ان پر زمرد کے بالا خانے ہیں، ان کے دروازے کھلتے ہیں۔ وہ چمکدار ستارے کی طرح چمکتے ہیں ''۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ ان میں کون لوگ رہیں گے؟'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے، اللہ کی خاطر آپس میں ہم نشینی اختیار کرنے والے اور اللہ کی خاطر آپس میں ملاقات کرنے والے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح، جلد سوئم، حدیث نمبر 5026)

3۔ زیارت اَماکنِ مقدسہ: شریعت اسلامیہ میں مقدس مقامات کی زیارت کو جانے کی بھی اجازت ہے ان بابرکت مقامات میں روئے زمین کی تمام مساجد۔ خصوصاً مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ، مسجد قباء اور بعض مقدس مقامات مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، فلسطین، شام اور یمن شامل ہیں۔ علاوہ ازیں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ دیگر انبیاء کرام علیہ السلام، اولیا کرامؒ کے مقامات ولادت اور وصال کی زیارت کرنا بھی از روئے شرع جائز ہے۔

4۔ زیارت والدین: ایک اسلامی معاشرے میں والدین کا مقام و مرتبہ اتنا اونچا اور بلند ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں اپنے شکر کے ساتھ ہی والدین کے شکر کا بھی حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورہ لقمان آیت ۱۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "تو میرا بھی شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی (تجھے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے''۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''کوئی بھی سعادت مند بیٹا اپنے والدین کی طرف نظر رحمت سے دیکھے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر بار دیکھنے کے بدلے مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے''۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اگر چہ کوئی شخص ہر روز ایک سو مرتبہ والدین کی زیارت کرے تو بھی اتنا ہی اجر ملے گا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''(ہاں ایسا ہی ہر مرتبہ ثواب ملے گا کیونکہ) اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتیں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں''۔(مشکوٰۃ شریف جلد سوئم، حدیث ۴۹۴۴)

حضرت محمد بن نعمانؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے ہر جمعۃ المبارک کو اپنے والدین میں سے دونوں یا کسی ایک کی قبر کی زیارت کی تو اس کی بخشش کر دی جاتی ہے اور اس کا نام نیکوکاروں میں لکھ دیا جاتا ہے "(مشکوٰۃ المصابیح، جلد اوّل، حدیث نمبر 1768)

5۔ زیارت احباب و متعلقین: کسی شخص کا اپنے عزیز و اقارب، دوست احباب اور ہمسائیوں کی ملاقات اور زیارت کے لئے جانا سنت رسول خاتم النبیین ﷺ سے ثابت ہے۔

1۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے ''حضور پاک خاتم النبیین ﷺ انصار کے خواص وعام کو اکثر شرف ملاقات بخشا کرتے تھے۔ جب کسی خاص آدمی سے ملاقات ہوتی تو اسے اپنے دولت کدے پر بلالاتے اور جب عام لوگوں سے ملاقات ہوتی تو مسجد میں تشریف لے آتے ''۔(مسند احمد، جلد 11 حدیث نمبر 11551)

2۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی بیمار کی عیادت کے لئے جائے یا محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے کسی دینی بھائی کی زیارت کے لئے جائے تو اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے تو پاک ہوا تیرا ملنا مبارک ہو تو نے جنت میں اپنا گھر بنا لیا ہے''۔(سنن ابن ماجہ، جلد دوئم، حدیث ۱۴۴۳)

3۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے کسی مسلمان بھائی کی ملاقات کے لئے جاتا ہے تو آسمان سے ایک فرشتہ پکارتا ہے۔ تو پاکیزہ ہو گیا۔ تجھے جنت مبارک ہو'' اور اللہ تعالیٰ اپنے عرش کی بادشاہی میں ارشاد فرماتا ہے۔ ''میرا بندہ میری خاطر اپنے بھائی کی ملاقات کے لئے آیا ہے اب اس کا اعزاز و اکرام میرے ذمہ ہے۔ اس کے بدلے میں میں اس کے لئے جنت کے علاوہ کسی اور بدلہ پر راضی نہ ہوں گا''۔(السلسلۃ الصحیحۃ: حدیث نمبر 171)

4۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں جنتی لوگوں کے متعلق نہ بتاؤں''؟ ہم نے عرض کیا ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ضرور ارشاد فرمائیے''۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''انبیاء جنت میں ہوں گے۔ صدیق جنت میں ہوں گے۔ شہید جنت میں ہوں گے۔ نابالغ بچے جنت میں ہوں گے اور وہ شخص جنت میں ہوگا جو محض رضائے الٰہی کے لئے اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کے لئے شہر کے دور دراز محلے میں گیا''۔(السلسلۃ الصحیحۃ حدیث نمبر 1911)

5۔ حضرت ابورزینؓ کا بیان ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اے ابورزین جب مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کو جاتا ہے تو ستر ہزار

فرشتے اس کے ساتھ چلتے ہیں۔ جو اس کے لئے یہ دعا کرتے ہیں۔ یا اللہ جس طرح اس بندے نے تیری رضا کے لئے اپنے بھائی سے ملاقات کی تو بھی اس سے راضی ہو جا''۔ (مشکوٰۃ المصابیح، جلد ۳، حدیث نمبر ۵۰۲۵)

6۔ زیارت قبور: زیارت قبور آخرت کی یاد دلاتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے۔ قبور کی زیارت کرنا باعث اجر وثواب اور تذکیرِ آخرت کا ذریعہ ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا اپنا معمول بھی تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ بقیع قبرستان میں تشریف لے جاتے۔ انہیں سلام کرتے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے۔ (سنن نسائی، جلد اول، حدیث 2041)

زیارت منافی توحید نہیں: کسی عمل کا شرک ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ توحید کی معروف اقسام میں سے کسی ایک کے مقابلے میں آئے ورنہ ہر عمل شرک نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگ مزارات انبیاء کی حاضری و زیارت کو خلاف توحید سمجھتے ہیں اور اسے شرک گردانتے ہیں۔ حالانکہ کسی مزار کی زیارت کرنا اس کا صریح اعلان ہے کہ ہم کسی ایسی ہستی کی قبر کی زیارت کر رہے ہیں جو اس دنیا میں زندہ نہ رہا۔ اللہ کی ذات تو موت سے پاک ہے، وہ حی و قیوم ہے، وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اس ذات قادر و قیوم کے بارے میں موت کا تصور بھی ممکن نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (سورہ البقرہ، آیت نمبر ۲۵۵) اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

ترجمہ: ''اللہ، اس کے سوا، کوئی لائق عبادت نہیں (وہ) ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے (سارے عالم کو اپنی تدبیر سے) قائم رکھنے والا ہے''۔

ہمیشہ زندہ رہنا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ مخلوق میں سے کوئی اس صفت سے متصف نہیں۔ اسی طرح سید العالمین حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی بارہ گاہ کی حاضری بھی اس چیز کا ثبوت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ اللہ کے محبوب نبی ہیں اس کے شریک نہیں ہیں۔

انبیاءؑ واولیاؒ کی حیات میں ان کی زیارت اور ملاقات جس طرح سعادت مندی اور نیکی کے زمرے میں آتی ہے اس طرح ان پاکیزہ سیرت برگزیدہ ہستیوں کی وفات کے بعد ان کی قبور پر حاضری دینا، فاتحہ خوانی کرنا، وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا یا تلاوت قرآن پاک کرنا بلاشبہ ایک مشروع اور مبارک عمل ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین ہستی ہونے کے باوجود جنت البقیع میں زیارت قبور کے لئے باقاعدہ تشریف لے جاتے تھے۔ یہی عمل بعد میں صحابہ کرامؓ اور تابعین اور آئمہ دین کا معمول رہا ہے۔

1۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں "جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ میرے پاس قیام فرما ہوتے تو (اکثر) آپ خاتم النبیین ﷺ رات کے آخری وقت میں بقیع کے قبرستان میں تشریف لے جاتے اور اہل قبرستان سے خطاب کر کے فرماتے ''تم پر سلام ہو اے مومنو جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا وہ تمہارے پاس آ گئی تم بہت جلد اسے حاصل کر لو گے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ بقیع والوں کی مغفرت فرما"۔ (صحیح مسلم، جلد دوئم، حدیث نمبر ۲۲۵۵)

2۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ انہیں سکھایا کرتے تھے کہ جب وہ قبور کی زیارت کے لئے جائیں تو کہیں ''اے اہل دیار مسلمین و مومنین تم پر سلامتی ہو اور ہم بھی ضرور بہ ضرور تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کے طلب گار ہیں''۔ (صحیح مسلم، ج2، ۲۲۵۷)

3۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ مدینہ منورہ کے قبرستان سے گزرے تو قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ''اے اہل قبور تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے پہلے پہنچے اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے والے ہیں''۔ (مشکوٰۃ شریف جلد اول، حدیث نمبر ۱۷۶۵)

زیارت قبور کے حوالے سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سنتیں:

1۔ زیارت قبور کو جانا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا مستقل معمول تھا۔

2۔ مومنوں اور مسلمانوں کے قبرستان میں جا کر انہیں سلام کرنا اپنے لئے، ان کے لئے اور پہلے گزرنے والوں کے لئے عافیت، رحمت اور مغفرت کی دعا کرنا۔

3۔ اہل قبرستان کو مخاطب ہو کر اس بات کا اعادہ کرنا کہ آپ ہم سے پہلے قبور میں پہنچے ہیں اور ہم بھی آپ کے بعد قبور میں آنے والے ہیں۔ (سنن نسائی، جلد 1، حدیث 2041)

زیارت قبور پر مذاہب اربعہ کا موقف: مذاہب اربعہ کے آئمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام مسلمانوں کو خواہ مرد ہو یا عورت زیارت قبور کی اجازت ہے۔

1۔ زیارت قبور پر احناف کا موقف:

1۔ آئمہ احناف میں سے علامہ بدر الدین (شارح صحیح بخاری) کے زیارت قبور کے حوالے سے اقتباس ملاحظہ کریں۔ ''ابن حبیبؒ نے کہا کہ زیارت قبور کرنے

،ان کے پاس بیٹھنے اور قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بے شک حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اسی طرح کیا ہے''۔

2۔ توضیح میں یہ ہے کہ تمام امت کا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے قبرانور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کی قبروں کی زیارت کرنے پر اتفاق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا معمول تھا کہ جب وہ شہر سے لوٹتے تو سیدھے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی قبرانور پر حاضر ہوتے اور کہتے۔ ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ پر سلام ہو اے ابوبکرؓ آپؓ پر سلام ہو اور اے ابا جان آپؓ پر سلام ہو''۔

2۔زیارت قبور پر شافعی موقف: علامہ محمد شربینی خطیب شافعی لکھتے ہیں ''جس قبرستان میں مسلمان مدفون ہوں اس کی زیارت کرنا مردوں کے لئے بالا جماع مستحب ہے پہلے زیارت قبور کی ممانعت تھی بعدازاں یہ ممانعت اس حدیث سے منسوخ ہوگئی جس میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا۔ ''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا اب ان کی زیارت کیا کرو''۔ (سنن ابی داؤد، جلد سوئم، حدیث نمبر 3235) اور عورتوں کے لئے زیارت مکروہ ہے کیونکہ وہاں ان سے رونا دھونا اور آوازوں کو بلند کرنا متوقع ہوتا ہے۔ البتہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی قبرانور کی زیارت کرنا ان کے لئے مندوب ہے۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی قبرانور کی زیارت سب سے بڑی قربت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس حکم زیارت میں دیگر انبیاء اور صالحین اور شہداء عظام کی زیارت کو بھی شامل کرلیا جائے۔

امام نووی شافعی لکھتے ہیں۔ ''مردوں کے لئے قبروں کی زیارت مستحب ہے اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے اس میں دو موقف ہیں۔ ایک موقف جس میں جمہور علماء ہیں کہ عورتوں کے لئے مکروہ ہے اور دوسرا موقف جو راوی کے نزدیک صحیح ترین ہے وہ یہ کہ جب فتنہ سے تحفظ ہو تو مکروہ نہیں "۔

3۔مالکیہ کا موقف: مالکیہ بھی مطلق زیارت کو مندوب (سنت) و مستحسن گردانتے ہیں۔ علامہ دردشرح ایکسیر میں لکھتے ہیں۔ ''زیارت قبور جائز بلکہ مندوب ہے اس چیز کا تعین کئے بغیر کہ کب اور کس وقت زیارت کے لئے جایا جائے اور قبروں کے پاس کتنی دیر ٹھہرا جائے"۔

4۔حنبلی کا موقف: فقہ حنبلی کے مشہور امام ابن قدامہ مقدسیؒ نے زیارت قبر پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ''الکافی'' میں وہ لکھتے ہیں ''مردوں کے لئے قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے کیونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا پس اب تم زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہے۔'' (سنن ابی داؤد، جلد سوئم، حدیث ۳۲۳۵)

عورتوں کا مسئلہ زیارت قبور کو انہوں نے یوں بیان کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے عورتوں کے لئے زیارت قبور کے حوالے سے دو روائتیں مروی ہیں ان میں سے ایک کراہت کے بارے میں ہے کہ حضرت عطیہؓ سے روایت ہے ''حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں زیارت قبور سے منع فرمایا لیکن ہم پر سختی نہیں کی جاتی تھی'' (مسلم)

دوسری روایت میں یہ ہے کہ ''حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔ اب ان کی زیارت کیا کرو''۔ یہ بات ممانعت ختم ہونے اور منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ پس اس عموم (عام کرنے والا) میں مرد و زن دونوں شامل ہیں۔ یعنی مرد اور عورتیں دونوں زیارت کرسکتے ہیں بس عورتوں کو پردے کا خیال رکھنا چاہیے۔

****

تبرک

کسی چیز سے برکت حاصل کرنے کے عمل کولغتاً تبرک کہتے ہیں۔ برکت اور فیض دو(ایسے الفاظ ہیں یا)ایسی کیفیات ہیں جنہیں چھوا اور دیکھا نہیں جاسکتا صرف احساس وشعور کی لطیف پنہائیوں میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔اللہ تعالی جو قادر، قیوم اور تمام برکتوں کا مالک ہے اس نے اپنے محبوب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو نہ صرف دنیا جہان کی برکتوں سے نوازا بلکہ جو چیز آپ خاتم النبیین ﷺ سے منسوب ہوئی وہ بھی بابرکت ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے آثار کو بطور تبرک محفوظ رکھنا اور ان سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کا معمول تھا۔اب تبرک کی اسی حیثیت کو قرآن وحدیث اور صحابہ کرامؓ کے آثار واحوال کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ آئمہ حدیث وتفسیر نے آثار رسول خاتم النبیین ﷺ، انبیاء اور صالحین سے فیوض برکت کا شرعی جواز قوی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

برکت اور تبرک کا لغوی معنی: برکت کے لغوی معنی اضافہ، زیادتی، کثرت، سعادت، خوش بختی کے ہیں۔ برکت کا ہی ایک معنی ''دائمی سعادت اور برکت کا حصول بھی ہے''۔ جیسے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر برکت بھیجتے ہوئے کہا جاتا ہے۔ ''اَللّٰھُمہ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ'' اے اللہ تو حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی آل پر بزرگی اور شرافت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم فرمادے۔امام راغب اصفہانیؒ نے برکت کا ایک معنی ''خیرِ الٰہی'' لکھا ہے یعنی'' برکت کے معنی ہیں کسی شے کے اندر خیرالٰہی کا پایا جانا "۔

تبرک کا شرعی مفہوم: قرآن وحدیث کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ذوات، چیزوں اور مقامات کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی خیر وبرکت سے نوازا ہے اور ان کو دیگر مخلوق پر ترجیح دی ہے۔ان بابرکت ذوات اور اشیاء سے برکت، رحمت اور سعادت چاہنا اور ان کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنا تبرک کے مفہوم میں شامل ہے۔

تبرک کا حقیقی تصور: تبرک کا واسطہ درحقیقت برکت اور فیض حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ جب ہم اپنے اور اللہ تبارک تعالی کے درمیان برکت حاصل کرنے کے لئے کوئی واسطہ قائم کررہے ہوتے ہیں تو چونکہ یہ واسطہ عبادت نہیں ہوتا اس لئے اس میں شرک کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ جیسے مناسک حج ادا کرتے ہوئے حجرِ اسود، رکن یمانی اور مقام ابراہیمؑ کے ساتھ تبرک کا واسطہ اختیار کیا جاتا ہے۔''جب حجرِ اسود سے برکت کا حصول شرک نہیں تو کسی پیغمبر کا واسطہ یا ولی اللہ سے واسطہ تبرک شرک کیسے ہوگا؟''

تبرک کی شرائط: قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ ہر متبرک چیز خواہ وہ کوئی نشانی ہو، جگہ یا کوئی ذات، شرعاً ان کو وسیلہ بنانا جائز ہے تاہم اس امر کے لئے درج ذیل شرائط ضروری ہیں۔

1۔ تبرک اختیار کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ موثر حقیقی اللہ تعالی ہے جس طرح تمام نعمتیں مثلاً رزق، صحت تندرستی، مدد ونصرت، رہائش اور لباس وغیرہ اس کی عطا سے ملتے ہیں۔اس طرح متبرک اشیاء یا اشخاص میں خیر وبرکت بھی اللہ تعالی ہی نے ودیعت فرمائی ہیں۔مخلوق میں کوئی بھی ازخود خیر وبرکت دینے یا شر وفساد دور کرنے سے عاجز ہے مگر اللہ تعالی کے اذن اور عطا سے ان میں خیر وبرکت پائی جاتی ہے۔

شریعت میں تبرک کی درج ذیل اقسام ہیں: 1۔ ذات رسول خاتم النبیین ﷺ سے تبرک 2۔ انبیاء کرام علیہ السلام اور صالحین سے تبرک 3۔افعال واقوال سے تبرک

اُمت مسلمہ کو ہر طرح کی رحمت اور فیض سے مالا مال کرنے کے لئے اللہ تعالی اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی طرف سے اس امت کو قرآن پاک کے احکامات اور ترغیب کے ذریعے ایسے افعال واقوال ومعاملات بجالانے کو کہا گیا ہے جن پر صرف عمل پیرا ہونے سے ہی اسے خیر وبرکت سے نوازدیا جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر درود بھیجنا، تلاوت قرآن، نعت پڑھنا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، صدقہ وخیرات کرنا، غریبوں اور مساکین کو کھانا کھلانا، روزہ افطار کروانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔ کسی کی حاجت پوری کرنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا، تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا، سچ بولنا، وعدہ پورا کرنا۔ الغرض بے شمار ایسے کام ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کو خالق کائنات کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں۔

مکان سے تبرک: مقدس مقامات سے برکت حاصل کرنا شریعت سے ثابت ہے۔ان بابرکت مقامات میں روئے زمین کی تمام مساجد خصوصاً مسجد حرام، مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ، مسجد اقصیٰ، مسجد قباء اور بعض مقدس شہر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام اور یمن شامل ہیں۔ علاوہ ازیں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہ السلام اور اولیاء عظام کے مقامات ولادت اور وصال سے بھی برکت حاصل کرنا از روئے شرع جائز ہے۔

زماں سے تبرک: شریعت کی طرف سے امت مسلمہ کو بعض متبرک اوقات اور لمحات بھی نصیب ہوئے ہیں۔ان میں ماہ رمضان، آخری عشرہ کی پانچ طاق راتیں،

شب قدر، شب برات، شب میلاد النبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شب معراج النبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہر رات کا آخری تہائی حصہ، یوم جمعہ، پیر کا دن، جمعرات کا دن، ذوالحجہ کے پہلے دس دن، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، یوم عاشورہ اور میلاد النبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت ایام اور مقدس راتیں شامل ہیں۔

کھانے پینے کی اشیاء سے تبرک: بعض کھانے پینے کی اشیاء بھی ایسی ہیں جن کو اسلام میں دیگر اشیاء سے متبرک کا مقام حاصل ہے۔مثلاً زیتون کا تیل، دودھ، شہد، کھجور، کلونجی، زمزم کا پانی، روزے کے لئے سحری اور افطار کی اشیاء بھی اسی قسم میں شامل ہیں۔

افعال باطنی سے تبرک : بعض افعال کا تعلق انسان کے قلب وروح سے ہوتا ہے۔قرآن وحدیث کی رو سے ان پر عمل پیرا ہونے سے بھی مومن کو برکات الٰہیہ سے نوازا جاتا ہے ان باطنی اعمال میں محبت الٰہی، اطاعت الٰہی، رضائے الٰہی، محبت رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اطاعت رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تعظیم رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نصرت رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، توکل علی اللہ، صبر، شکر، رضا، ریاضت، عبادت، مجاہدہ اور زہد جیسے امور شامل ہیں۔درج بالا امور کے تمام انواع واقسام، قرآن مجید اور آثار صحابہؓ سے ثابت ہیں۔ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار وہی شخص کرے گا جو قرآن وحدیث، صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور آئمہ کے احوال واقوال سے ناواقف ہو گا۔

عقیدہ تبرک میں احتیاط کے پہلو: اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو اعتدال سے نوازا ہے۔جس کی بدولت اس کے ہر امر میں افراط وتفریط کو نظر انداز کیا جائے گا۔لہٰذا اس میں درج ذیل پہلوؤں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

1۔ تبرک کے ہر اس عمل کو مکروہ ناپسند، بدعت ضلالت تصور کیا جائے گا جو اصلاً قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔

2۔ جن اعمال پر شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ان کو ہرگز متبرک نہ سمجھا جائے مثلاً اولیاء اور صالحین کے مزارات کا عبادت کی نیت سے طواف یا سجدہ۔

3۔ آج کل معاشرے میں شریعت سے ناواقف جاہل، بے عمل اور جعلی پیروں کو برکت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ان سے بچنا چاہیے۔

4۔ تبرک اختیار کرنے میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں ہے۔ہاں اگر کوئی شخص ان اماکن واشخاص سے بالذات تاثیر کا عقیدہ رکھے تو یہ جائز نہیں ہے۔

قرآن پاک میں انبیاء اور مقدس مقامات کی برکت کا بیان: برکت اور تبرک کے صحیح تصور کو واضح کرنے کے لئے ذیل میں چند قرآنی آیات کو بیان کیا جا رہا ہے ان آیات مبارکہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن میں لفظ برکت معین شخصیات زمان اور مکان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

انبیاء کرام علیہ سلام کے بابرکت ہونے کا بیان: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض انبیاء کرامؑ اور ان کے اہل وعیال کا مبارک اور بابرکت ہونا بیان کیا ہے۔

1۔حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ''اے نوح علیہ السلام ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (کشتی سے) اتر جاؤ جو تم پر اور ان طبقات پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں ''۔(سورہ ھود، آیت نمبر 48)

2۔حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے۔''اور ہم نے انؑ پر اور اسحاقؑ پر برکتیں نازل فرمائی''۔(سورۃ الصّٰفّٰت:113)

3۔حضرت ابراہیمؑ نے اہل بیت کے لئے فرمایا۔''اے گھر والو تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں بے شک وہ قابل ستائش اور بزرگی والا ہے''۔(سورہ ھود:73)

4۔حضرت عیسیٰؑ کو بابرکت فرمایا۔''اور میں جہاں کہیں بھی رہوں اس نے مجھے سراپا برکت بنایا ہے اور میں جب تک (بھی) زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم فرمایا ہے''۔(سورہ مریم، آیت نمبر 31)

قرآن حکیم کے بابرکت ہونے کا بیان: 1۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو بابرکت فرمایا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور یہ (وہ) کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا یہ بابرکت ہے۔جو کتابیں اس سے پہلے تھیں ان کی تصدیق کرنے والی ہے''۔ (سورہ انعام، آیت نمبر 92)

2۔ سورہ انعام ہی میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا ''اور یہ (قرآن) برکت والی کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے سو (اب) تم اس کی پیروی کیا کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔ (سورہ انعام، آیت نمبر 115)

3۔ قرآن حکیم کو خوبیوں والی اور بابرکت کتاب کہا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔''یہ کتاب برکت والی ہے جسے ہم نے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نازل فرمایا ہے تا کہ دانشمند لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور نصیحت حاصل کریں''۔(سورہ ص، آیت نمبر 29)

4۔ سورہ دخان آیت نمبر ۳ میں ارشاد ہے: ''بے شک ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں اتارا ہے۔بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں''۔

مکانات اماکن مقدسہ کے بابرکت ہونے کا بیان: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بعض خصوصی اماکن اور زمین کے بعض قطعات کا بابرکت ہونا بیان فرمایا ہے۔

1۔ اللہ رب العزت نے خانہ کعبہ کو برکت والا گھر قرار دیا فرمایا "بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا۔ وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لئے (مرکز) ہدایت ہے"۔(سورہ آل عمران، پارہ 3، آیت نمبر 96)

2۔ مسجد اقصیٰ کے گردونواح کو انبیا کرام ؑ کا مسکن ہونے کی وجہ سے بابرکت بنا دیا گیا۔ ارشاد فرمایا گیا "پاک ہے وہ ذات جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرب) بندے کو مسجد حرام سے (اس) مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گردونواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تا کہ ہم اس (بندہ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں بے شک وہ وہی خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے"۔(سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 1)

اللہ تعالیٰ نے سفر معراج کے ضمن میں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کا ذکر فرمایا۔ تو مسجد اقصیٰ کے ساتھ اس کی وجہ فضیلت بھی بتائی کہ اس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں۔ آئمہ تفسیر نے بابرکت ماحول کی وجہ بیت المقدس کے ارد گرد پھل دار درخت اور جاری نہروں کے علاوہ زمانہ موسوی سے اس مسجد کو وحی اور مسکن انبیاء علیہ السلام کے طور پر بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک بڑی وجہ انبیاء علیہ السلام کے مزارات ہیں جو فلسطین اور بالخصوص بیت المقدس شریف کی سرزمین میں موجود ہیں۔ "مسجد اقصیٰ کے ارد گرد کے ماحول کو بابرکت اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انبیا کی قرار گاہ اور نزول ملائکہ اور وحی کا مقام ہے۔

3۔ خطہ شام کے بابرکت ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی۔ اس سرزمین کے مشرق اور مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنایا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی"۔(سورۃ الاعراف، آیت نمبر 137)

سورہ انبیا، آیت نمبر ا ے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور ہم نے ابراہیمؑ اور لوطؑ کو (جو آپ کے بھتیجے تھے یعنی آپ کے بھائی ہارون کے بیٹے تھے) بچا کر (عراق سے) اس سرزمین (شام) کی طرف لے گئے جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکتیں رکھیں ہیں"۔ خطہ شام کو سرزمین انبیا اور صالحین کہا جاتا ہے۔ آئمہ تفسیر نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں جس خطہ زمین کو برکت سے نوازا ہے وہ شام ہے۔ اور درست بات بھی یہ ہے کہ یہ سرزمین انبیاء کی بعثت اور نزول وحی کا خطہ ہے۔ حضرت ابن حولہؓ سے روایت ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا جب تمہارے لشکر الگ الگ ہو جائیں گے۔ ایک لشکر شام میں ہوگا تو ایک یمن اور ایک عراق میں "ابن حولہؓ" نے کہا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اگر میں اس وقت کو پاؤں تو بتایئے کہ میں کس لشکر میں جاؤں؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "تم سرزمین شام کو سکونت کے لئے اختیار کرنا کیونکہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کی زمین میں بہترین زمین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قطعہ ارضی میں اپنے بہترین بندوں کو چن کر اکٹھا فرمائے گا۔ اگر تجھے یہ منظور نہ ہو تو پھر یمن کو اختیار کرنا اور اپنے حوضوں سے پانی پلاتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر ملک شام کی کفالت فرمائی ہے"۔ غور طلب بات تو یہ ہے کہ زمین تو ساری اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لیکن اگر قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق کوئی مقام یا ہستی مبارک ہو اور ایک بندہ مومن خالق کائنات کی طرف سے عطا کردہ برکت کی وجہ سے اس سے تبرک اختیار کرے تو یہ صحیح اور درست امر ہے خلاف شرع اور منافی توحید قرار نہیں دیا جا سکتا۔

5۔ یمن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ہم نے ان باشندوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی (یمن سے شام تک) نمایاں اور متصل بستیاں آباد کر دی تھیں۔"(سورۃ سبا، آیت نمبر ۱۸)

6۔ قرآن پاک کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بے شک ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں اتارا"(سورۃ قدر، آیت نمبر ۱)

7۔ بارش کے پانی کو بابرکت قرار دیا۔ قرآن پاک میں فرمایا "اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی اتارا"(سورۃ ق، آیت نمبر ۹)

8۔ انبیاؑ نے خود واسطہ تبرک اختیار کیا۔ سورہ یوسف، آیت نمبر ۹۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "حضرت یوسفؑ نے کہا میری یہ قمیض لے جاؤ سو اسے میرے باپ (حضرت یعقوبؑ) کے چہرے پر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے"۔

حجرہ مریمؑ سے حضرت ذکریاؑ کا تبرک۔ "سورہ آل عمران، آیت نمبر ۳۸ میں ہے کہ حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کے حجرہ میں کھڑے ہو کر دعا کی عرض کیا "میرے مولا مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے"۔

01۔ قدمین ابراہیمؑ کا بابرکت ہونا: سوہ بقرہ، آیت نمبر ۱۲۵ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے لئے رجوع (اور اجتماع) کا مرکز اور جائے امان بنا دیا اور (حکم دیا کہ) ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقام نماز بنا لو اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک (صاف) کر دو"۔

11۔ صالحین سے منسوب اشیاء سے حصول برکت: حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے تبرکات کا ذکر قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ اہتمام کے ساتھ ایک تاریخی پس منظر میں فرمایا ہے۔

سورہ بقرہ پارہ 2 آیت 248 ترجمہ: ''اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا اس کی سلطنت کے من جانب اللہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکون قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آل موسیٰؑ اور آل ہارونؑ کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہو گا۔ اگر تم ایمان والے ہو تو بے شک تمہارے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں''۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ تفسیر ماجدی میں اس آیت 248 کے تحت لکھتے ہیں التابوت: اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوت سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی اور قومی ورثہ تھا۔ اس میں توریت کا اصل نسخہ بمعہ تبرکات انبیاء علیہ السلام محفوظ تھے۔ بنی اسرائیل اس کو انتہائی بابرکت و مقدس سمجھتے تھے۔ سفر، جنگ و امن ہر حال میں اسے بڑی احتیاط اور حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ مدت ہوئی فلسطینی اس کو چھین کر لے گئے تھے۔ بنی اسرائیل اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست خیال کرتے اور اس کی واپسی کے لئے حد درجہ بے تاب و مضطرب تھے۔ طالوت کے وقت یہ تابوت واپس آ جانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ پھر یہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں رہا۔ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اس میں اسے رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلا۔ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلمانی کی بنیادوں میں دفن ہے (تفسیر حامدی)

حضرت صالح کی اونٹنی سے منسوب کنویں سے تبرک: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ لوگ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ ثمود کی سرزمین حجر میں اترے اس کے کنوؤں سے پانی نکالا اور اس سے آٹا گوندھا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ''اس وادی کے کنوؤں سے جو پانی نکالا ہے اسے پھینک دو اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دو'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ اس (مبارک) کنویں سے پانی لیں جس سے حضرت صالحؑ کی اونٹنی پانی پیتی تھی''۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر ۳۳۷۹۔ صحیح مسلم، جلد ۶، حدیث نمبر ۷۴۶۶)

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے کنویں سے پانی لو، انبیاء و صالحین کے آثار سے تبرک پر دلیل ہے اگرچہ زمانے گزر چکے ہوں اور ان کے مبارک آثار آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہوں اسی حدیث کی تشریح میں شارح صحیح مسلم امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث پاک سے متعدد فوائد کا ثبوت ملتا ہے۔ ان میں ظالموں کے نحس کنوؤں سے اجتناب اور صالحین کے مبارک کنوؤں سے برکت حاصل کرنا مراد ہے۔ اس لئے جس طرح مبارک مقامات سے تبرک حاصل کرنا درست ہے اسی طرح جس مقام پر عذاب الٰہی کا نزول ہوا ہو وہاں غضب الٰہی سے پناہ مانگنا بھی سنت رسول خاتم النبیین ﷺ سے ثابت ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی قمیض مبارک سے تبرک: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ جو جانثار صحابی رسول تھے نے عرض کیا ''یا رسول خاتم النبیین ﷺ مجھے اپنی قمیض مبارک عطا فرمایئے تا کہ اس میں کفناؤں اور ان پر نماز جنازہ پڑھیں اور دعائے مغفرت فرمائیں۔ پس آپ خاتم النبیین ﷺ نے اسے اپنی قمیض مبارک عطا فرما دی تھی۔ (صحیح بخاری الجنائز 127، بخاری) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں حضرت عبداللہؓ کا عرض کرنا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا اپنے اس سچے صحابی کی دلجوئی کے لئے ان کے منافق باپ کو اپنی قمیض عطا فرمانا تبرک کے ثبوت کے لئے اصل ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی مسواک مبارک سے تبرک: کتب صالح میں سے سنن ابوداؤد اور دیگر کتب احادیث میں مسواک دھونے کے حوالے سے روایت ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ ''حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مسواک کیا کرتے تھے۔ سو آپ خاتم النبیین ﷺ مجھے مسواک دھونے کے لئے عنایت فرماتے تو میں دھونے سے پہلے اس سے تبرکاً مسواک کرتی پھر اسے دھو کر آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرتی''۔ (مشکوٰۃ المصابیح، جلد ا، حدیث نمبر 384)

تبرک اختیار کرنے میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں ہے: انبیاء و صالحین کا واسطہ تبرک اختیار کرنا نصوص قرآن اور کثیر احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ جب واسطہ تبرک قرآن و حدیث سے ثابت ہوا تو ہرگز واسطہ شرکیہ نہیں ہو سکتا۔ جمہور اُمت کا یہ عقیدہ ہے کہ آثار و نشانیوں میں از خود کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ان مقدس مقامات کی تعظیم و تکریم کرنا اور ان سے خیر و برکت حاصل کرنا اس وجہ سے ہے کہ یہ بہت سی خیر اور نیکیوں کا باعث اور ذریعہ اور وسیلہ ہوتے ہیں۔ مقربین بارگاہ الٰہی ان اماکن و مقامات میں مراقب ہو کر عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار کرتے رہے۔۔ ان عادات کی وجہ سے ان میں رب رحیم کی رحمتوں کا نزول ہوتا رہا اور ملائکہ مقربین کی آمد ہوتی رہی پس اس لئے رب کائنات کی خصوصی رحمت نے ان اماکن اور آثار کو گھیر لیا ہوتا ہے۔

حیات مبارکہ میں آثار رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے تبرک کا ثبوت

کتب احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے دعا کرانے کے علاوہ بھی بہت سی صورتوں میں آپ خاتم النبیین ﷺ سے تبرک حاصل کرتے تھے۔

1۔اسم محمد خاتم النبیین ﷺ سے حصول برکت: 1۔ حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے۔''دو آدمی اللہ کے حضور حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کا نام ''محمد'' یا ''احمد'' رکھا گیا''۔(کتاب الفردوس 471/7)

2۔ حضرت محمد عثمانؓ عمری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اگر اس کے گھر کے افراد میں ایک یا دو یا تین شخص محمد نام کے ہوں''۔(فیض قدیر 453/5)

3۔ امام مالکؒ کا قول ہے''جس گھر میں بھی محمد نام کا شخص ہو اس میں برکت پھیل جاتی ہے''۔ (کتاب الشفا، الباب الثالث، الفصل الاوّل 176/1، دارالفکر)

4۔ امام حلبیؒ انسان العیون میں روایت کرتے ہیں''جس کی بیوی حاملہ ہو اور وہ بچہ کا نام ''محمد'' رکھنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بیٹا عطا کرے گا۔جس کا بچہ زندہ نہ رہتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ارادہ کرے کہ وہ ہونے والے بچے کا نام محمد رکھے گا تو اس کا بچہ زندہ رہے گا "۔ (انسان العیون)

جائے نماز سے حصول برکت: صحیح بخاری میں حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ کے گھر میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری اور نماز پڑھانے کا واقعہ درج ہے۔جسے آئمہ حدیث نے تبرک کے باب میں حجت قرار دیا ہے۔حضرت محمود بن ربیع انصاریؓ بیان کرتے ہیں''حضرت عتبان بن مالکؓ غزوہ بدر کے انصاری صحابہ میں سے تھے وہ ایک دفعہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا''میری نظر کمزور ہوگئی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں جب بارش ہوتی ہے تو وہ نالہ جو میرے اور ان کے درمیان ہے بہنے لگتا ہے جس کے باعث میں ان کی مسجد تک نہیں جا سکتا کہ انہیں نماز پڑھاؤں۔یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لے چلیں اور وہاں نماز پڑھیں تاکہ میں اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں۔اس پر رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''انشاءاللہ میں کسی دن آؤں گا''۔حضرت عتبانؓ نے بتایا کہ دوسرے دن صبح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دن چڑھنے کے بعد میرے گھر تشریف لائے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حسب معمول اجازت طلب فرمائی۔میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو خوش آمدید کہا۔گھر میں تشریف لانے کے بعد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ بیٹھے نہیں فرمایا''تم کس جگہ کو پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں نماز پڑھوں؟''میں نے گھر کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا۔آپ خاتم النبیین ﷺ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی ہم بھی کھڑے ہوگئے اور صف بنائی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی پھر سلام پھیرا''۔

(شارح صحیح بخاری امام ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کو آثار صالحین سے تبرک کے باب میں حجت قرار دیا ہے۔)

3۔جسد اقدس سے حصول برکت: حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ ایک دیہاتی حضرت زاہدؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں تحفہ لایا کرتے تھے۔جب وہ واپس جانے لگتے تو آپ خاتم النبیین ﷺ بھی اسے سامان عنایت کرتے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا زاہد ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ان کا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے جسد اقدس سے حصول تبرک کا واقعہ ایک حدیث مبارکہ میں یوں ہے''ایک دن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے تو وہ (زاہد) بازار میں سامان بیچ رہے تھے تو آپ خاتم النبیین ﷺ اس کو پیچھے سے اس طرح بغل گیر ہو گئے کہ وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔انہوں نے کہا کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو۔پھر جب انہوں نے مڑ کر دیکھا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہیں تو (عقیدت و محبت کے ساتھ) اپنی پیٹھ کو آپ خاتم النبیین ﷺ کے سینے مبارک سے حصول برکت کے لئے ملانا شروع کردیا''۔(بخاری، جلد 1، صفحہ 55، کتاب الوضو)

4۔وضو کے بچے ہوئے پانی سے حصول برکت: حضرت ابوجحیفہؓ سے مروی ہے''حضور پاک خاتم النبیین ﷺ دوپہر کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے۔پانی لایا گیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے وضو کیا۔لوگ آپ خاتم النبیین ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لے کر اسے اپنے اوپر ملنے لگے۔پس حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں''۔حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ''حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ اور چہرہ اقدس کو اس میں دھویا اور اس میں کلی کی پھر ان دونوں سے فرمایا اس میں سے پی لو اور سینوں پر ڈال لو''۔

(بُخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب: استعمال فضلِ وضوء الناس، ۱: ۸۰، رقم: ۱۸۵) "ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے بھی ان دونوں کو پردے کے پیچھے سے آواز دی۔ اس متبرک پانی میں سے اپنی ماں (یعنی حضرت ام سلمہؓ) کے لیے بھی چھوڑ دینا۔ پس انہوں نے ان کے لئے بھی کچھ پانی باقی رکھا"۔ (بُخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب: غزوۃ الطائف، ۴: ۱۵۷۳، رقم: ۴۰۷۳)

حضرت ابو جحیفہؓ سے یہ بھی مروی ہے "میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو چمڑے کے ایک سرخ خیمہ میں دیکھا اور حضرت بلالؓ کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی استعمال کرتے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ آپ خاتم النبیین ﷺ کے استعمال شدہ پانی کے حصول کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ جسے کچھ مل گیا اس نے اپنے اوپر اسے مل لیا اور جسے اس میں سے ذرا بھی نہ ملا اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری حاصل کی"۔ (بُخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ فی الثیاب، باب: الصلاۃ فی الثوب الاحمر، ۱: ۱۴۷، رقم: ۳۶۹)

5۔ دست اقدس کی برکتیں: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے مبارک ہاتھ ہزاروں باطنی اور روحانی فیوض و برکات کے حامل تھے۔ جس کسی کو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے مس کیا اس کی قسمت ہی بدل گئی۔ وہ ہاتھ کسی بیمار کو لگا تو نہ صرف یہ کہ وہ تندرست و شفایاب ہو گیا بلکہ اس خیر و برکت کی تاثیر تادم آخر وہ اپنے قلب و روح میں محسوس کرتا رہا۔ کسی نے سینے کو یہ ہاتھ لگا لیا تو اسے علم و حکمت کے خزانوں سے مالا مال کر دیا۔ بکری کے خشک تھنوں میں اس دست اقدس کی برکت اتری تو وہ عمر بھر دودھ دیتی رہی۔ توشہ دان میں موجود گنتی کی چند کھجوروں کو ان ہاتھوں نے مس کیا تو اس سے سالوں تک منوں کے حساب سے کھانے والوں نے کھجوریں کھائیں مگر پھر بھی اس ذخیرہ میں کمی نہ آئی۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگی میں بارہا ان مبارک ہاتھوں کی خیر و برکت کا مشاہدہ کیا۔ وہ خود بھی ان سے فیض حاصل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی فیض یاب کرتے رہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک جنگ میں سینکڑوں کی تعداد میں صحابہ کرامؓ موجود تھے جن کے کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اس موقع پر میرے ہاتھ ایک توشہ دان لگا (ڈبہ) جس میں کچھ کھجوریں تھیں۔ آقائے دو جہان کے پوچھنے پر میں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ کھجوریں ہیں۔ فرمایا لے آؤ۔ میں وہ توشہ دان لے کر حاضر خدمت ہو گیا اور کھجوریں گنیں تو وہ کل اکیس نکلیں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنا دست اقدس اس توشہ دان پر رکھا اور فرمایا۔ دس آدمیوں کو بلاؤ میں نے دس افراد بلائے وہ آئے اور خوب سیر ہو کر چلے گئے۔ اس طرح دس دس آدمی آتے اور سیر ہو کر اٹھ جاتے یہاں تک کہ تمام لشکر نے کھجوریں کھائیں اور کچھ کھجوریں میرے پاس توشہ دان میں باقی رہ گئیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اے ابو ہریرہؓ تم اس توشہ دان میں سے کھجوریں نکالنا چاہو تو ہاتھ ڈال کر کھجور نکال لیا کرو لیکن توشہ دان نہ انڈیلنا"۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ "میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے فرمانے پر اس توشہ دان سے کھجوریں کھاتا رہا اور پھر حضرت ابو بکرؓ صدیق کے دور خلافت اور پھر حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں، حتیٰ کہ حضرت عثمان غنیؓ کے پورے عہد خلافت تک اس میں سے کھجوریں کھاتا رہا اور خرچ کرتا رہا۔ جب حضرت عثمان غنیؓ شہید ہو گئے تو جو کچھ میرے پاس تھا وہ چوری ہو گیا میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں نے اس میں سے کتنی کھجوریں کھائیں ہوں گی۔ سیدنا ابو ہریرہؓ نے اس توشہ دان سے منوں کے حساب سے کھجوریں نکالیں پھر بھی تادم آخیر وہ ختم نہ ہوئیں"۔ (ترمذی 3839، صحیح ابن حبان الاحسان 6532، الخصائص الکبریٰ، جلد 2، صفحہ 86,87) (سیوطی)

6۔ قدمین شریف کی برکات: جس پتھر پر سیدنا حضرت ابراہیمؑ قدم مبارک رکھتے ہوئے کعبہ شریف تعمیر فرماتے رہے وہ آج بھی صحن کعبہ میں مقام ابراہیمؑ کے اندر محفوظ ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے لگنے سے وہ پتھر نرم ہو گیا اور ان کے قدموں کے نقوش اس پر ثبت ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ جب پتھروں پر چلتے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاؤں مبارک کے نیچے وہ نرم ہو جاتے اور قدم مبارک کے نشان ان پر لگ جاتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ ایک صحابیؓ نے اپنی اونٹنی کی سست رفتاری کی شکایت کی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے پائے مبارک سے اسے ٹھوکر لگائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اس کے بعد وہ ایسی تیز ہو گئی کہ کسی کو آگے بڑھنے نہ دیتی تھی"۔ (ابو عوانہ، المسند، ۳: ۴۵، رقم: ۴۱۴۵ بیھقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۲۳۵، رقم: ۱۴۱۳۲ حاکم، المستدرک، ۲: ۱۹۳، رقم: ۲۷۲۹)

غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے مبارک قدموں کی برکت سے حضرت جابرؓ کا اونٹ بھی تیز رفتار ہو گیا تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے پائے مبارک سے اسے ٹھوکر لگائی اور ساتھ ہی دعا فرمائی۔ پس وہ اتنا تیز رفتار ہوا کہ پہلے کبھی نہ تھا"۔ (احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۹۹) (مسلم، الصحیح، ۳: ۱۲۲۱،

کتاب المساقاۃ، رقم:۱۵۱۷) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے فیوض وبرکات بالخصوص آپ خاتم النبیین ﷺ کی عطا سے جو فائدہ ملتا اسے خاص لفظ برکت سے منسوب کرتے ہوئے کبھی بھی صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں یہ بات نہ آتی تھی کہ برکت تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بلکہ صحابہ کرامؓ اپنے قول وفعل سے اس چیز کا اظہار کرتے تھے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی برکت سے فلاں فائدہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے دوبارہ اپنے اس صحابی سے اونٹ کے بارے میں دریافت کیا کہ اب تیرے اونٹ کا کیا حال ہے تو انہوں نے فرمایا۔ ''بخیر قد احکابتہ برکتک'' بالکل ٹھیک، اسے آپ خاتم النبیین ﷺ کی برکت حاصل ہوگئی ہے''۔

7۔موئے مبارک سے حصول برکت: امام ابن سیرینؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں جب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنا سر مبارک منڈوایا تو حضرت ابوطلحہؓ پہلے شخص تھے جنھوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے موئے مبارک حاصل کئے۔ صحابہ کرامؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے موئے مبارک، وضو کا پانی، لعاب دہن، پسینہ مبارک اور جن جن چیزوں کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے مس کیا ہوتا ان سے برکت حاصل کرتے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے'' جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے مقام جمرہ پر کنکریاں ماریں اور قربانی کرلی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے سر انور کا دایاں حصہ حجام کے سامنے کر دیا۔ اس نے بال مبارک مونڈھ دیئے۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت ابوطلحہؓ کو بلایا اور ان کو وہ موئے مبارک عطا کئے۔ اس کے بعد حجام کے سامنے بائیں جانب کی اور فرمایا مونڈھو۔ اس نے ادھر کے بال مبارک بھی مونڈ دیئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے وہ بھی حضرت ابوطلحہؓ کو عطا کئے اور فرمایا یہ بال لوگوں میں تقسیم کردو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں'' میں نے دیکھا کہ حجام آپ خاتم النبیین ﷺ کے سر اقدس کی حجامت بنا رہا تھا اور صحابہ کرامؓ آپ خاتم النبیین ﷺ کے گرد گھوم رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا کوئی ایک بال مبارک بھی زمین پر نہ گرنے پائے بلکہ ان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں آجائے ''۔ (صحیح مسلم، جلد۔۱۵،صفحہ ۸۳)(مسند احمد، جلد۔۳،صفحہ ۵۹۱)

8۔ناخن مبارک سے حصول برکت: حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ایک دفعہ منیٰ میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو اپنے موئے مبارک اور ناخن کٹوا کر عطا فرمائے۔ جن میں سے کچھ انہوں نے لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر ۱۱۳۲۲)

9۔صحابہ کرامؓ اپنے بچوں کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے گھٹی دلواتے تھے: آپ خاتم النبیین ﷺ نومولود کے منہ میں اپنا مبارک لعاب دہن ڈالتے اور یوں اس بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز پہنچتی وہ تاجدار کائنات حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا مبارک لعاب دہن ہوتا۔ اس سے کسی صالح مرد یا عورت سے نومولود کو گھٹی دینا ثابت ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر ۳۹۱۰، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۲۴۴۰)

01۔پسینہ مبارک سے حصول برکت: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے جسد اطہر سے ہمیشہ پاکیزہ خوشبو آتی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے اس خوشبو کو مشک وغیرہ اور پھول کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔ صحابہ کرامؓ اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے اور شادی بیاہ کے موقعوں پر اپنی بیٹیوں کے لئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پسینہ مبارک کو حاصل کرتے۔ حضرت ثمامہؓ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے لئے چمڑے کا ایک گدا بچھایا کرتی تھیں۔ اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اس گدے پر قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سونے سے بیدار ہوتے تو ام سلیمؓ آپ کے پسینے کو ایک شیشی میں جمع کرتیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ بیدار ہوئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' اے ام سلیم تم یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا'' یہ آپ خاتم النبیین ﷺ کا پسینہ ہے جس کو ہم اپنی خوشبو میں ڈالیں گے اور یہ سب سے اچھی خوشبو ہے''۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر ۶۲۸۱)

11۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے مبارک ملبوسات سے (تبرک) یا برکت: مولائے کائنات سیدنا حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد کا وصال ہوا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنا کرتہ مبارک عورتوں کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ'' یہ کرتا انہیں پہنا کر اوپر کفن لپیٹ دو''۔ (طبرانی، المعجم الکبیر، 24:351، رقم:871) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ وصال فرما گئیں تو آپ خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے اور فرمایا ان کو تین یا پانچ مرتبہ یا اگر مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ بار بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دو اور آخر میں کچھ کافور لگا دینا۔ جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا''۔ جب اطلاع دی گئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنی مبارک چادر عنایت فرمائی اور فرمایا'' اس کو کفن کے نیچے پہنانا''۔ اس حدیث مبارک میں آثار صالحین اور ان کے استعمال شدہ کپڑوں سے تبرک کا ثبوت ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد بن سفیان غزوہ تبوک میں شہید ہوئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں اپنی مبارک قمیض کا کفن دیا۔ (. ابن اثیر، أسد الغابة، 3:262) حضرت عبداللہ بن حارثؓ جب فوت ہوئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنی مبارک قمیض کا کفن دیا۔ (ابن اثیر، أسد الغابة، 3:207) حضرت

عبداللہ بن ثابتؓ جب فوت ہوئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں اپنی قمیض مبارک میں دفن کیا۔ (عسقلاني، الاصابة في تمييز الصّحابة، 4:29، رقم:4575)

12　عصا مبارک سے حصول برکت: حضرت عبداللہ بن انیسؓ کہتے ہیں کہ جب میں گستاخ رسول خاتم النبیین ﷺ سفیان بن خالد الھذ ی کو واصل جہنم کر کے آقائے دو جہاں کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تمہارا چہرہ فلاح پائے''، میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں نے سفیان بن خالد کو قتل کر دیا''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تو نے سچ کہا''۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ اپنے دولت کدہ میں تشریف لے گئے اور مجھے ایک عصا عطا فرمایا اور فرمایا ''اے عبداللہ بن انیسؓ اسے اپنے پاس رکھنا''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے دن یہ تیرے اور میرے درمیان ایک نشانی ہوگا جس دن بہت کم لوگ کسی کے ساتھ تعاون کرنے والے ہوں گے"۔ حضرت عبداللہ بن انیس نے اس عصا کو اپنی تلوار کے ساتھ باندھ لیا۔ یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا۔ انہوں نے عصا کے متعلق وصیت کی تھی کہ اس کو ان کے کفن میں رکھ دیا جائے اور پھر اسے ان کے ساتھ یکجا کر کے دفن کر دیا جائے۔ (مسند احمد، ۱۷۷۰)

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمرہؓ اپنی دادی حضرت کبشہ انصاریہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ''انہوں نے کہا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس سے پانی پیا۔ اس حال میں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ قیام فرما تھے، (یعنی آپ خاتم النبیین ﷺ کی موجودگی میں ہی) انہوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے دہن اقدس والی جگہ سے مشکیزے کا منہ حصول برکت کے لئے کاٹ کر رکھ لیا''۔ (ابن ماجہ، السنن، کتاب الاشربہ، باب: الشرب قائماً، ۲: ۱۱۳۲، رقم: ۳۴۲۳)

حضرت ام سلیمؓ حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ حضرت انسؓ اپنی والدہ ماجدہ کا معمول بیان فرماتے ہیں: ''حضرت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ حضرت ام سلیمؓ کے ہاں تشریف لائے تو ان کے گھر میں پانی کا ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس مشکیزہ سے پانی نوش فرمایا، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ نے (تبرکاً) اس مشکیزہ کا منہ کاٹ لیا۔ پس وہ اب بھی ہمارے پاس موجود ہے''۔ یعنی دونوں صحابیہؓ کے پاس یہ ٹکڑے ہمیشہ کے لئے خیر و برکت کا باعث بن گئے۔ (احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۱۹، رقم: ۱۲۲۰۹)

عطا شدہ سونے سے حصول برکت: حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں۔ میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ ایک سست اونٹ پر سوار ہونے کی وجہ سے سب سے پیچھے رہتا تھا جب آپ خاتم النبیین ﷺ میرے پاس سے گزرے تو پوچھا ''کون ہے''، میں نے عرض کیا جابر بن عبداللہؓ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''کیا بات ہے؟''، میں نے عرض کیا ''کہ میں ایک سست اونٹ پر سوار ہوں''، آپ خاتم النبیین ﷺ نے مجھ سے چھڑی طلب کی تو میں نے چھڑی آپ خاتم النبیین ﷺ کے حضور پیش کر دی آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس سے اونٹ کو مارا اور ڈانٹا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی برکت سے وہی اونٹ سب سے آگے بڑھ گیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے میرے اونٹ کو خریدنا چاہا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ آپ ہی کا ہے۔ یہ بلا معاوضہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہے۔ مگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے خریدنے پر اصرار کیا اور فرمایا کہ ''میں نے چار دینار کے عوض اس کو تم سے خرید لیا ہے'' اور مجھے مدینہ منورہ تک اس پر سواری کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا۔ ''اے بلالؓ، جابرؓ کو اس کی قیمت دو اور اس میں اضافہ بھی کرو''۔ حضرت بلالؓ نے حضرت جابرؓ کو چار دینار اور ایک قیراط سونا اضافی طور پر دیا۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں ''اللہ کے پیارے رسول خاتم النبیین ﷺ کا دیا ہوا (ایک قیراط) اضافی سونا مجھ سے کبھی جدا نہ ہوا''۔ (مسلم، الصحیح، کتاب المساقاۃ، 3:1222، رقم: 1600- احمد بن حنبل، المسند، 3 : 314، رقم:14416)

خلاصہ بحث۔ اہم علمی نکات: درج بالا موضوعات کے تحت احادیث مبارکہ سے درج ذیل علمی نکات ثابت ہوئے۔

1۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے آثار مبارک سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرامؓ کی سنت رہا ہے۔

2۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے عہد مبارک میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے سامنے ہوا۔ جس سے آپ خاتم النبیین ﷺ نے منع نہیں فرمایا بلکہ برقرار رکھا۔

3۔ یہ تمام روایات صحابہ کرامؓ کے قوت ایمان اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے ان کی شدید محبت، قربت، معیت، اطاعت اور متابعت پر دلالت کرتی ہیں۔

4۔ ان کثیر احادیث کی شرح اور توضیح کرتے ہوئے جلیل القدر آئمہ احادیث، امام مسلمؒ، امام ابن عبد البرؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ عسقلانیؒ اور علامہ شوکانیؒ نے اولیا اور صالحین سے تبرک وحصول برکت کرنے کا جواز ثابت کیا ہے۔ جو سلف صالحین کے تبرک عقیدہ صحیحہ کی غماز ہے۔

بعداز وصال آثار رسول خاتم النبیین ﷺ سے تبرک کا ثبوت

صحابہ کرامؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، جس چیز کو بھی آپ خاتم النبیین ﷺ سے نسبت ہو جاتی وہ اسے دنیا و مافیہا سے عزیز تر جانتے۔ ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین کے ادوار کے بعد نسل در نسل ہر زمانے میں اکابر آئمہ و مشائخ، علماء و محدثین کے علاوہ خلفا و سلاطین بھی تبرکات و آثارِ رسول خاتم النبیین ﷺ کو خصوصی اہتمام کے ساتھ بڑے ادب و احترام سے محفوظ رکھتے۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا آثار رسول خاتم النبیین ﷺ سے تبرک کا معمول

حضرت نافعؓ سے صحیح مسلم کی روایت اس طرح مروی ہے۔ ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ ذوالحلیفہ اس کنکریلی (بجریلی) زمین پر اپنا اونٹ بیٹھاتے تھے جہاں رسول خاتم النبیین ﷺ اپنا اونٹ بیٹھاتے تھے اور اسی جگہ نماز پڑھتے تھے (جہاں آپ خاتم النبیین ﷺ نے نماز پڑھی تھی)''۔ (صحیح مسلم کتاب الحج ۲:۹۸۱ رقم ۱۳۴۷) (سنن ابی داؤد، کتاب المناسک ۲:۲۱۹ رقم ۲۰۴۴)

2۔ سیدہ حضرت عائشہؓ کا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی چیزوں سے تبرک

ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس وہ کمبل محفوظ تھا جس میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا وصال مبارک ہوا۔ حضرت عائشہؓ صحابہ کرامؓ کو حسب ضرورت اور خواہش پر اس کمبل کی زیارت کروایا کرتی تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ ''میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا انہوں نے یمن کا بنا ہوا ایک موٹے کپڑے کا تہمند نکالا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے انہی دو کپڑوں میں وصال فرمایا تھا''۔ (صحیح بخاری، کتاب الخمس، باب ماذکر عن درع عن نبی خاتم النبیین ﷺ ۳:۱۱۳۱ رقم ۲۹۴۱)

3۔ امام بخاری کا عقیدہ

امام بخاری صحیح بخاری میں ''کتاب الخمس'' کے جس باب کے تحت مذکورہ بالا حدیث لائے ہیں۔ اس کا عنوان قائم کر کے انہوں نے لفظ تبرک استعمال کیا ہے۔ ''حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے تبرکات مثلاً زرہ، عصا، تلوار، پیالہ اور انگوٹھی اور ان میں سے جن چیزوں کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بعد خلفاء نے استعمال کیا جنہیں تقسیم نہیں کیا گیا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے موئے مبارک اور برتن جن سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ اور دیگر لوگ برکت حاصل کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الخمس، باب ۵)

4۔ چادر رسول خاتم النبیین ﷺ کی برکت سے امام بوصیریؒ کی شفایابی

صاحب قصیدہ بردہ شریف امام شرف الدین بوصیریؒ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ اپنے زمانے کے عالم دین، شاعر اور شہرہ آفاق ادیب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا جن کی بنا پر امرا اور سلاطین وقت ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ایک روز وہ کہیں جا رہے تھے کہ سر راہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا بوصیری کیا تمہیں کبھی خواب میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے؟ اس کا آپ نے نفی میں جواب دیا لیکن اس بات نے ان کی کایا پلٹ دی اور دل میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی عشق و محبت کا جذبہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ ہر وقت آپ خاتم النبیین ﷺ کے خیال میں مستغرق رہتے اور اس دوران کچھ نعتیہ اشعار بھی کہے۔ پھر اچانک ان پر فالج کا حملہ ہوا اور ان کا آدھا جسم بیکار ہو گیا اور عرصہ دراز تک اس عارضے میں مبتلا رہے اور کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ اس مصیبت اور پریشانی کے حالات میں امام بوصیریؒ کے دل میں خیال گزرا کہ اس سے پہلے تو دنیاوی حاکموں اور بادشاہوں کی قصیدہ گوئی کرتا رہا ہوں کیوں نہ آقائے دو جہاں کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر اپنے اس مرض لاعلاج کے لئے شفاء طلب کروں؟ چنانچہ اسی بیماری کی حالت میں قصیدہ لکھا۔ رات کو سوئے تو مقدر بیدار ہو گیا اور خواب میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ عالم خواب میں پورا قصیدہ آقائے دو جہاں کو پڑھ کر سنایا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ امام بوصیریؒ کے اس کلام سے اس درجہ خوش ہوئے کہ اپنی چادر مبارک ان پر ڈالی اور پورے بدن پر اپنا دست شفاء پھیرا جس سے دیرینہ بیماری کے اثرات جاتے رہے اور آپ فوراً شفایاب ہو گئے۔ اگلے دن صبح صبح آپ اپنے گھر سے نکلے اور سب سے پہلے جس سے آپ خاتم النبیین ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ وہ اس زمانے کے مشہور بزرگ شیخ ابوالرجاءؒ تھے۔ انہوں نے امام بوصیریؒ سے درخواست کی کہ وہ قصیدہ جو آپ نے حضور پاک خاتم

النبیین ﷺ کی مدح میں لکھا ہے مجھے بھی سنا دیں۔امام بوصیریؒ نے پوچھا کون سا قصیدہ؟ انہوں نے کہا وہی قصیدہ جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے؛

ترجمہ: کیا تو نے ذی سلم کے پڑوسیوں کو یاد کرنے کی وجہ سے گوشہ چشم سے بہنے والے آنسوؤں کو خون میں ملا دیا ہے۔آپ کو تعجب ہوا اور پوچھا کہ اس کا تذکرہ تو میں نے ابھی کسی سے نہیں کیا پھر آپ کو کیسے پتہ چلا؟ انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم جب آپ یہ قصیدہ آقائے دو جہاں کو سنا رہے تھے اور آپ خاتم النبیین ﷺ خوشی کا اظہار فرما رہے تھے تو میں بھی اس مجلس میں ہمہ تن گوش اسے سن رہا تھا۔جس کے بعد یہ واقعہ مشہور ہو گیا اور اس قصیدہ کو وہ شہرت دوام ملی کہ آج تک اس کا تذکرہ زبان زد خاص و عام ہے اور اس سے حصول برکات کا سلسلہ جاری ہے۔چونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے امام بوصیریؒ سے خوش ہو کر اپنی چادر مبارک ان کے بیمار جسم پر ڈالی تھی اور پھر اپنا دست شفا بھی پھیرا تھا جس کی برکت سے وہ فوراً شفا یاب ہو گئے تھے۔لہٰذا اس چادر مصطفی خاتم النبیین ﷺ کی نسبت سے اس قصیدہ کا نام ''قصیدہ بردہ شریف'' مشہور ہوا۔(تھانوی، نشر الطیب فی ذکر عن نبی الحبیب خاتم النبیین ﷺ ۲۹۹۔۳۰۰)

برکات رسول خاتم النبیین ﷺ آج بھی جاری و ساری ہیں جس کسی نے بھی اس قصیدہ کو درماں طلبی کا وسیلہ بنایا اللہ رب العزت نے اسے بامراد کیا۔اس کی برکت سے بہت سوں کو فالج سے صحت یابی اور آشوب چشم کی شدت سے نجات ملی۔اس طرح دیگر پریشان حال لوگوں کے دینی و دنیاوی امور آسان ہوئے۔

5۔موئے (بال مبارک) رسول خاتم النبیین ﷺ کی تبرکاً حفاظت کا اہتمام

1۔ صحابہ کرامؓ کس طرح پروانہ وار موئے مصطفی خاتم النبیین ﷺ کو تبرکاً حاصل کرتے تھے۔اس حوالے سے حضرت انسؓ فرماتے ہیں ''میں نے دیکھا کہ حجام آپ خاتم النبیین ﷺ کا سر مبارک مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرامؓ آپ خاتم النبیین ﷺ کے گرد گھوم رہے تھے ان کی شدید خواہش تھی کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا کوئی بال بھی زمین پر گرنے کی بجائے ان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ پر گرے''۔(شرح صحیح مسلم نودی، جلد ۱۵، صفحہ ۸۳) (مسلم، حدیث نمبر ۲۳۲۵)

2۔ حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہبؓ بیان کرتے ہیں ''جب کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس (پانی کا) برتن بھیج دیتا میں نے برتن میں جھانک کر دیکھا تو میں نے چند سرخ بال دیکھے "۔(صحیح بخاری کتاب الباس، باب مایذکر فی الثیب 5، 2210 رقم 5557)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ کوئی برتن حضرت ام سلمہؓ کے ہاں بھیجتا وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ان مبارک بالوں کو اس میں رکھ دیتیں اور اس میں بار بار دھوتیں پھر وہ بیمار شخص اپنے اس برتن سے پانی پیتا یا مرض کی شفا کے لئے غسل کرتا اور اسے ان موئے مبارک کی برکت حاصل ہو جاتی (یعنی وہ شفایاب ہو جاتا)۔ابن سرینؒ بیان کرتے ہیں ''میں نے حضرت عبیدہؓ سے کہا ہمارے پاس نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے چند موئے مبارک ہیں جن کو ہم نے حضرت انسؓ کے اہل خانہ سے حاصل کیا ہے ''۔حضرت عبیدہؓ نے کہا کہ ''اگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ان مبارک بالوں میں سے ایک بال بھی میرے پاس ہوتا تو وہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا ''۔اور روایت میں ہے کہ حضرت عبیدہؓ فرماتے ہیں ''حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے مبارک بالوں میں سے ایک بال کا میرے پاس ہونا مجھے روئے زمین کی تمام ظاہری اور پوشیدہ خزانوں، سونے اور چاندی کے حصول سے زیادہ محبوب ہے"۔

6۔وصال کے بعد موئے مصطفی خاتم النبیین ﷺ سے حصول برکت:

حضرت ثابت البنانیؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت انسؓ نے فرمایا ''یہ اللہ کے پیارے رسول خاتم النبیین ﷺ کا ایک بال مبارک ہے پس تم اسے میری تدفین کے وقت زبان کے نیچے رکھ دینا'' وہ کہتے ہیں کہ میں نے وہ بال مبارک آپؓ کی زبان کے نیچے رکھ دیا اور انہیں اسی حال میں دفنایا گیا کہ وہ بال ان کی زبان کے نیچے تھا۔(عسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ۱: ۱۲۷)

7۔جنگ میں فتح کے لئے موئے مبارک کا توسل

حضرت صفیہؓ بنت نجدہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی ٹوپی میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے چند موئے مبارک تھے ایک دفعہ دوران جہاد وہ ٹوپی گر گئی۔وہ اس کے لئے تیزی سے دوڑے جبکہ اس معرکہ میں بکثرت صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا ''میں نے صرف ٹوپی کے حصول کے لئے اتنی تگ و دو نہیں کی تھی بلکہ اس لئے کی کہ اس ٹوپی میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے موئے مبارک تھے۔مجھے خوف ہوا میں کہیں ان کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور دوسرے یہ کہ یہ کفار و مشرکین کے ہاتھ نہ لگ جائیں''۔(قاضی عیاض الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ۲: ۶۱۹)

8۔حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے جبہء رسول کو تبرکاً محفوظ رکھا

حضرت اسماءؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت اسماءؓ نے کسروانی طیلسان جبہ نکال کر دکھایا جس کے گریبان اور آستینوں پر ریشم کا کپڑا لگا ہوا تھا پس آپ ؓ فرمانے لگیں ''یہ مبارک جبہ حضرت عائشہؓ کے پاس ان کی وفات تک رہا جب ان کی وفات ہوئی تو اسے میں نے لے لیا۔ یہی وہ مبارک جبہ ہے جسے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ سو ہم اسے دھو کر اس کا پانی تبرکاً بیماروں کی شفایابی کیلئے پلاتے ہیں''۔ امام نوویؒ حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں آثار صالحین اور ان کے ملبوسات سے حصول تبرک کے جائز و پسندیدہ ہونے کی دلیل ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب اللباس والذینۃ، باب تحریم استعمال ۳:۱۶۴۱ رقم ۲۰۶۹) (سنن ابی داؤد ۴:۴۹ رقم: ۴۰۵۴) (بیہقی ۲:۴۲۳ ۱۴۲۳ رقم: ۴۰۱۰)

9۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پیالے سے تبرک

لبِ مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ نے جس برتن کو مس کیا وہ بھی بڑا ہی بابرکت ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ ایسے برتنوں کو بطور تبرک اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے اور پینے پلانے کے ایسے برتنوں کا استعمال باعث برکت اور سعادت گردانتے تھے۔ (صحیح بخاری، اللباس، حدیث نمبر ۵۸۷۹) (کتاب الاعتصام بالکتاب ۶: ۲۶۷۳ رقم ۶۹۱۰)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا تو مجھے حضرت عبداللہ بن سلامؓ ملے اور انہوں نے کہا ''میرے ساتھ گھر چلیں میں آپ کو اس پیالہ (مبارک) میں پلاؤں گا جس میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے پیا''۔ (بخاری، حدیث نمبر ۳۷۲)

10۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پیالے کی حفاظت کا خصوصی انتظام

حضرت انسؓ کے پاس ایک ایسا پیالہ بھی محفوظ تھا جس میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا۔ اتفاق سے جب وہ ٹوٹ گیا تو اس کی حرمت کا جس قدر اہتمام کیا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے منسوب مبارک اشیاء کو کس قدر حرز جاں بنائے ہوئے تھے۔ حضرت عاصم ابن سرینؓ سے روایت کرتے ہیں ''حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا پیالہ ٹوٹ گیا تو حضرت انسؓ نے اسے جوڑنے کے لئے عام چیز کے بجائے جوڑ پر چاندی کے تار لگا دیئے عاصم (روای) کہتے ہیں خود میں نے اس پیالے کی زیارت کی ہے اور اس میں پیا ہے''۔ (صحیح بخاری الخمس ۳:۱۱۳۱ رقم ۲۹۴۲) (طبرانی ۸:۸۷ رقم ۸۰۵۰)

11۔ پیالہ رسول خاتم النبیین ﷺ کے پانی سے صحابہؓ کا حصول برکت

حضرت حجاج بن حسانؒ بیان کرتے ہیں ''ہم حضرت انسؓ کے پاس تھے کہ آپؓ نے ایک برتن منگوایا جس کے لوہے کے تین مضبوط دستے اور ایک چھلا تھا''۔ آپؓ نے اسے سیاہ غلاف سے نکالا جو درمیانے سائز سے کم اور چوتھائی سے زیادہ تھا۔ حضرت انسؓ کے حکم سے اس میں پانی ڈال کر لایا گیا تو ہم نے پیا اور اپنے سروں اور چہروں پر ڈالا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر درود پاک پڑھا"۔ (مسند احمد بن حنبل ۳:۱۸۷ رقم ۱۲۹۷۱)

12۔ عرق رسول خاتم النبیین ﷺ کو کفن میں لگانے کی وصیت

حضرت ثمامہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیمؓ کے پاس ایک شیشی تھی جس میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا پسینہ اور چند موئے مبارک محفوظ تھے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر ۶۲۸۱) حضرت انسؓ نے اپنے کفن میں اسی عرق رسول خاتم النبیین ﷺ کو بطور خوشبو لگانے کی وصیت کی تھی۔ (مسلم 5/4 رقم 2331)

13۔ قرب رسول خاتم النبیین ﷺ میں دفن ہونے کی خواہش

صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ انہیں قرب مصطفی خاتم النبیین ﷺ میں دفن ہونا نصیب ہوتا کہ عالم برزخ میں بھی قرب وصال محبوب کے لمحات سے ان کی روحوں کو تسکین ملے۔ یار غار حضرت ابوبکرؓ کی اس نیک خواہش کے بارے میں مولائے کائنات سیدنا علیؓ بیان فرماتے ہیں: جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے مجھے اپنے سرہانے بٹھایا اور فرمایا ''اے علیؓ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے انہیں ہاتھوں سے غسل دینا جن سے تم نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو غسل دیا تھا۔ خوشبو لگانا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے روضہ اقدس پر لے جانا اگر تم دیکھو کہ دروازہ کھول دیا گیا ہے تو وہاں دفن کر دینا ورنہ واپس لا کر اُمتہ المسلمین کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ تا وقتیکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دے''۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں آپؓ کو غسل اور کفن دیا گیا اور میں نے سب سے پہلے روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ پر پہنچ کر اجازت طلب کی میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ابوبکرؓ آپ خاتم النبیین ﷺ سے داخلے کی اجازت مانگ رہے ہیں''۔ پھر میں نے دیکھا کہ روضہ اقدس کا دروازہ کھل گیا اور آواز آئی ''حبیب کو اس کے حبیب کے پاس داخل کر دو

بے شک حبیب ملاقات حبیب کے لئے مشتاق ہے"۔ (حلبی السیرت الحلبیۃ ۳: ۴۹۳)(سیوطی ۲: ۲۹۲)(ابن عساکر)

اس طرح حضرت عمرؓ بھی اپنے آقائے کریم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کے خواہاں تھے۔ جب قاتلانہ حملے کے نتیجے میں آپؓ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو سیدہ عائشہؓ کے پاس اجازت لینے کے لئے بھیجا۔ اگر چہ حضرت عائشہؓ خود یہ خواہش رکھتی تھی اور انہوں نے فرمایا ہوا تھا کہ انہوں نے وہ جگہ اپنے لیے پسند فرمائی ہوئی ہے۔ مگر وہ فرمانے لگیں کہ اب میں حضرت عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ حضرت عبداللہ واپس آئے اور اپنے والد کو خوشخبری سنائی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "میرے نزدیک اس آرام گاہ سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ جب میں انتقال کر جاؤں تو مجھے اٹھا کر اس جگہ لے جانا۔ سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ عمر بن خطابؓ اجازت چاہتا ہے اگر وہ (سیدہ عائشہؓ) اجازت دے دیں تو دفن کر دینا ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا"۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنایز ۱: ۴۶۹ رقم ۱۳۲۸)(البیہقی، ابن جوزی)

14۔ نعلین مبارک سے تبرک

جن پاپوش کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پھولوں سے نرم و نازک تلوؤں نے مس کیا اور جنہیں آپ خاتم النبیین ﷺ کے مبارک قدمین شریف سے نسبت ہوگئی وہ بھی بڑے بابرکت ہوگئے۔ صحابہ کرامؓ نے ان نعلین مبارک کو تبرکاً محفوظ رکھا اور ہمیشہ ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔ (صحیح بخاری، فرض الخمس، ۲۰۱۳ء)

15۔ نقش نعلین مبارک

نقش نعلین مبارک کے حوالے سے امام ابن فہد مکیؒ اور دیگر آئمہ کی ایک کثیر تعداد نے اپنا یہ تجربہ بیان کیا ہے کہ یہ جس لشکر میں ہوگا وہ فتح یاب ہوگا، جس قافلے میں ہوگا وہ بحفاظت اپنی منزل پر پہنچے گا، جس کشتی میں ہوگا وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی۔ جس گھر میں ہوگا وہ جلنے سے محفوظ رہے گا۔ جس مال میں ہوگا وہ چوری سے محفوظ رہے گا اور کسی بھی حاجت کے لیے صاحب نعلین سے توسل کیا جائے تو وہ پوری ہوگی اور اس توسل سے تنگی فراخی میں تبدیل ہو جائے گی۔ (فتح المتال فی مدح النعال)

16۔ حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ کے ساتھ عصاء رسول خاتم النبیین ﷺ کی تدفین

حضرت انسؓ بن مالکؓ سے مروی ہے "حضرت عبداللہ بن انیسؓ کے پاس حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ایک چھوٹی سی چھڑی تھی جب وہ فوت ہوئے تو وہ (چھڑی) ان کے ساتھ ان کی قمیض اور پہلو کے درمیان دفن کی گئی"۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۶:۶)

17۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے منبر مبارک سے تبرک

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمن بن عبدالقاریؒ بیان کرتے ہیں "میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے منبر (نبوی خاتم النبیین ﷺ) کی وہ جگہ جہاں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے اسے اپنے ہاتھ سے چھوا اور پھر ہاتھ اپنے چہرے پر مل لیا"۔ (ابن حبان الثقات ۴: ۹ رقم ۱۶۰۶)(ابن سعد ۱: ۲۵۴)

18۔ صحابہ کرامؓ کا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی قبر انور سے تبرک

حضرت داؤد بن صالحؒ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز مروان بن الحکم آیا اور اس نے دیکھا کہ ایک آدمی حضور پرنور خاتم النبیین ﷺ کی قبر انور پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں تو مروان نے اس سے کہا کہ "تو جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟" پھر مروان اس کی طرف بڑھا تو دیکھا کہ وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ہاں میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا"۔ (مستدرک ۴: ۵۱۵)(مسند احمد ۵: ۴۲۲)

مذکورہ تمام روایات جو احادیث مبارکہ کی معتبر ترین کتب سے ماخوذ اور صحیح ہیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام و آئمہ کرامؒ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بعد از وصال بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے منسوب ہر شے کی اس طرح بے حد تعظیم کی جسطرح وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں ان کی تکریم کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ جو تبرکات رسول خاتم النبیین ﷺ کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے تو ان سے ان کا مقصد انہیں برائے نمائش محفوظ رکھنا نہیں تھا بلکہ وہ انہیں منبع فیوض و برکات اور دافع آفات و بلیات سمجھتے تھے۔ ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے۔ ان ہی روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور دیگر اکابرین اُمت نے ان آثار و تبرکات سے نہ صرف یہ کہ فیوض و برکات حاصل کیں بلکہ مقاصد جلیلہ بھی پورے کئے۔

آثار اولیاء اور صالحین سے تبرک

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی حیات میں اور بعد از وصال آپ خاتم النبیین ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کی سنت سے ثابت ہے۔ یہ سلسلہ تبرک صرف آقا خاتم النبیین ﷺ کی ذات تک محدود نہیں رہا بلکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی محبت اور معیت سے فیض یاب ہونے والے صحابہ کرامؓ اور پھر ان سے نسبت غلامی رکھنے والے تابعین، آج تک آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت میں جتنے اکابر اولیا، صالحین، محدثین، فقہا، مفسرین گزرے ہیں ان کے متعلقین ان کے آثار سے برکت حاصل کرتے رہے ہیں۔ ہر ولی اور صالح شخص نے انکی حیات میں اور انکی وفات کے بعد ان کی قبور سے برکت حاصل کی۔

1۔ برکات اولیاء کے سبب فتح و نصرت اور رزق کی فراہمی:

1۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب لوگوں کی ایک بڑی جماعت جہاد کرے گی تو ان سے پوچھا جائے گا کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی صحبت میں رہا ہو پس وہ لوگ کہیں گے کہ ہاں ایسا شخص ہمارے درمیان موجود ہے۔ اس صحابی رسول خاتم النبیین ﷺ کی وجہ سے فتح عطا کر دی جائے گی۔ پھر لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب لوگوں کی ایک بڑی جماعت جہاد کرے گی تو ان سے پوچھا جائے گا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے اصحاب کی صحبت پائی ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہاں پھر انہیں اسی تابعی کی وجہ سے فتح عطا کر دی جائے گی۔ پھر لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک کثیر جماعت جہاد کرے گی تو ان سے پوچھا جائے گا کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے اصحاب کی صحبت پانے والوں کی صحبت پائی ہو وہ کہیں گے کہ ہاں تو انہیں تبع تابعی کی وجہ سے فتح عطا کر دی جائے گی"۔ (بخاری شریف، ۳۶۴۹)

2۔ حضرت علیؓ عراق میں تھے کہ آپؓ کے پاس اہل شام کا ذکر کیا گیا۔ لوگوں نے کہا امیر المومنین آپؓ اہل شام پر لعنت بھیجیں۔ آپؓ نے فرمایا: ”نہیں میں لعنت نہیں بھیجتا کیونکہ میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ شام میں (ہمیشہ) چالیس ابدال موجود رہیں گے ان میں سے جب بھی کوئی مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو ابدال بنا دیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اہل شام بارش سے سیراب ہوتے ہیں، دشمنوں پر ان کو ابدال کی وجہ سے فتح عطا کی جاتی ہے اور ان کی برکت سے اہل شام سے عذاب کو ٹال دیا جاتا ہے“۔ (مسند احمد، حدیث نمبر ۱۲۷۲۷) (مشکوٰۃ، حدیث نمبر ۵۸۲)

3۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ”ابدال میری اُمّت میں تیس (۳۰) ہیں۔ اُن ہی سے زمین قائم ہے، اُنہی کے سبب تُم پر مینہ اُترتا ہے، اُنہی کے باعث تمہیں مدد ملتی ہے۔“ (تفسیر ابنِ کثیر: 1/304، مجمع الزوائد: 10/63)

4۔ رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ”ابدال شام میں ہیں اور وہ چالیس (۴۰) ہیں۔ جب اُن میں سے کسی کا اِنتقال ہوتا ہے تو اللہ اُس کی جگہ پر دُوسرے کو بدل دیتا ہے۔ اُن کے ذریعے سے مینہ برسایا جاتا ہے اور اُن سے دشمنوں پر مدد لی جاتی ہے اور اُن کی برکت سے زمین والوں کی بلائیں رد ہوتی ہیں۔ یہی اہل بیت رسول خاتم النبیین ﷺ ہیں اور اِس اُمّت کے مان ہیں۔ اگر یہ مر جائیں تو زمین خراب اور دنیا تباہ ہو جائے۔“ (حکیم ترمذی، نوادر الوصول صفحہ 223-222)

5۔ **قبور اولیاء اور صالحین سے تبرک:** امت مسلمہ میں ہر زمانے میں اللہ رب العزت کے کچھ اولیاء، صالحین اور مقرب بندے موجود ہوتے ہیں۔ اللہ اپنے ان صالح بندوں کی برکات کے سبب سے امت مسلمہ کو فتح و نصرت، بارش اور رزق سے نوازنے کے ساتھ ساتھ ان سے اپنے عذاب کو بھی دور فرماتا ہے۔

اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ، آیت نمبر 251 میں اِرشاد فرمائی: ”اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفعہ نہ کرے تو زمین برباد ہو جائے۔“

2۔ اجساد اولیاء کو بوسہ دینے سے تبرک:

1۔ تاریخ میں ایسے واقعات بے شمار ہیں جن کے مطالعہ سے حقیقت واضح ہوئی ہے کہ اُمت مسلمہ کے ہر دور میں اکابر اولیاء اور عامتہ الناس اپنے زمانہ کی متبرک اور مقدس شخصیات کے ہاتھ، پاؤں اور سر چوم کر ان کے فیوض و برکات کو سمیٹتے رہے ہیں۔ تابعی کبیر حضرت ثابتؒ نے حضرت انسؓ بن مالکؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو چھوا ہے تو آپ نے کہا کہ ”ہاں“ پھر ثابتؒ نے حضرت انسؓ کے ہاتھ کو چوما۔

2۔ یحیٰ بن ذماریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے مل کر کہا ”آپ نے اس ہاتھ سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بیعت کی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں تو میں نے کہا کہ اپنا ہاتھ میری طرف کریں کہ میں اسے بوسہ دوں تو انہوں نے اپنا ہاتھ میری طرف کیا تو میں نے اسے بوسہ دیا“۔

3۔ حضرت صہیبؓ کہتے ہیں ''میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ انہوں نے (اپنے چچا) حضرت عباسؓ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ سیدنا حضرت علیؓ حضرت عباسؓ پر فضیلت رکھتے ہیں مگر صالح چچا ہونے کی وجہ سے آپؓ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کا بوسہ لیا''۔

4۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے امام عالی مقام حسن بن علی بن ابی طالبؓ سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا۔'' آپ مجھے وہ جگہ دکھائیں جہاں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے بوسہ لیا ہے۔ حضرت امام حسنؓ نے اپنے جسم سے کپڑا سرکا دیا تو انہوں نے آپ کی ناف کا بوسہ لیا "۔

5۔ امام مسلم (صاحب صحیح) نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاری کی پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر عرض کیا۔'' اے استادوں کے استاد سید المحدثین اور علل حدیث کے طبیب آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں؟ ''۔

6۔ علامہ ابن جوزیؒ اور امام ذہبیؒ، امام ابو قاسم سعد بن علی بن محمد الزنجانی (م 471ھ) کے متعلق لکھتے ہیں۔'' جب وہ حرم میں تشریف لاتے تو لوگ طواف کو چھوڑ دیتے اور حجر اسود کو چومنے سے بھی بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے "۔

3۔ تبرکاً صالحین کے دست بوس سے متعلق آئمہ اربعہ کی تصریحات:

مذاہب اربعہ کے فقہاء اور آئمہ نے اولیاء اور صالحین کے ہاتھوں اور پاؤں کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے چومنے کو جائز، مستحب اور مسنون قرار دیا ہے۔

1۔ احناف (حضرت امام ابو حنیفہؒ) کا موقف: امام زین الدین بن نجیم حنفیؒ (متوفی 970ھ) لکھتے ہیں امام سرخی اور بعض متاخرین آئمہ نے حصول برکت کے لئے عالم، متقی اور زاہد شخص کے ہاتھ کو چومنے کی رخصت دی ہے۔ علامہ علاؤ الدین حنفی رقمطراز ہیں "حصول برکت کے لئے عالم اور زاہد شخص کا ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں ہے "

2۔ مالکیہ (حضرت امام مالکؒ) کا موقف: علامہ ابن بطال قرطبیؒ نے ہاتھ چومنے پر امام مالکؒ کا خصوصی بیان کیا ہے'' اگر تکبر اور بڑائی کے پیش نظر کسی کا ہاتھ چوما جائے تو امام مالک نے اسے ناپسندیدہ قرار دیا ہے لیکن اگر یہ عمل کسی شخص کے دین، علم اور شرف کے باعث اللہ رب العزت کے ہاں قربت چاہنے کی وجہ سے ہو تو جائز ہے "۔

3۔ شوافع (حضرت امام شافعیؒ) کا موقف: شارح صحیح مسلم امام محی الدین النووی شافعیؒ (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں۔

1۔ صالح، زاہد، عالم اور ان جیسے دیگر آخرت کی فکر رکھنے والے اشخاص کا ہاتھ چومنا مستحب ہے۔

2۔ علامہ محمد شربینی شافعی لکھتے ہیں'' امور دینیہ مثلاً زہد اور علم سے تعلق رکھنے والے زندہ صالح شخص کا ہاتھ چومنا سنت سے ثابت ہے"۔

3۔ علامہ شروانی شافعی کہتے ہیں'' یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ صالح شخص کے ہاتھ اور پاؤں کو چومنا مسنون عمل ہے "۔

4۔ حنابلہ (حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کا موقف: علامہ منصور بن یونس بن ادریس حنبلیؒ صالحین کے ہاتھوں کو چومنے کے بارے میں لکھتے ہیں'' اہل علم و دین ان جیسی دیگر شخصیات کا سر اور ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے علامہ بہوتی آگے لکھتے ہیں'' کسی کی دینداری، اکرام اور احترام کے سبب سر اور ہاتھ چومنا مباح (جائز) ہے بشرطیکہ شہوت نفسانی سے محفوظ ہو"۔

4۔ اجسادِ اولیاء سے منسوب اشیاء سے تبرک: امام شافعیؒ کے شاگرد ربیع بن سلیمانؒ کہتے ہیں "امام شافعیؒ مصر تشریف لائے تو انہوں نے مجھ سے کہا میرا یہ خط سلامتی سے ابو عبداللہ احمد بن حنبلؒ تک پہنچا دو اور مجھے جواب لا کر دو''۔ ربیعؒ کہتے ہیں کہ ''میں وہ خط لے کر بغداد پہنچا تو نماز فجر کے وقت امام احمد بن حنبلؒ سے میری ملاقات ہوئی۔ پس جب وہ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو میں نے خط ان کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔ یہ خط آپ کے بھائی شافعیؒ نے آپ کو مصر سے بھیجا ہے۔ امام احمدؒ نے مجھ سے کہا کیا تو نے اسے پڑھا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے مہر توڑ کر اسے پڑھا تو ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ میں نے پوچھا ابو عبداللہ کیا ہوا؟ اس میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا امام شافعیؒ نے مجھے لکھا ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کی ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں فرمایا ہے کہ ابو عبداللہ کو خط لکھو۔ اسے سلام لکھ کر کہو کہ تمہیں عنقریب آزمایا جائے گا اور تمہیں خلق قرآن (قرآن مخلوق ہے) کے باطل عقیدہ کی دعوت دی جائے گی۔ سو تم اسے قبول نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن باعزت عالم دین کے طور پر اٹھائے گا''۔ اس کے بعد ربیعؒ بیان کرتے ہیں ''میں نے ان سے کہا ابو عبداللہ آپ کو تو خوشخبری ملی ہے ''انہوں نے اپنے جسم سے مس کردہ قمیض اتار کر مجھے عنایت کی میں ان سے جواب لے کر مصر میں امام شافعیؒ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا ''انہوں نے تمہیں کوئی چیز عطا کی ہے؟ '' میں نے کہا '' اپنی قمیض ''۔ امام شافعیؒ نے کہا ''ہم تمہیں اس کے بارے میں زیادہ تکلیف میں مبتلا نہیں کرتے مگر اتنا کرو کہ اسے گیلا کر کے ہمارے حوالے کر دو تا کہ ہم اس سے برکت حاصل کریں''۔

سوال وجواب

سوال 1:۔ آپ عرس کیوں مناتے ہیں؟ یہ کس کی سُنت ہے؟

جواب:۔ یہ سنتِ الٰہی ہے۔عرس یادگار منانے کو کہتے ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہر سال حج کے موقع پر سیدنا نبینا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اوران کے مبارک خاندان کا عرس مناتے ہیں۔مثال کے طور پر سیدّہ حاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو پانی کی تلاش میں صفا مروہ کے درمیان دوڑیں تھیں۔اب حاجی ہر سال کیوں دوڑتے ہیں؟ پانی تو برآمد ہو چکا۔معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی منشاء یہ ہے کہ اے میرے بندو تم میری بارگاہ کے مقبولین جیسی قربانیاں کہاں پیش کرسکو گے تم تو بس ان کی نقل کرلو۔میں ان کے صدقے میں نقل کرنے والوں کو بھی مغفور بنادوں گا۔**عرس ایک یادگار ہے کہ اس دن ایک اللہ کا بندہ اس حالت میں اپنے رب کی طرف لوٹا ہے کہ اس نے اپنی اطاعت اور مجاہدے سے وہ مقام حاصل کرلیا کہ اللہ اُس سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگیا۔**ہم جو عرس مناتے ہیں یہ بھی اپنے خواجگان کرام کی نقل کرتے ہیں۔

سوال 2:۔ آپ مزارات پر کیوں جاتے ہیں؟ وہاں کیا ہے؟

جواب:۔ صفا مروہ میں کیا ہے؟ ایک ولیہ کے نقشِ کفِ پا ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَروَۃَ مِن شَعَآئِرِ اللّٰہِ" یعنی بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں"جس زمین پر ایک ولیہ کے نقشِ کفِ پا ہیں وہ تو "مَن شعائر اللہ" ہے۔تو جس زمین میں ولی پورے کا پورا اپنے جسم مقدس کے ساتھ دفن ہے اس زمین کا بھی تو کوئی مقام ہوگا۔دراصل لوگ اولیاء اللہ کے بارے میں صحیح معلومات نہیں رکھتے۔ولی اسے کہتے ہیں۔جو ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی تسلیم ورضا کی تلوار سے اپنے نفس کو کچلتے رہتے ہیں۔پھر اللہ تبارک وتعالیٰ جن کے خزانے میں کوئی کمی نہیں اور جن کے ارادوں میں کوئی دخیل نہیں وہ ایسے بندوں کو کیا کچھ نہ عطا فرماتے ہوں گے۔

ایک شخص جو بڑا گنہگار بھی ہو لیکن ایک دفعہ اللہ کی راہ میں جان قربان کردے تو اسے شہید کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''وہ زندہ ہے اُسے مُردہ گمان بھی نہ کرو''۔پھر جو شخص ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے ارادے میں اپنا ارادہ فنا کردے۔اور اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف سوچنے بھی نہ دے وہ اسے کیسی حیات عطا فرماتے ہوں گے؟ اولیاء اللہ کے مزارات پر ہمہ وقت انوار کی بارش ہوتی ہے۔اور جو وہاں حاضر ہوتے ہیں ان پر بھی ان انوارات کے چھینٹے پڑتے ہیں۔اولیاء اللہ صدیقین کے زمرے میں ہیں اور ان کا مقام انبیاء علیہم اسلام اور صحابہ کرامؓ کے بعد سب سے بلند ہے۔

سوال 3:۔ آپ کہتے ہیں کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ خدا نہیں لیکن خدا سے جُدا بھی نہیں پھر کیا ہیں؟

جواب:۔ دھوپ سورج نہیں لیکن سورج سے جُدا بھی نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی اس تخلیق یعنی سورج کو یہ قدرت عطا فرمادی ہے کہ اپنے نور کو خود سے جدا کرکے زمین پر بھیجتا ہے تاکہ حیات انسانی نشو ونما پاسکے۔اگر سورج خود زمین پر آجائے تو حیاتِ انسانی قائم نہ رہے۔اس لیئے انہوں نے ذاتِ مصطفی خاتم النبیین ﷺ کو اپنے نور کا برقعہ بنا کر بھیجا تاکہ عالم کیلئے ان کا نور فیض رساں بن جائے۔

سوال 4:۔ آپ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ عاشق ہیں اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ محبوب ہیں لیکن عاشق تو محبوب کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو ہر احتیاج سے پاک ذات ہے۔پھر معاملہ کیا ہے؟

جواب:۔ ہم اس لیئے عاشق ومحبوب کے الفاظ استعمال کرتے ہیں کیونکہ ہماری لغت میں دو جانوں کے درمیان انتہائی قرب ظاہر کرنے کیلئے کوئی اور لفظ نہیں۔

ورنہ اللہ تعالیٰ کا تعلق اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ سے اور حبیب خاتم النبیین ﷺ کا تعلق اپنے رب سے ان دو الفاظ تک محدود نہیں۔اے عزیز لامحدود کبھی حد میں مقید نہیں ہوتا اور لا وجود جذبات والا نہیں ہوتا۔ویسے عاشق محبوب کا اسلیئے محتاج ہوتا ہے کہ عشق جمال کے بعد وجود میں آتا ہے۔لیکن یہاں داستان بڑی عجیب وغریب ہے۔یہاں عشق پہلے وجود میں آیا اور جمال بعد میں آیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاہا کہ میں جانا اور پہچانا جاؤں کہ میں کس شان کا رب ہوں تو اپنے نور سے نور مصطفی خاتم النبیین ﷺ کو وجود میں لے آیا۔اس لیئے اللہ تبارک وتعالیٰ عاشق ہوکر بھی لا احتیاج ہی رہے۔

سوال 5:۔ اولیائے کرام پر بڑی کیفیات طاری رہتی ہیں۔حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ ہر مومن کی منزل ہے۔ان پر ایسی کیفیات کیوں نہیں طاری ہوتیں؟

جواب:۔ تم منزل میں مسافر کی کیفیات ڈھونڈتے ہو؟ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ ہر مومن کی منزل ہیں۔راستے گرد وغبار تھکن اور سفر کی دیگر کیفیات مسافر پر وارد ہوتی ہیں۔منزل میں تو سکون وقرار ہوتا ہے اور مسافر کا انتظار ہوتا ہے۔

سوال 6:۔ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے لباس اور خوراک میں بڑی سادگی تھی لیکن اولیاء اللہ نے رنگین لباس پہنے اور بڑے لذیز کھانے کھائے۔اس کی کیاوجہ ہے؟

جواب:۔ بیج اور تنے میں کبھی پھل نہیں لگتا۔ پھل ہمیشہ شاخوں پر لگتا ہے۔حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کی مثال بیج کی ہے۔صحابہ کرامؓ مثل تنے کے ہیں۔اولیاء اللہؒ مثل شاخوں کے ہیں۔پھل ہمیشہ شاخوں پر نمودار ہوتا ہے۔اور شاخوں پر جو پھل آتا ہے وہ بیج ہی کی عظمت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

سوال 7:۔ آپ میلاد شریف اور دیگر محافل میں کھانے تیار کرنے اور دیگر لوازمات پر جو اتنا خرچ کرتے ہیں اس کا کیا جواز ہے؟

جواب:۔ دنیا میں بھی اپنے تعلقات پر غور کرلو۔ ہر تعلق کی پرورش کیلئے ایثار کرنا پڑتا ہے۔کہیں عید پر تحائف دینے پڑتے ہیں۔کہیں دعوتیں کرنا پڑتی ہیں۔غرضیکہ کوئی تعلق بغیر ایثار کے پرورش نہیں پاتا۔اور کسی تعلق کا صدق بغیر قربانی کے نہیں نکھرتا اور کوئی صدیق تعلق مُراد سے محروم نہیں رہتا۔

اس لیئے اللہ تعالیٰ نے بھی کلام پاک میں کئی جگہ ارشاد فرمایا کہ ’’جب تک تم اپنی سب سے محبوب شے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کروگے، نیکی کو ہرگز نہ پاسکوگے‘‘ اہلِ دنیا، دنیا کی خاطر دعوتیں کرتے ہیں، خرچ کرتے ہیں، روشنیاں کرتے ہیں اور اہلِ آخرت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

سوال 8:۔ (ایک انگریز مسلم خاتون) اہلِ اسلام اور غیر مسلموں کی روحانیت میں کیا فرق ہے؟

جواب: غیر مسلموں کی روحانیت فنا سے پیدا کی جاتی ہے اسلیئے اصل سے واصل نہیں ہوتی۔فنا میں ہی رہتی ہے اور انجام کار فنا ہوجاتی ہے یا بھگوان بننے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔مسلمان کی روحانیت بقا سے آتی ہے، عطا ہوتی ہے، اسلیئے باقی کردیتی ہے اور عبدیت کی طرف بڑھاتی ہے۔روحانیت کا مقصد آخرت کے حالات سے باخبر کر کے اُس کیلئے تیار کرنا اور تکمیل ایمان ہے غیر مسلم کی روحانیت متاثر تو کرسکتی ہے لیکن سکون کی بجائے بے چینی پیدا کرتی ہے۔

سوال 9:۔ (انگریز مسلمان عورت) بچہ پیدائشی اندھا کیوں ہوتا ہے؟

جواب:۔ بچہ کسی کی فصل ہے۔فصل پر جو مصیبت وارد ہوتی ہے وہ کسان کی غفلت کی مظہر ہوتی۔اُس کے گناہ کی سزا ہوتی ہے یہ کسان میں تلاش کرکہ اس کی فصل کیوں خراب ہے؟

سوال 10: (انگریز مسلمان عورت) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ’’اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے‘‘۔پھر انسان کا کیا قصور ہے؟

جواب: یہ بات اللہ تعالیٰ نے گناہگاروں کیلئے ارشاد فرمائی ہے کہ جسے چاہتا ہوں ہدایت دیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں گمراہ کردیتا ہوں۔ہدایت انعام ہے اور انعام کیلئے علت ضروری نہیں۔بعض دفعہ کسی مقبول بارگاہ کی دعا کے صدقے میں کسی گناہگار کو ہدایت عطا فرمادیتے ہیں۔لیکن گمراہی کیلئے علت کا ہونا لازمی ہے۔مزید برآں ایک شخص گناہگار تو ہے لیکن شرمسار رہتا ہے اور ارادے نیک رکھتا ہے۔ایک شخص گناہ بھی کرتا ہے اور بجائے شرمسار ہونے کے گناہ پر فخر کرتا ہے۔ایک وقت آتا ہے کہ اس نیتِ بد کی وجہ سے اس کے قلب پر مہر لگادی جاتی ہے۔

سوال 11: یورپ میں ایک عیسائی راہب کی خانقاہ ہے اُس نے بے شمار لنگڑوں کو تندرست کردیا۔وہاں بے شمار بیساکھیاں لٹکی ہوئی ہیں اور لنگڑوں کے سرٹیفکیٹ بھی ہیں کہ ہم یہاں بیساکھیوں پر آئے تھے اب شفاء پاکر جارہے ہیں۔مسلمان درویش ایسے مظاہرے کیوں نہیں کرتے؟

جواب: جن لڑکوں (لنگڑوں) کو اس راہب نے تندرست کیا۔کیا اُن کے بارے میں کوئی تحقیق کی گئی ہے کہ تندرست ہوکر انہوں نے کیسے اعمال کیئے؟ کتنے قتل کیئے اور کتنے ڈاکے ڈالے؟ مسلمان درویش دنیا کے معاملے میں اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالتا جب تک خیر برآمد ہونے کی اُمید نہ ہو۔اُس کا مطمعِ نظر آخرت ہے۔اگر کسی دنیاوی تکلیف سے آخرت سنورتی ہے تو مسلمان درویش اس تکلیف کو گوارا کرے گا۔

سوال 12: (ایک ہندو) ہم بت کو پرماتما اوتار مانتے ہیں آپ پیر کو اوتار مانتے ہیں۔پھر ہم میں اور آپ میں کیا فرق ہے؟

جواب: تم جسے پرماتما اوتار مانتے ہواُسے تم نے خود بنایا ہے۔ہم جسے اوتار مانتے ہیں اُسے ہمارے پرماتما نے اپنا اوتار بنایا ہے۔

سوال 13: اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، پھر وہ اپنی تمام مخلوق کو دوجہانوں کی نعمتوں سے اس طرح کیوں نہیں نوازتا کہ کسی کے ہاں کوئی کمی نہ رہے؟

جواب: ماں باپ کے پاس اللہ کی عطا کردہ بے شمار نعمتیں ہوتی ہیں لیکن ان میں سے اُسے شیر خوار بچے کی قوتِ ہضم کے مطابق تھوڑا سا دودھ کیوں دیتے ہیں؟ معلوم ہوا بچے کی قوتِ ہضم کے مطابق غذا دینا کمالِ محبت کی بنا پر ہے۔اللہ تعالیٰ بھی اپنی مخلوق کو اُن کے ظرف کے مطابق نعمتیں عطا فرماتے ہیں تاکہ وہ اپنی حد میں قائم رہیں ہلاک

نہ ہو جائیں۔

سوال14: جس گناہگار کو توبہ کا سلیقہ نہ آتا ہو وہ مغفرت حاصل کرنے کیلیئے کیا کرے؟

جواب: جو غسلِ طہارت کے ارکان پورے نہ کر سکتا ہو اسے چاہیے کہ دریا میں کود جائے۔ پاک ہو جائے گا۔ اور جس گناہگار کو توبہ کا سلیقہ نہ آتا ہو اُسے چاہیئے کہ کسی مغفور کا دامن تھام لے۔ ارکان معاف ہو جائیں گے، مُراد حاصل ہو جائے گی۔ جہاں جرم کمال کو پہنچتے ہیں اور اسباب دم توڑتے ہیں۔ وہاں تعلق بروئے کار لائے جاتے ہیں۔

سوال15: انسان میں خدا کیسے ہے؟

جواب: باغ میں پھول کی خوشبو کی کیا حد ہے؟ ناک کے اندر کتنی خوشبو جاتی ہے، ساری یا کچھ جزو؟ اگر جزو گیا تو جزو پر کل کا کیسے فیصلہ کرتے ہو؟ اگر اس کی حدود نہیں تو کیوں کہتے ہو کہ خوشبو آئی؟

یہ کیوں نہیں کہتے کہ کچھ خوشبو آئی؟ پھول کا جوہر جب وجود کے اندر آتا ہے تو آپ کہہ اُٹھتے ہیں کہ گلاب کا پھول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انسان کے اندر آنے سے مُراد ان کی محبت کا دل میں قائم ہونا ہے۔ جہاں اس کی یاد ہے وہی اس کی ذات ہے۔ یہ شہ رگ سے قریب ہونے کی بحث ہے۔ ذات انسان کے اندر نہیں آسکتی اسلیئے کہ لامحدود ہے۔ لطیف ہے۔ اس کی محبت قلب میں آتی ہے۔ عطر خوشبو سے کم لطیف ہے اس لیئے اُس کا مشاہدہ ہو سکتا ہے لیکن خوشبو جو زیادہ لطیف ہے اسے نہ دیکھا جا سکتا ہے۔ نہ ملا جا سکتا ہے، نہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ عطر کی مانند ہے اور دیکھی جا سکتی ہے۔ اُس عطر کے اندر ذات کے پرتو (عکس) اور انوار ہیں۔ لیکن ذات مثلِ خوشبو کے ہے۔ نہ اس کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ نہ اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

سوال16: جو ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اس میں کسی فقیر کا کام نہیں ہے؟

جواب: بغیر کسی کی انگلی پکڑے تو ہم ماں کے پیٹ سے بھی باہر نہ آئے۔ پھر کسی کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا۔ بے جان کا بھی سہارا لیا۔ پھر استادوں سے علم حاصل کیا۔ یہ بات جو تم نے کہی ہے یہ بھی کسی نے پڑھائی ہے۔ کائنات کے کسی ذرے نے ارتقاء حاصل نہ کیا۔ جب تک کوئی نہ ملا۔ پھل اس وقت تک شاخ پر نمودار ہوا جب کسی مالی نے کھاد دی اور محنت کی۔

سوال17: دست غیب کیا ہے؟

جواب: دستِ غیب یہ ہے کہ آپ اپنی نفسانی خواہشات سے دل کو فارغ کریں اور صرف رضائے الٰہی کے لیئے اس کی مخلوق کی خدمت کا ارادہ کرلیں۔ پھر جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما رکھا ہے اس کے مطابق اسکی مخلوق کی تواضع شروع کر دیں۔ اگر گھر میں اور کچھ نہیں تو سادہ پانی ہی پیش کر دیں۔ جب آپ خلوص سے قدم بڑھائیں گے تو پھر یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا۔ آپ کو خود بھی معلوم نہ ہوگا کہ اسباب کیسے پیدا ہوئے ہیں؟ کیسے سب انتظام ہوتا ہے؟ لیکن آپ کے ہاں آنے والوں کی تواضع ہوتی ہی رہے گی۔ اور اس میں اضافہ بھی ہوتا رہے گا۔

سوال18: فقرا جمود ہیں۔ اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: تیرے ہاتھ پر جو گھڑی بندھی ہے اس کے چند پُرزے حرکت کرتے ہیں اور چند پرزے جمود میں ہیں۔ اگر جمود والوں کو نکال دیا جائے تو حرکت کرنے والے حرکت نہیں کر سکتے۔ فقراء کائنات کے پیچ ہیں۔ ان کے بغیر نظام کائنات چل نہیں سکتا۔ یہ نہ ہوں گے تو قیامت آجائے گی۔ (جواہرُ العارف)

****

مُصَنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	خاتم النبیین مُحسنِ اِنسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمَیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مُختصرِتذکرئہ انبیاءکرامؑ، صحابہ کرامؓ و آئمہ کرامؒ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)